مناظرِ قیامت

قرآن کی زبان میں

ترجمہ

مشاھد القیامۃ فی القرآن

تالیف
سیّد قطب شہیدؒ

ترجمہ
محمد نصر اللہ خاں خازِن

فہرست مضامین

تعارف سیّد قطب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

سید قطب شہید مرحوم و مغفور کی عبقری شخصیت اب اردو خواں طبقہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی۔ ان کی بیشتر اہم تصنیفات اردو زبان میں منتقل ہو چکی ہیں۔ خصوصاً ان کی معرکۃ الآرا کتاب " العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام " (اسلام کا عدل اجتماعی) ان کی ژرف نگاہی وسعتِ مطالعہ اور اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کے بارے میں ان کے پختہ یقین کا بیّن ثبوت ہے۔ یہ کتاب اہلِ علم حضرات سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اردو، فارسی، ترکی اور انگریزی میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب " معالم فی الطریق " — (نشانِ راہ شائع شدہ بہ عنوان "جادہ و منزل") دعوتِ حق کے مختلف مراحل، راہِ حق میں پیش آنے والے ابتلاء و آزمائش، مومن صادق اور داعیٔ حق کے لیے ضروری صفات، صبر و ثبات اور استقلال و استقامت پر جس جامعیت اور اذعان کے ساتھ روشنی ڈالتی ہے اس کی زندہ مثال انہوں نے اپنے پختہ سیرت و کردار، بے پناہ عزم و استقلال اور راہِ حق میں فداکارانہ جاں نثاری سے دی ہے۔ انہوں نے قرآن کا جس دِقّتِ نظر سے مطالعہ کیا اور اس کے اعجازی اسلوبِ بیان کو جس اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے اس کا اندازہ ان کی تصنیف "التصویر الفنیّ فی القرآن" اور " مشاھد القیامۃ فی القرآن " کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ یہ دونوں کتابیں زبان و ادب اور تفہیمِ قرآن کے لحاظ سے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ " مشاھد القیامۃ فی القرآن " میں عالمِ آخرت کی جادو اثر تصویر کھینچی گئی ہے۔ اور بندگیٔ رب پر آمادہ کرنے کے لیے سحر انگیز اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا اردو ترجمہ "مناظرِ قیامت قرآن کی زبان میں" قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ قارئین اصل کتاب کا مطالعہ کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصنف شہیدؒ کا اجمالی تعارف بھی پیش کر دیا جائے تاکہ پوری کتاب میں جو روح کارفرما ہے اور پوری تحریر کے پس منظر میں جو شخصیت جھلک رہی ہے وہ قارئین کے سامنے آ جائے۔ اس طرح کتاب کے مندرجات سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

پیدائش اور تعلیم : سید قطبؒ کے آباؤ اجداد کسی زمانے میں جزیرہ نمائے عرب سے ہجرت کر کے

مصر کے ضلع اسیوط میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کے والد کا نام حاجی ابراہیم قطبؒ اور والدہ کا نام فاطمہ حسینؒ ہے۔ آپ کی پیدائش اسی ضلع اسیوط کے گاؤں مُوشا میں ۱۹۰۶ء میں ہوئی۔ سیّد شہیدؒ کے والدین کھیتی باڑی کرتے تھے اور انتہائی متقی اور عبادت گزار تھے انہیں قرآن مجید سے والہانہ محبت تھی۔ ان کی دلی خواہش اور کوشش تھی کہ ان کی اولاد قرآن مجید کی حافظ اور عالم بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بچوّں کی تربیت اسی انداز میں کی۔ وہ عموماً بہترین قاریوں کو گھر پر بلاتے اور ان کی قرأت خود بھی سنتے اور اپنے بچوّں کو بھی سناتے۔ اسی ماحول کا اثر تھا کہ سید قطبؒ نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں ہی مکمل کر لی۔ بعدازاں آپ نے ثانوی تعلیم مدرسہ "تجہیزیہ دارالعلوم" میں مکمل کر کے ۱۹۲۹ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۳۳ء میں ایجوکیشن میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

سرکاری ملازمت خداداد قابلیت اور اعلیٰ علمی اور تعلیمی صلاحیتوں کی وجہ سے سید قطب شہیدؒ کو اسی کالج میں پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو وزارتِ تعلیم میں انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ پر تعینات کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں وزارتِ تعلیم کی طرف سے آپ کو جدید طریقۂ تعلیم کے مطالعہ اور اعلیٰ تربیت کے لیے امریکہ بھیجا گیا۔ جہاں آپ نے ولسن ٹیچرس کالج واشنگٹن، ٹیچرس کالج گریلی کولوراڈو اور اسٹان فورڈ یونیورسٹی میں دو سال قیام کر کے جدید نظامِ تعلیم کا مطالعہ کیا۔ امریکہ کے اس مختصر قیام میں آپ نے امریکہ کے جدید معاشرہ اور جدید تہذیب کی ظاہری چمک دمک کے نیچے تاریک حیوانی زندگی کا بنظرِ غائر مشاہدہ کیا۔ اسی مشاہدہ کے نتیجے میں آپ اپنے دل میں احیاءِ اسلام کی تڑپ لے کر واپس وطن لوٹے۔

الاخوانُ المسلمون میں شمولیّت امریکہ سے مراجعت کے بعد سید شہیدؒ "الاخوان" کی دعوت و تحریک کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بالآخر مطالعہ و تحقیق کے بعد ۱۹۴۵ء میں "الاخوان" میں شامل ہو گئے۔ اس زمانے میں مصر میں شاہی استبداد اور انگریزی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریک زوروں پر چل رہی تھی۔ "الاخوان" ملک میں سیاسی اور دینی شعور کی بیداری میں سرگرم حصہ لے رہی تھی اور عوام میں اس کی مقبولیت عروج پر پہنچ چکی تھی۔ انگریز اور شاہ فاروق کی حکومت "الاخوان" کی اس تحریکِ آزادی سے سخت خائف تھے۔ چنانچہ اس تحریک کا راستہ روکنے کے لیے ایک سازش کے تحت ۱۹۴۹ء میں "الاخوان"

کے مرشدِ عام استاذ حسن البنّاؒ کو شہید کر دیا گیا جبکہ وہ اپنی جماعت کی ایک میٹنگ سے فارغ ہو کر دفتر سے باہر نکل رہے تھے۔ الاخوان کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۲ء تک کا عرصہ اخوان المسلمون کے لیے سخت آزمائش کا دور تھا۔ اخوان کے ہزاروں کارکن حوالۂ زنداں کر دیے گئے۔ ہزاروں حکومت کے جَور و ستم کا نشانہ بنے۔ ۱۹۵۲ء میں مصر میں فوجی جنتا نے شاہِ فاروق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ فوجی انقلاب کے بعد اخوان کے ابتلاء و امتحان کا ایک دوسرا دور شروع ہو گیا۔ ۱۹۵۲ء میں اخوان المسلمون سے پابندی اٹھالی گئی۔ ڈاکٹر حسن الہضیبی مرشدِ عام منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالقادر عودہ (شہید) سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ قافلہ تحریکِ اسلامی نے ڈاکٹر حسن الہضیبی کی قیادت میں دوبارہ آغازِ سفر کیا۔ ۱۹۵۴ء میں اخوان کی "مجلسِ دعوت اسلامی" نے سید قطب کو ماہنامہ "اخوان المسلمون" کا چیف ایڈیٹر مقرر کیا۔ اسی زمانہ میں جمال عبدالناصر اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ اخوان اسے قومی اور ملکی مفاد کے خلاف سمجھتے تھے۔ چنانچہ ماہنامہ "اخوان المسلمون" میں اس پر شدید تنقید کی گئی جس پر اسے جلد ہی بند کر دیا گیا۔ اس طرح کرنل ناصر اور اخوان کے مابین کش مکش کا آغاز ہو گیا۔ اس کے بعد اخوان پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اخوان کو دوبارہ خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ اس کے رہنماؤں سمیت اخوان کے تقریباً ۵۰ ہزار کارکن گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ اُن میں سے ڈاکٹر عبدالقادر عودہ (جو عدالتِ عالیہ کے جج رہ چکے تھے) محمد فرغلی، یوسف طلعت، ابراہیم طیب، ہنداوی دویر اور محمود عبداللطیف کو سزائے موت دی گئی۔ باقی ہزاروں کارکنوں کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ ہر اس شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازی کی گئی جس کا کسی نہ کسی درجے میں اخوان سے کوئی تعلق تھا۔ ان گرفتار شدگان میں سید قطب شہید بھی شامل تھے۔

آزمائش و ابتلاء

سید قطبؒ کو مصر کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ پہلی دفعہ جب آپ کی گرفتاری ہوئی تو آپ شدید بخار کی حالت میں گھر پر صاحبِ فراش تھے۔ فوجی افسر انہیں اسی حالت میں بیڑیاں پہنا کر پاپیادہ گھر سے جیل تک لائے۔ سید شہیدؒ سخت تکلیف کی وجہ سے بے ہوشی کی حالت میں بار بار زمین پر گر جاتے۔ جونہی انہیں کچھ ہوش آتا ان کی زبان پر " اللہُ اکبر وَ للہِ الحمد " کے الفاظ جاری ہو جاتے۔ جیل میں داخل ہوتے ہی دو گھنٹے تک مسلسل انہیں زدوکوب کیا گیا۔ آگ سے انہیں داغا گیا۔ ان پر پولیس کے کتّے چھوڑ دیئے گئے

جو انہیں کچلیوں میں لے کر گھسیٹتے۔ ان کے سر پر مسلسل کبھی ٹھنڈا اور کبھی گرم پانی ڈالا گیا۔ غلیظ گالیوں اور فحش اشاروں سے ان کی توہین کی گئی۔ غرضیکہ ذہنی اور جسمانی اذیت کی کوئی ایسی صورت نہ تھی جو انہیں نہ پہنچائی گئی ہو۔ لیکن سید قطب ہر وقت "اللہ اکبر وللہ الحمد" کے ایمان پرور ذکر سے رطب اللسان رہتے۔

۱۹۵۵ء میں مصر کی "عوامی عدالت" کی طرف سے سید قطب کو ۱۵ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ ایک سال بعد جیل میں انہیں رحم کی اپیل کرنے کا کئی بار مشورہ دیا گیا۔ جیل میں جب کبھی ان کے سامنے معافی نامہ لکھ دینے کی پیش کش کی جاتی ان کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا۔

"اگر میرا قید کیا جانا برحق ہے تو میں حق کے فیصلہ پر راضی ہوں اور اگر باطل نے مجھے گرفتار کر رکھا ہے تو میں باطل سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

جیل میں آپ کو معافی مانگنے کی صورت میں وزارتِ تعلیم کی پیش کش بھی کی گئی۔ لیکن آپ نے پورے استقلال کے ساتھ راہِ حق میں اسے ٹھوکر مار دی۔

۱۹۶۴ء میں جبکہ آپ کی قید کے دس سال گزر چکے تھے عراق کے صدر عبدالسلام عارف کی درخواست پر صدر ناصر نے سید قطب کو جیل سے رہا کر کے گھر میں نظر بند کر دیا۔ ۱۹۶۵ء میں صدر ناصر نے روس کا دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران میں ہی اس نے ماسکو سے اعلان کیا کہ "الاخوان" نے میرے قتل کی جو خفیہ سازش کی ہے وہ پکڑی گئی ہے۔ قبل ازیں میں نے الاخوان کو معاف کر دیا تھا لیکن اس مرتبہ انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔" بس ماسکو سے یہ اعلان ہونا تھا۔ کہ مصر میں پکڑ دھکڑ کا وسیع سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ ڈیلی ٹیلی گراف کی رپورٹ کے مطابق بیس ہزار سے زیادہ لوگ گرفتار کیے گئے۔ جن میں سات سو خواتین بھی شامل تھیں سید قطب کو بھی دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ یہی نہیں سید قطب کا پورا خاندان آزمائش و ابتلاء کی اس بھٹی میں ڈال دیا گیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمد قطب جو بڑے صاحبِ علم و فضل، عربی زبان کے نہایت بلند پایہ انشا پرداز اور درجن بھر معرکۃ الآراء علمی و فکری کتابوں کے مصنف ہیں، گرفتار ہوئے۔ آپ کی ہمشیرگان حمیدہ قطب اور امینہ قطب بھی گرفتار ہوئیں۔ دونوں کو اخوان کے حلقۂ خواتین میں راہ نمائی کا مقام حاصل تھا۔ اول الذکر اس کے دعوتی اور تنظیمی امور سے وابستہ تھیں۔ اور دوسری بچوں اور عورتوں کے لیے دعوتی اور تربیتی لٹریچر

کی تیاری میں منہمک۔ ادھر تیسری بہن کا صاحب زادہ سیّد رفعت بھی اسی راہِ حق میں پابند سلاسل ہُوا اور بعد میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہُوا۔ جیلوں میں گرفتار شدگان پر ایسے وحشیانہ مظالم توڑے گئے جن کی دَورِ وحشت میں بھی مثال نہیں ملتی۔ کچھ عرصہ کے بعد خاص فوجی عدالتوں میں ان کے خلاف مقدماتِ بغاوت دائر کیے گئے اور ملزموں کو صفائی پیش کرنے کے تمام مواقع سے محروم کر دیا گیا۔ مصر کے اندر تو کسی وکیل کو ان کے مقدمات کی پیروی کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ جو شخص بھی اخوان کے ساتھ کسی ہمدردی کا اظہار کرتا گرفتار کر لیا جاتا۔ لیکن دوسرے ممالک، سوڈان اور مراکش سے بھی جن وکلاء نے مقدمات کی پیروی کی اجازت مانگی انہیں بھی اجازت نہ دی گئی۔ حتیّٰ کہ فرانس کی بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر ولیم تھارپ اور ہیگ کے مشہور وکیل اے جے ایم وینڈال کی طرف سے پیروی کے لیے دی گئیں درخواستیں بھی مسترد کر دی گئیں۔ ان حالات میں جو عدالتی کارروائی ہوئی۔ اس کے مبنی بر انصاف یا قانون کے تقاضوں کے مطابق ہونے کا اندازہ خود ہی لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال فوجی ٹربیونل نے اگست ۱۹۶۶ء میں سید قطبؒ اور ان کے دو ساتھیوں کو موت کی سزا سنا دی۔ جو دنیا بھر کے دینی و سیاسی راہنماؤں، مذہبی اور اصلاحی تنظیموں، اخبارات و رسائل کے ہمہ گیر احتجاج اور سزاؤں میں تبدیلی کی درخواست کے باوجود ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کو نافذ کر دی گئی۔ اس طرح عالمِ اسلام کا یہ بطلِ جلیل، دنیا کی یہ عدیم النظیر علمی و فکری شخصیت، قافلۂ راہِ حق کا یہ حُدی خواں پورے صبر و استقلال کے ساتھ دس گیارہ سال تک قید و بند کے مصائب جھیلنے کے بعد راہِ حق میں اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط اَللّٰھُمَّ اغفرلہٗ وارحمہٗ وادخلہ فی دارکَ النعیم

اس کے ساتھ آپ کے بھائی محمد قطب، آپ کی ہمشیرگان حمیدہ قطب اور امینہ قطب کو بھی طویل المیعاد قید بامشقت کی سزائیں سنائی گئیں اور جیل میں ان پر بے پناہ ظلم و تشدد کیا گیا۔

سید شہیدؒ کی تصانیف سید قطبؒ عربی زبان کے نہایت بلند پایہ انشا پرداز اور بہترین شاعر تھے۔ انہوں نے قرآن کا نہایت دقّت نظر سے مطالعہ کیا۔ اس کی فصاحت و بلاغت، اس کی بے مثال ادبی عکاسی اور بے نظیر اسلوبِ بیان پر

انہیں گہرا عبور حاصل تھا۔ اس مطالعہ و تحقیق نے جہاں ان کے فکرِ رسا کو جلا دی اور ان کا سینہ نورِ ہدایت سے منوّر کر دیا وہاں ان کا قلم بھی قرآن کے ادبی حسن و جمال سے گوہر بار ہوا۔ چنانچہ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے جواہر پاروں کی مجمل فہرست حسب ذیل ہے:

۱- العدالة الاجتماعية في الاسلام (اسلام میں عدلِ اجتماعی) اردو میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کا لکھا ہوا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی، فارسی ترکی وغیرہ زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۲- معالم في الطريق۔ اس کا اردو ترجمہ بہ عنوان جادہ و منزل از جناب خلیل حمد احامدی شائع ہو چکا ہے۔

۳- المستقبل لهذا الدّين (اسلام کا روشن مستقبل) اسے پروفیسر عبد الحمید صدیقی نے اردو میں منتقل کیا ہے اور چھپ چکا ہے۔

۴- في ظلال القرآن - (قرآن کے زیرِ سایہ) ساجد الرحمٰن صدیقی اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں ابھی تک صرف دو پارے شائع ہوئے ہیں۔

۵- مشاهد القيامة في القرآن - (مناظرِ قیامت، قرآن کی زبان میں) یہ اس وقت قارئین کے ہاتھ میں ہے۔

۶- التصوير الفني في القرآن (قرآن کا تصویری اسلوبِ بیان)

۷- السّلام العالمي والاسلام (امنِ عالم اور اسلام)

۸- الاسلام ومشكلات الحضارة (اسلام اور جدید تہذیبی مسائل) وغیرہ۔

اس کے علاوہ سید قطب شہیدؒ نے عربی زبان و ادب پر بھی چند کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔

۱- النقد الادبي، اصوله ومناهجه (ادبی تنقید کے اصول و مناہج) ——

۲- نقد كتاب مستقبل الثقافة (مستقبل الثقافت پر تنقیدی نظر)۔ ۳- امريكا التي رأيت (امریکہ جیسے میں نے دیکھا)۔ ۴- اشواک (کانٹے)۔ ۵- المدينه المسحوره (سحر زدہ شہر)۔ ۶- قافلة الرقيق (مجموعۂ اشعار)۔ ۷- الشاطی المجهول (مجموعۂ اشعار)۔

———— ٭ ————

اِنتساب

میرے پیارے اباجان! میں یہ حقیر سا تحفہ لے کر آپ کی روحِ اقدس کے پاس حاضر ہو رہا ہوں! آخرت کی جواب دہی کا خوف تو مجھے صِغر سنی ہی سے طبعاً ودیعت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو کبھی آپ کو مجھے پند و نصیحت کی ضرورت پڑی نہ کبھی زجر و توبیخ کی نوبت آئی۔ میرے سامنے آپ نے اپنی ساری زندگی اس حال میں گزاری کہ آخرت کا دن ہمیشہ محاسبۂ اعمال کا محور رہا، اس کی یاد آپ کے دل کی گہرائیوں میں جاگزین اور اس کا ذکر آپ کی زبان پر جاری رہا۔ آپ اپنے اوپر دوسروں کے حقوق کی ادائگی میں اپنی طرف سے سختی اور دوسروں کے ذمے اپنے حقوق کی بازیابی میں اپنی طرف سے نرمی کی ہمیشہ یہ توجیہہ بیان کرتے کہ آپ کو آخرت کے دن کا ڈر ہے۔ آپ دوسروں کے بُرے سلوک کو اس کا بدلہ چکانے پر پوری طرح قادر ہونے کے باوجود ـــ معاف کر دیتے تاکہ یہ آپ کے لیے قیامت کے روز گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ اکثر آپ اپنی ضرورت کی اشیاء تک حاجت مندوں میں خیرات کر دیتے تاکہ یہ آپ کے لیے توشۂ آخرت بن سکے ـــ بس آپ کا یہ اُسوہ ہی میرے لیے مشعلِ راہ بنا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شبیہہ میری لوحِ خیال پر پوری طرح مرتسم ہے۔ ہم ہر شام کو جب کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو آپ کو اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھتے پاتے ہیں جس طرح آپ

اپنی حینِ حیات میں پڑھا کرتے تھے۔ عالمِ خیال میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اسی حال میں اپنے والدین کی خدمت میں عالمِ آخرت میں جا حاضر ہوتے ہیں۔ ہم آپ کے ننھے منھے بچے قبل اس کے کہ پوری پوری سورتیں اچھی طرح یاد کر سکیں آپ ہی کی نقل میں متفرق آیات ٹوٹی پھوٹی زبان میں ادا کرتے ہیں

پیارے ابّا جان! بس یہی وہ حقیر سا تحفہ ہے جو آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔ شاید کہ آپ کے ہاں مقبول اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مستجاب ہو۔ وما توفیقی الا باللہ

آپ کا خلف

سیّد قطب

مُقدّمہ

کے جدید مکتبۂ فکر کی یہ دوسری کتاب ہے جس کی تالیف کا میں نے ارادہ ابوالفضل ایزدی
قرآن پورا کر لیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب — "التصویر الفنی فی القرآن"
تھی۔ جس کا پہلا ایڈیشن دس سال قبل زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا مقصدِ تالیف
سادہ اور عام فہم انداز میں قرآن کے طرزِ تعبیر کی توضیح اور اس کی خصوصیات و علامات کی تشریح تھا۔
اس میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے میں نے بات ان فقروں پر ختم کی تھی:

"قرآن کے اسلوبِ بیان میں تصویر کشی ایک بہترین ذریعہ افہام ہے۔ یہ کسی ذہنی خیال، نفسیاتی کیفیت، محسوس واقعہ اور آنکھوں کے سامنے کے منظر، نیز انسانی نمونے اور بشری طبیعت کی خیالی صورت میں بہترین عکاسی کرتی ہے۔ پھر یہ تصویر کشی پردۂ ذہن پر مرتسم خیالی صورت کو مزید ترقی دے کر ٹھوس اور مجسم زندگی عطا کرتی ہے یا نئی حرکت بخشتی ہے۔ تب یہ ذہنی خیال ایک ہیئت یا حرکت کی شکل اور نفسیاتی حالت ایک وسیع پردے یا منظر کی حیثیت اور کالبدِ انسانی ایک زندہ جاوید ہستی اور طبیعتِ انسانی ایک مرئی جسم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مختلف حادثات و واقعات اور مختلف کیفیات و مناظر مشخص صورت میں آنکھوں کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں زندگی بھی ہوتی ہے اور حرکت بھی۔ جب گرد و پیش کے ماحول میں انہیں دیکھا جائے تو عالمِ تخیل کے جملہ پہلو ان میں موجود نظر آتے ہیں۔ جونہی ایک حالت کے بعد دوسری حالت طاری ہوتی ہے۔ سامعین کلام ناظرین کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حادثات کے اس پہلے اسٹیج پر جا پہنچتے ہیں جہاں وہ واقع ہو چکے ہوتے ہیں یا واقع ہونے والے ہوتے ہیں۔ اجسام متحرک اور منظر کے بعد منظر آنکھوں کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں اور سامع یہ تک بھول جاتا ہے کہ وہ کوئی کلام پڑھ رہا ہے یا تمثیل بیان کر رہا ہے۔ بلکہ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ یہ کوئی منظر ہے جو آنکھوں کے سامنے پیش آ رہا ہے۔ یا کوئی واقعہ ہے جو وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ گویا یہ مشخص و مجسم وجود ہیں جن پر شام گزرتی اور صبح طلوع ہوتی ہے۔ فی الحقیقت مختلف نفسیاتی حالتوں میں اثر پذیری اور انفعالیت کی یہ وہ مختلف علامات ہیں جو وہاں کے مقام اور مشاہدہ سے پیدا ہوتی اور حادثات کے ساتھ چلتی ہیں۔ یہ وہ کلمات ہیں جن سے زبانیں حرکت کرتی ہیں وہ الفاظ ہیں جو پوشیدہ احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہاں بھی اصل زندگی مراد ہے نہ کہ زندگی کی حکایت!" یہ پہلو نصوصِ قرآنی کے بنظرِ عمیق مطالعہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔

تاریخی قصے، قیامت کے مناظر، انسانیت کے نمونے اور قرآن کا وجدان پر اثر انداز ہونے والا زورِ استدلال جب نفسیاتی کیفیات کی تصویر، ذہنی خیالات کے تشخص اور دعوتِ محمدیؐ کے زمانے کے بعض حالات وواقعات کی تمثیلات کے ساتھ جمع کیے جائیں تو یہ سب حجم کے لحاظ سے قرآن کے تین چوتھائی حصے سے کچھ زیادہ ہی بنتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز بیان وتعبیر میں اسلوبِ تصویر کشی میں مستعمل ہے۔ سوائے ان مقامات کے جہاں تشریعی احکام بیان ہوئے ہیں یا جہاں کہیں کوئی بحث وتکرار نقل ہوئی ہے اس اسلوبِ بیان میں استثناء کہیں نہیں ہے۔ دیگر امور جو ذہنی خیالات کے مجرد بیان کر دینے کے مقتضی ہوں ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ بہرحال مجموعی طور پر یہ قرآن کے صرف ایک چوتھائی حصہ پر ہی مشتمل ہیں۔

پس جب میں یہ کہتا ہوں۔ کہ "فنِ تصویر کشی قرآن کے اسلوبِ بیان کا ایک بہترین ذریعۂ اظہار و بیان ہے" تو یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو آئندہ اس مکتبۂ فکر کی حسبِ ذیل کڑیاں پیش کی جائیں گی:

۱ - القصّة بين التوراة والقرآن

۲ - المنطق الوجدانی فی القرآن

۳ - اساليب العرض الفنية فی القرآن

انشاء اللہ قارئین کرام انہیں اس بیان کردہ نقطۂ نظر سے حسبِ حال پائیں گے۔ ان کے مطالعہ سے ان کے قلب و روح کو ایسا ہی اطمینان اور سکون حاصل ہوگا جیسا اطمینان کہ میں خود محسوس کرتا ہوں۔

زبان وادب اور دین میں طریقۂ تصویر کشی اظہار ما فی الضمیر کا نہایت اعلیٰ وارفع طریقہ ہے یہ بات کہ ہم مدعائے کلام کو اپنے ذہن میں مجرد ذہنی تصور کی حیثیت میں متصور کریں یا یہ کہ اس کے بعد ہم اسے مشخص خیالی تصویر کی شکل میں تصور میں لائیں۔ ان دونوں میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ اس بارے میں یہ وضاحت کافی ہے (جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "التصوير الفنّی فی القرآن" میں بیان کیا ہے):

"پہلی صورت میں مدعائے کلام ذہن اور توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتا ہے۔ ذہن اور توجہ تک اس کی رسائی محض ایک حسین پرچھائیں کی شکل میں ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ شعور اور وجدان کو متاثر کرتا ہے اور نفسِ انسانی تک اس کی رسائی مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔ چنانچہ نظم و ترتیب اور ہم آہنگی و موزونیت Harmony of Sounds کے ذریعے اس کا اثر حواس پر اور حواس

کے ذریعے شعور پر پڑتا ہے۔ خوش آوازی اور روح پرور دلکشی وجدان پر اثر انگیز ہوتی ہے۔ دراصل ذہنِ انسانی مدعائے کلام کے نفسِ انسانی تک پہنچنے کا واحد ذریعہ نہیں۔ بلکہ اس مقصد کو پورا کرنے والے بہت سے دوسرے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔"

برتری اور فضیلت اسی دوسری قسم کے طرزِ بیان کو حاصل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اظہارِ مافی الضمیر کے بارے میں ہر شخص کا اپنا طریقہ اور اپنا نقطۂ نظر ہے۔ لیکن ہم یہاں اس کا جائزہ صرف فنی اور ادبی نقطۂ نظر سے لے رہے ہیں۔ اس حیثیت سے اس کا ایک مقام ہے۔ ادب و فن کا پہلا کام شعور اور وجدان پر جذبات و احساسات کا انعکاس اور اس انعکاس کے ذریعے ادبی اور فنی چاشنی سے دوسروں کو لذت اندوز کرنا ہے۔ نیز حیاتِ انسانی کی پُرسکون سطح کے نیچے پوشیدہ جذبات و احساسات کے اندر ہیجان و اضطراب برپا کرنا اور اس سارے جوش و ولولہ کو متحقق کرنے کے لیے قوتِ متخیلہ کو مشخص صورت گری کے ذریعے غذا فراہم کرنا ہوتا ہے اس طرح کی دلفریب فنکاری کی ضمانت تو وہی اسلوب بیان اور وہی ادب دے سکتا ہے جس میں خیالی تصویر کشی اور فنی کردار سازی کا جوہر پوری طرح موجود ہو۔

قرآن قیامت کے مناظر کو اسی رنگ میں لیتا ہے۔ ان مناظر میں بعض تو حیران کن اور ہولناک تعذیب خانے ہیں۔ بعض جاذبِ نظر اور دلکش مناظر ہیں اور کہیں مختلف صورتیں اور گھنے اور ٹھنڈے سائے ہیں۔ پس انہی دلفریب مناظر اور ہولناک مشاہد کو ہم اس کتاب میں یکجا پیش کریں گے۔

مجھے یہ یقین کامل ہے کہ میں نے اس پیشِ نظر کتاب نیز اس سے پہلی کتاب میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا اور نہ آئندہ آنے والی اس طرح کی دوسری کتابوں میں اس کے سوا کچھ اور کروں گا کہ قرآن کو اپنے دَور کے دل و دماغ میں اس طرح جدید پیرائے میں پیش کروں جس طرح کہ اس دَور کے اہلِ عرب نے اسے پہلی مرتبہ پایا جس دَور میں اس کا نزول ہوا تھا یعنی یہ کہ وہ سب کے سب اس کی جادو بیانی سے مسحور ہو گئے۔ اس کی سحر انگیزی کے اعتراف اور اقرار میں کافر و مومن سب برابر ہیں۔ منکرین اس سے مسحور ہوئے تو وحشت و نفرت میں اس سے بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "اس قرآن پر کان مت دھرو بلکہ اس میں شور و غل کرو تا کہ تم اس طرح غالب آجاؤ۔" اہلِ ایمان اس سے مسحور ہوئے تو اطاعت و فرماں برداری کے لیے حاضر ہو گئے۔ قرآن نے ان کے دلوں میں ایمان و یقین کی دولت بھر دی۔

قرآن —— حسن و اعجاز کا خزینہ —— یہ کتاب عربی زبان کے اب تک کے موجود

ادبی سرمائے میں اپنی نفاست وعمدگی اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کم از کم اس کے اس حُسن و جمال اور اس کے بیان و زبان کی روح پرور تازگی کو لوگوں کے سامنے دوبارہ پیش کیا جائے۔ اس میں سے لغوی، نحوی اور فقہی مُوشگافیوں اور تاریخی قصّوں کے انبار کو چھانٹ لیا جائے اور صرف اس کی خالص فنی و ادبی خصوصیات ہی کو نمایاں اور واضح کیا جائے۔ جو اِس انسانی کو اس کے لطیف ادبی حُسن و جمال سے رُوشناس کیا جائے۔ قرآن کے جدید مکتبۂ فکر کے سلسلے میں یہی میرا بنیادی کام ہے۔ میں نے ان مناظر کو اسی شکل میں لیا ہے جو قرآن کے واضح اور روشن الفاظ سے متبادر ہے۔ نہ تو دور از کار تاویلات سے قرآن کے معانی کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ ایسی مذہبی اور لغوی بحثیں چھیڑی گئی ہیں جن کی ادبی و فنی نقطۂ نظر سے کوئی ضرورت نہ تھی۔ میرا یہ پختہ یقین ہے کہ دورِ اوّل کے عربوں نے قرآن کے ادبی حُسن و جمال کا مشاہدہ اسی شکل میں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قبل اس کے کہ اہلِ تفسیر و تاویل اسے اپنی مُوشگافیوں سے پیچیدہ بنا کر عام آدمی کے لیے ناقابلِ فہم بنا دیتے ان کے احساس و شعور میں گہرائی اور ان کے قلب و ضمیر میں اصلاحِ احوال کی زبردست تحریک پیدا ہوئی۔

مناظرِ قیامت قرآن کی اکثر سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی زیادہ تعداد مکّی سورتوں میں ہے۔ ایک سورت میں ایک سے زیادہ منظر بھی بیان ہوئے ہیں۔ ہر منظر کسی دینی مقصد کے تحت ادبی و فنی اصول کے مطابق اختصار یا طوالت سے بیان ہُوا ہے۔ جیسا کہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ہم نے اس کتاب میں ایک سو پچاس مناظر پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جن کا ذکر قرآن کی ایک سو چودہ میں سے اسّی سورتوں میں ہُوا ہے۔

یہاں ہم نے جو چیز پیش کی ہے وہ ہماری اصطلاح میں "مشاھد" ہے۔ "مشاھد" وہ ہیں جن میں صورت، حرکت اور ہم آہنگی کی کثرت موجود ہو۔ وہ مقامات جہاں آخرت کے دن کا محض ذکر ہُوا ہے یا جنت کے اندر نہریں بہنے کی بات ہوئی ہے، یا "عذاب الیم" یا "عذاب عظیم" یا "عذاب مُھین" کا تذکرہ آیا ہے بغیر اس کے کہ دل و دماغ پر اس کا کوئی اثر مشخص یا متحرک شکل میں مرتسم ہُوا ہو ایسے مقامات سے میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس طرح کے مقامات بہت زیادہ ہیں قرآن کی کوئی ایک سورت بھی ایسی نہیں جو اس طرح کے ذکر، اشارے یا تلمیح سے خالی ہو۔ بعض چھوٹے "مشاھد" سے بھی کسی حد تک صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے کہ یہ مناظر گنتی میں زیادہ ہیں حالانکہ ان کی اصل اور بنیاد ایک ہے — البتہ اس کثرتِ تعداد کے باوجود ان میں تکرار نہیں ہے

ہر منظر اپنے سے پہلے منظر سے اپنی کلیات میں یا جزئیات میں مختلف ہے۔ درحقیقت یہ اعجاز ہی کا ایک کرشمہ ہے جو کروڑوں انسانوں کی تخلیق میں موجود اعجاز تخلیق سے مشابہ ہے۔ خدا کی کائنات کے اس عجیب و غریب وسیع عجائب خانے میں سب کے سب انسان بس رہے ہیں لیکن وضع قطع اور رنگ ڈھنگ ہر ایک کا اپنا ہے۔

میرے پیش نظر ان مناظر کو مرتب اور پیش کرنے کے کئی طریقے تھے۔ لیکن میں نے ان کے بیان کی تاریخی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے حتی الامکان استعراضی طریقہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جس ترتیب سے وہ سورتیں نازل ہوئی ہیں جن میں ان کا ذکر آیا ہے اسی ترتیب سے انہیں پیش کیا گیا ہے۔ ان سورتوں کی ترتیب بھی وہی رکھی گئی ہے جس ترتیب سے وہ نازل ہوئی ہیں۔ اکثر مقامات میں اسی طریقے کی پابندی کی گئی ہے۔ لیکن بالالتزام نہیں۔ کہیں کہیں استثناء بھی ہے۔ بہرحال اس چودھویں صدی ہجری میں یہی وہ واحد طریقہ ہے جسے ہم بآسانی اختیار کر سکتے ہیں۔

یہاں اس ترتیب کے بارے میں ایک ہلکی سی الجھن کا پیدا ہونا یقینی ہے یعنی تاریخ نزول کے لحاظ سے سورتوں کی ایک مخصوص ترتیب کے بارے میں۔ معروف بات تو یہ ہے کہ قرآن کی سورتیں مکمل شکل میں نازل نہیں ہوئیں۔ ان کا نزول احوال و ظروف کی مناسبت سے متفرق آیتوں کی صورت میں ہوا ہے اور ہمارے پاس نزول کے اسباب اور اس کے ٹھوس تاریخی پس منظر کا کوئی مکمل ریکارڈ موجود نہیں ہے حتیٰ کہ جن آیات کے اسبابِ نزول اور تاریخی پس منظر سے ہم واقف بھی ہیں ان کے بارے میں بھی مختلف آراء اور متعدد اقوال وارد ہوئے ہیں اور ان کے صحیح صحیح تعین میں قیاس و ظن اور ترجیح و تطبیق کے سوا چارہ نہیں۔

اگر ہمارے پاس ایسا مفصّل اور مکمّل ریکارڈ موجود بھی ہو جب بھی اس وقت اور فرصت کے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں جو دعوتِ اسلامی کا احاطہ کرنے کے لیے ہمیں درکار ہے حالانکہ یہ دعوت جن مراحل سے گزر کر آئی ہے ان کا مرحلہ بمرحلہ تتّبع کرنا کسی وقت بھی ممکن نہیں ہے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان آیات کے نزول میں تاریخی اور وقتی عوامل کی نسبت نفسیاتی اور عقلی عوامل کو زیادہ دخل ہے۔ لیکن انتہائی افسوس ہے کہ ان اسباب اور عوامل کا تحقق قیاس و ظن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے یہ مناظر ان سورتوں ہی کی ترتیب کے مطابق مرتب کیے ہیں جن میں ان کا ذکر آیا ہے یہ طریقہ باب اور فصل بندی کے معروف طریقہ سے ہٹ کر ہے۔ یہاں تک ماخذ اس کا ساتھ دیتے ہیں، قاری کے سامنے مناظر کو اپنی اصلی شکل میں نکھار کر اور ان کے ادبی و فنی حُسن و جمال کو جلا دے کر

پیش کرتا ہے۔ مناظر کے بیان سے پہلے صرف ایک مختصر سی فصل شامل کی گئی ہے۔ جس میں ان مناظر کی خصوصیات پر ایک عمومی بحث ہے۔

مجھے یہ معلوم ہے کہ ان مناظر کا حسن و جمال اس وقت تک اُجاگر نہیں ہو سکتا جب تک کہ انہیں اس تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش نہ کیا جائے جس میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن یہ چیز بجائے خود پورے قرآن کے استقصاء کا تقاضا کرتی ہے جو یہاں ناممکن العمل ہے۔ بہر حال حتی الامکان اکثر مناظر کا تاریخی پس منظر بھی ساتھ کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں مناسب خیال کیا گیا ہے کسی قدر تحقیقی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

"عالمِ آخرت" کا عقیدہ طبعی طور پر انسانی ضمیر کی گہرائی میں موجود ہے۔ یہاں تک کہ اسے ضمیر کی بیداری کا پیمانہ "تصور" کیا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے مشرکانہ عقائد رکھنے والے مذاہب میں بھی اس عقیدے کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے اس عقیدے کی طویل تاریخ کے بارے میں یہاں ایک مختصر سی فصل شامل کرنا ضروری سمجھا گیا ہے جس میں اس کے طویل تاریخی ارتقاء پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے اور صرف اس کے اہم نقوش ہی اجاگر کیے گئے ہیں۔ حالاں کہ اس مفید بحث کے لیے ایک علیحدہ مستقل کتاب درکار ہے۔

آخر میں مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے اس فوری مقصد ـــ یعنی پیشِ نظر کتاب کی تالیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشے گا۔ اسی طرح میری دلی "تمنا" اور آرزو یہ بھی ہے کہ وہ مجھے بعید کا مقصد پورا کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ بعید کے مقصد سے میری مراد قرآن کو جدید اسلوب میں پیش کرنا اس کے خالص ادبی اور فنی حسن و جمال کو حیات آفرین تازگی بخشنا، اس کی تعلیمات کو غیر ضروری تفسیری موشگافیوں اور کلامی پیچیدگیوں کے انبار سے پاک کرنا اور ان اغراض و مقاصد کو نمایاں اور واضح کرنا جن کی خاطر یہ قرآن نازل ہوا ہے۔ یہ محض علمی اور ادبی خدمت ہی نہیں ہے بلکہ یہ دین کی خدمت بھی ہے۔ یہاں میرا مقصود خالص ادبی اور فنی ہے میں تو صرف ادبی اور فنی ناقد کے دل و دماغ ہی سے سوچتا اور محسوس کرتا ہوں اگر انجام کار فنی مہارت اور ادبی کمال کے ساتھ پاکیزگیٔ دین سے بھی بہرہ یاب ہو جاتا ہوں تو یہ ایک ایسا پھل ہے جس کا نہ میں نے ارادہ کیا تھا اور نہ وہ میرے وہم و گمان میں تھا یہ تو اس قرآن کے مزاج کی ایک غیر مرئی باطنی خصوصیت ہے جہاں آخر کار بحث و تمحیص کے تمام راستے جا ملتے ہیں اگرچہ جادۂ ادب و فن کے راہی کو دورانِ سفر اس کا اندازہ تک نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق

سید قطب

عالمِ آخرت اور ضمیرِ انسانی

کرۂ ارضی پر انسان کی زندگی بڑی مختصر اور اس عالمِ فانی میں اس کا قیام بس چند روزہ ہے
اِس زندہ رہنے کی خواہش انسان کی ایک فطری خواہش ہے۔ دنیا میں اس کی ضرورتیں اور حاجتیں ہیں کہ ان کی کوئی حد نہیں اور آرزوئیں اور تمنائیں ہیں کہ بے حساب!

لیکن! —— آخر یہاں دوام کسے ہے؟ ایک نہ ایک دن اسے مرنا ضرور ہے! اسے موت آئے گی درآں حالیکہ اس کی حاجتیں اور ضرورتیں دل کی دل ہی میں رہ جائیں گی۔ اس کی آرزوئیں اور تمنائیں دنیا میں اسی طرح دھری کی دھری رہ جائیں گی جس طرح کہ وہ اپنے پیچھے اعزّہ واقارب کو ہمیشہ کی جدائی اور علیحدگی کا صدمہ پہنچا کر داغِ مفارقت دے جائے گا۔ کیا اس اندوہ ناک جُدائی کے بعد باہم ملاقات کی کوئی صورت نہیں؟

بس یہ ہے پہلا نکتہ ——!

انسان جب اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے چاروں طرف خیر و شرّ باہم زور آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ نیکی اور بدی —— یا جس کو وہ نیکی اور بدی سمجھتا ہے۔ باہم بر سرِ پیکار ہیں۔ اس معرکے میں شر اُبھرتا اور بدی دندناتی ہے۔ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ شر خیر پر اور بدی نیکی پر غالب آجاتی ہے۔ انسان —— اپنی اس مختصر سی چند روزہ زندگی میں —— اپنی آنکھوں کے سامنے اس کا کوئی ردِّ عمل ہوتے نہیں دیکھتا اور خیر و شرّ کے دُور رس نتائج اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جس زمانے میں یہ انسان ابھی عالمِ طفولیت ہی میں تھا یا جب اس نے ابھی متمدن زندگی اختیار نہیں کی تھی بلکہ جنگلی وحشیوں کی سی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایسی زندگی کہ جس میں کسی کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس وقت بھی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا قانون رائج تھا۔ زندہ رہنے کا حق صرف اسی کو حاصل تھا جو طاقت ور اور غالب ہو۔ اس کے بعد جب انسان کے شعور میں قدرے پختگی آئی اور اس کا ضمیر کچھ اور بیدار ہُوا تو اسے یہ بات گراں گزرنے لگی کہ نیکی اور بھلائی مغلوب ہو کر رہیں اور انہیں ابھرنے کا کوئی موقعہ نہ ہو۔ اور شر اپنے انجام کو نہ پہنچے۔ حالانکہ اس منصف و عادل خدا کی ہستی کا یقین و اعتقاد قطعی تقاضا کرتا ہے کہ خیر و شرّ اپنا اپنا بدلہ پائیں اور اگر اس دنیا میں اس زمین پر وہ پورا نہ ہو تو ایک دوسرے عالم میں اس کا پورا ہونا ضروری ہو۔

یہ ہے دوسرا نکتہ ——!

وہ نوعِ انسانی جس نے اس دنیا کو آباد کر کے اس کے بنانے اور سنوارنے کے لیے جو کچھ اس سے بن پڑا اس نے کیا۔ کیا اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ایک کیڑے مکوڑے یا چوپائے کا ہوگا؟

کیا اس کے لیے ایک انتہائی مختصر سی چند روزہ زندگی کافی ہے کہ جس میں کوئی کامل چیز اپنے درجۂ کمال کو کبھی بھی نہیں پہنچ سکتی؟ — تو پھر کیا ہر چیز تکمیل سے پہلے ابدی زندگی میں پہنچ کر خاتمے سے ہم کنار ہو جائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لیے یہ تصور سخت روح فرسا ہے کہ اس کا انجام بھی اسی طرح کا بُرا اور ذلت آمیز انجام ہو جس طرح کا انجام ایک کیڑے مکوڑے یا کسی دوسرے جاندار کا ہوگا۔

یہ ہے تیسرا نکتہ! —

یہ نکات دراصل فکر و خیال کے وہ سرچشمے ہیں جو یکے بعد دیگرے ذہنِ انسانی میں پھوٹتے ہیں۔ عقیدۂ آخرت کا سوتا بھی انہی میں سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور جس طرح فکر و خیال کا پہلا سوتا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کی قدر و قیمت کا شعور حاصل ہے اور تیسرا نکتہ اس بات پر دال ہے کہ اس میں اپنی نوعِ جنس کی وجہ سے جذبۂ افتخار موجود ہے۔ نیز یہ کہ وہ اس بات کا منتظر ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر اس کے کارنامۂ زندگی کا حساب کتاب کرنے والے ہیں اس لیے اس کی یہ مختصر سی انفرادی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا خاتمہ نہیں کر دے گی۔ بلکہ اس مقصد کے لیے ایک دوسری زندگی کا آغاز ہونے والا ہے۔ اسی طرح فکر و خیال کا دوسرا سوتا اس کے ضمیر کی بیداری، اس کے احساس انصاف پسندی نیز بھلائی اور برائی کے دُور رس نتائج پر اس کے پختہ یقین کی علامت ہے۔

فکر و خیال کے یہی سرچشمے وہ "روحِ انسانیت" ہیں جو اپنی عمیق ترین گہرائیوں میں اور بلند ترین رفعتوں پر پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔

قدیم اہلِ مصر اور عقیدۂ آخرت

تاریخِ انسانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے زندہ و بیدار ضمیر میں سے پھوٹنے والا فکر و نظر کا سب سے پہلا سوتا قدیم مصر میں پھوٹا۔ موت کے بعد خیر و شر کے حساب کتاب کا عقیدہ نیز بھلائی و برائی کی عادلانہ جزا و سزا کا تصور بھی پہلے پہل مصر ہی میں نمودار ہوا۔ جہاں تک جدید تاریخی تحقیقات ہماری راہنمائی کرتی ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ عقیدۂ آخرت کے اس معمورۂ ارضی کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے میں دو ہزار برس سے زیادہ مدت لگی اگرچہ چھبیس سو (۲۶۰۰) سال قبل مسیح سے پہلے اہلِ مصر کے ہاں عقیدۂ آخرت کا سراغ نہیں ملتا تاہم اس کے بعد فراعنۂ مصر کے پانچویں خاندان[1] کے عہد میں ان کے ہاں اس عقیدہ کا تصور موجود تھا اس عالمِ آخرت میں نیک و بد کی جزا و سزا پر بھی وہ یقین رکھتے تھے۔ اس زمانے میں یہ عقیدہ صرف مذہبی لوگوں یا اہلکاروں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اوسط درجے کے عوام بھی اس کے معتقد تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عقیدے

---

[1] ۲۷۵۰ - ۲۶۲۵ قبل مسیح۔

کی چنگاری اس تاریخ سے بھی کہیں پہلے روشن ہوئی تھی۔

محاسبۂ اعمال

استاد عبدالقادر حمزہ مرحوم اپنی مستند ترین کتاب "علی ھامش التاریخ المصری القدیم" میں اسی عہد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس زمانے میں اوسیرس[۱] Osiris نامی دیوتا کی پرستش ہوتی تھی جو عوام میں وسیع پیمانے پر رائج تھی۔ اوسیرس کی اصل بنیاد یہ عقیدہ تھا کہ ہر انسان —— خواہ وہ بادشاہ ہو یا ایک عام آدمی —— موت کے بعد اپنی دنیوی زندگی کے بارے میں ایسی بالاتر خدائی عدالت کے سامنے جواب دہ ہے جس میں جزا و سزا کا فیصلہ اوسیرس خود کرتا ہے۔ اس کام میں تھوٹ[۲] Thot انوبیس[۳] Anubis ہورس[۴] Horus اور معات[۵] Myths مع دوسرے بیالیس ججوں کے اس کی معاونت کرتے ہیں۔ جب عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مرنے والے کی برائیوں کی نسبت اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہے تو اسے ابدی زندگی کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اور وہ اوسیرس کی مانند ہو جاتا ہے اور جب عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس نے اپنی دنیوی زندگی میں برے اعمال کا ارتکاب کیا تھا تو اس کی سزا یہ قرار پاتی ہے کہ اسے درندے پھاڑ کھائیں یا اسے جلتی آگ میں ڈال دیا جائے یا ایسے بہت سی سزاؤں میں سے کوئی سزا اسے دی جاتی ہے۔

میزانِ عدل

استاذ مرحوم نے اپنی کتاب میں اس محاسبۂ آخرت کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ازمنہ وسطیٰ میں پائی جانے والی "کتاب الموتیٰ" میں سے یہ عقیدہ ملخص طور پر یوں بیان کیا ہے۔

"وہ اس محاسبۂ آخرت کو مجسم شکل میں پیش کرتے اور اس تصویری مجسّمہ کو کتاب الموتیٰ میں رکھ دیتے تھے۔ میّت کے تابوت پر عدالت، عدالت میں مقدمات کی پیشی اور میزانِ عدل کی تصویر ہوتی۔ عدالت میں اوسیرس اپنا عصا اور چابک اٹھائے اپنے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتا۔ دیوتاؤں میں سے بیالیس منصف اس کے ساتھ ہوتے۔ اور پورے کا پورا مصر یہاں بیالیس علاقوں میں یوں منقسم دکھائی دیتا گویا کہ ہر منصف ایک علاقے کی نمائندگی کر رہا ہے۔ جب کوئی میّت لائی جاتی انوبیس اسے وصول کرتا اور اس کا دل نکال کر میزانِ عدل کے ایک پلڑے میں اور "معات" دیوی کا بت یا اس کے بال دوسرے پلڑے میں ڈال دیتا۔ بعد ازاں تھوٹ میزان کی ایک جانب کھڑا ہو جاتا۔ دائیں ہاتھ میں قلم اور بائیں میں رجسٹر لیے میزان کے نتائج درج کرتا جاتا۔ یہ نتائج وہ اوسیرس کے حوالے کر دیتا۔ تھوٹ کے قریب ایک زندہ امامیت" جس کا سر مگرمچھ کی مانند اور جسم شیر جیسا ہوتا —— دہشت ناک شکل بنائے کھڑا ہوتا۔ تاکہ

---

[۱] مُردوں کا محافظ دیوتا [۲] علم و حکمت کا دیوتا [۳] مُردوں کی تدفین اور دارِ آخرت میں ان کی رہنمائی کا ذمہ دار دیوتا [۴] اوسیرس Osiris اور آئسس Isis کا بیٹا [۵] حقیقت اشیاء اور عدل و انصاف کی دیوی۔

جس میّت کے نگلنے کا حکم ہو اسے وہ نگل جائے۔ بعض تصویروں میں عدالت کے قریب ایک مخصوص مقام
میں آگ جلتی دکھائی دیتی تا کہ گنہ گاروں کو اس میں ڈال دیا جائے۔ ترازو میں دل گویا میت کے زندگی بھر
کے اعمال کی نمائندگی کرتا۔ کیونکہ اس کا مالک زندگی میں نیک و بد جو کچھ بھی وہ کرتا ہے دل اس کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔[1]

سفرِ آخرت

استاذ مرحوم ایک قدیم مصری قصّے کا ذکر بھی کرتے ہیں جس میں ایک نوجوان سنوزریس
کے اپنے باپ ساتنی Satni کی معیت میں عالمِ آخرت کی طرف سفر کا واقعہ
بیان کیا گیا ہے۔ اس نے یہ سفر عالمِ آخرت میں حساب وکتاب اور جزا و سزا کا طریقہ دیکھنے کے لیے
اختیار کیا ـــــ ادب اور مذہب کی تاریخ میں عالمِ آخرت کا یہ پہلا سفر ہے ـــــ یہ قصہ ہم یہاں نقل
کر رہے ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ خیر و شر، جزا و سزا اور محاسبۂ آخرت کی فقر و فاقہ، دولت و ثروت
اور دوسرے مظاہر زندگی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

"ساتنی ایک روز اپنے گھر کی چھت پر گیا تو اس نے دیکھا کہ ممفیس سے پہاڑی کی طرف کسی امیر
آدمی کا جنازہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ جا رہا ہے۔ نوحہ گر عورتوں اور مشایعت کرنے والے مردوں
کا جمِ غفیر جلوس کی شکل میں ساتھ ہے۔ عین اسی وقت اس نے دیکھا کہ ایک غریب آدمی کا جنازہ بھی جا
رہا ہے جو گھاس کی چٹائی میں لپٹا ہوا ہے۔ ساتھ نہ کوئی مشایعت کرنے والا ہے اور نہ کوئی جلوس۔
یہ منظر دیکھ کر وہ فوراً اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اس کی آرزو یہ ہے کہ آخرت میں اس
کا انجام بھی اس امیر کا سا ہو نہ کہ اس غریب کا سا۔ سنوزریس نے جواب دیا کہ وہ تو اس کے برعکس اس
کے لیے غریب کے سے انجام کی آرزو رکھتا ہے نہ کہ امیر کے سے انجام کی۔ اس پر باپ بڑا جزبز
ہوا۔ بیٹے نے باپ کے تیور دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تا کہ اسے دونوں کا انجام دکھائے۔ پھر اس نے
جادو کے چند منتر پڑھے۔ اور باپ کو جبلِ ممفیس میں ایک مکان کی طرف لے گیا۔ دونوں ایک ایسی جگہ جا
کر ٹھہر گئے جہاں مُردوں کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سات وسیع میدان تمام طبقات
کے لوگوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ان میں سے تین کے لوگ جزا پا چکے ہیں وہ چوتھے میں داخل ہوئے
یہاں انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ آ جا رہے ہیں اور گدھے ان کو پیچھے سے کھا رہے ہیں۔ کچھ دوسرے
لوگ ہیں جو اپنے سروں کے اوپر لٹکے ہوئے کھانے کی طرف لپکتے ہیں لیکن وہاں تک پہنچ نہیں پاتے۔
وہ مزید لپکتے چلے جاتے ہیں۔ اسی اثنا میں کچھ زمین کھودنے والے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین
کھودتے چلے جا رہے ہیں۔ جس سے لپکنے والوں اور کھانے کے درمیان فاصلہ اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔
پھر وہ چھٹے میدان میں داخل ہوئے۔ جہاں انہوں نے نیک اور پاکباز لوگوں کی ارواح دیکھیں۔ ہر

---

[1] نیز ملاحظہ ہو رشید احمد: تاریخ مذاہب ص ۱۰۱ -- ۱۰۰۔

ایک کی اپنی علیحدہ قیام گاہ تھی۔ دراں حالیکہ دروازے پر کچھ روحیں ملازموں کی حیثیت میں کھڑی محوِ گریہ وزاری تھیں۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ دروازے کے نیچے ایک آدمی پیٹھ کے بل گرا پڑا ہے جس کی دائیں آنکھ میں دروازے کی چول Axle رکھی ہوئی تھی۔ جب دروازہ کھولا یا بند کیا جاتا تو اس آنکھ میں گردش کرتا، دروازہ کھلتا یا بند ہوتا لیکن دروازے کی چول وہاں سے ہلنے نہ پاتی۔ اس شخص کے لیے اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ مارے تکلیف کے بیچارہ کراہ رہا ہے۔

پھر وہ ساتویں میدان میں داخل ہوئے۔ دیکھا تو حساب وکتاب کے دیوتا بیٹھے یکے بعد دیگرے مُردوں کے فیصلوں کا اعلان کر رہے ہیں۔ بڑا دیوتا اوسیرس دو کلغیوں والا تاج پہنے تخت پر بیٹھا ہے۔ دیوتا انوبلیس اس کے بائیں پہلو میں اور دیوتا تھوٹ اس کے دائیں پہلو میں ہے۔ دار الحساب کی "مجلس قضاۃ" کے دوسرے دیوتا ان کے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ میزانِ عدل نصب ہے جس پر نیکیاں اور برائیاں تل رہی ہیں۔ جس کی برائیوں کا پلہ نیکیوں کی نسبت بھاری ہو جاتا ہے اسے امابیت درندے کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ اسے پھاڑ کھاتا ہے اور جس کی نیکیوں کا پلہ برائیوں کی نسبت بھاری ہو جاتا ہے۔ اسے دیوتاؤں کی بارگاہِ خاص میں لایا جاتا ہے اور اس کی روح آسمان کی طرف بلند مقام پر چلی جاتی ہے۔ البتہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہو جاتی ہیں اسے نہ تو وہ درندہ پھاڑ کھاتا ہے اور نہ اسے دیوتاؤں کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ اسے خدمت گاروں کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

نوجوان نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اوسیرس کے قریب ایک شخص نہایت فاخرہ لباس میں ملبوس بلند مرتبے پر فائز ہے۔ اس نے فوراً اپنے باپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "کیا آپ نے اوسیرس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا ہے؟ یہ وہی غریب آدمی تو ہے جس کی میت آپ نے گھاس کی چٹائی میں لپٹی ہوئی دیکھی تھی۔ اور جس کے جنازے کے ساتھ چلنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ یہاں لا کر اس کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا گیا ہے۔ اس کی نیکیاں برائیوں سے وزن میں بڑھ گئی ہیں۔ دیوتا تھوٹ نے اس کے نامۂ اعمال میں یہ بات ثبت کر دی ہے کہ "اسے دنیا میں عیش و آرام کی زندگی سے بہرۂ وافر نصیب نہیں ہوا۔" بس اوسیرس نے حکم دے دیا ہے کہ اسے دیوتاؤں کی بارگاہِ خاص میں اعلیٰ مرتبہ عطا کیا جائے اور اسے وہ تمام نعمتیں دی جائیں جو دنیا میں اس امیر آدمی کو حاصل تھیں جس کے جنازے کو آپ نے بڑی دھوم دھام سے اٹھتے دیکھا ہے اور وہ امیر آدمی! جب اس کی نیکیوں اور برائیوں کا موازنہ کیا گیا تو اس کی برائیاں نیکیوں سے بھاری نکلیں۔ اسے سزا دے دی گئی۔ او وہی شخص ہے جس کی دائیں آنکھ میں دروازے کی چول ہر

وقت حرکت کرتی رہتی ہے۔ اور مارے تکلیف کے جس کی چیخوں کی آواز آپ خود سن چکے ہیں . . . ."

یہ قصہ اس لحاظ سے بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے کہ اس سے قدیم مصریوں کے دنیوی ٹھاٹھ باٹھ پر نگاہ پڑنے کی بجائے عالمِ آخرت کے بارے میں ان کے نظریات، آخرت میں عدل و انصاف کے بارے میں ان کی حدِّ نگاہ Extent of Estimation اور افرادِ انسانی کو ملنے والی جزا و سزا کے سلسلے میں ان کی وقتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

خیر و شرّ

محاسبۂ آخرت کے بارے میں مصریوں کے تصورات کا کامل استقصاء کرنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں "کتاب الموتیٰ" میں سے کچھ عبارت نقل کریں جو خیر و شر کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔ کیونکہ خیر و شر پر ہی آخرت میں جزا و سزا کا انحصار ہے۔ یہ دراصل "مولیٰ" کی کاوش محکم کا ملخّص ہے جس کا ترجمہ استاذ عبدالقادر حمزہ مرحوم نے کیا ہے۔ اس عبارت میں ایک مُردے کی طرف سے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے دیوتا اوسیرس کو خطاب کیا گیا ہے:

"میں آپ کی خدمت میں حقیقتِ حال بیان کرنے اور گناہوں سے اپنی برّیت کا اعلان کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ میں کبھی برائی کے نزدیک بھی نہیں پھٹکا، نہ میں نے کبھی حدود سے تجاوز کیا۔ نہ چوری کی، نہ دھوکے سے قتل و خون ریزی کی، نہ قربانی کے جانور کو کوئی گزند پہنچایا، نہ کبھی جھوٹ بولا۔ نہ کسی کے آنسو بہائے، نہ میں نے کسی کے دامنِ عفّت کو داغدار کیا، نہ کبھی مقدس جانوروں کو ذبح کیا، نہ کسی مزروعہ زمین کی بربادی کا باعث بنا، نہ کسی کو گالی دی، نہ میں نے کبھی غیظ و غضب کو اتنی چھوٹ دی کہ ناحق تک پہنچ جاؤں، نہ میں نے کسی کی آبرو ریزی کی، نہ کبھی کلمۂ حق سننے سے انکار کیا، نہ کبھی اپنے باپ اور بادشاہ کے بارے میں سُوئے ظن رکھا، نہ میں نے پانی کو گدلا کیا، نہ کسی آقا کو اپنے غلام کے ساتھ بُرا سلوک کرنے پر ابھارا، نہ کبھی جھوٹی قسم کھائی، نہ تول میں ڈنڈی ماری، نہ دودھ پینے بچوں کے منہ سے کسی کو دودھ لگانے سے روکا، نہ دیوتاؤں کے پرندوں کا شکار کیا، نہ بغیر ضرورت کے پانی کی خواہش کی، نہ میں نے دوسروں پر طعنے کے تیر برسائے، نہ ایسی آگ بجھائی جس کا جلانا ضروری ہو۔ نہ دیوتاؤں کے استخفاف کا میرے دل میں کبھی گزر ہی ہوا . . . میں بالکل پاک ہوں بے گناہ ہوں۔"

ثواب و عذاب کے بارے میں ان کے تصور کا ایک پہلو ہم بیان ماسبق میں پیش کر چکے ہیں البتہ یہاں اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ ان کے ہاں ثواب و عذاب کی ان صورتوں کے علاوہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور صورتیں بھی تھیں۔

ثواب — نعیم ابدی اہرامِ مصر کی کندہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کے معنی ہیں "دیوتاؤں

؎ غالباً مصنف کی مراد گلبرٹ مرے Gilbert Murray سے ہے جو Bacchae of Euripides کا مترجم ہے۔

کے ساتھ قیام کی غرض سے یا دیوتا رعٓ کے ساتھ اس کی کشتی میں اقامت اختیار کرنے کے لیے تمام خطرات سے گزر کر آسمان کی طرف اُوپر جانا" وہ لوگ جو آسمان میں قیام کی نعمت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں انہیں "اہلِ مجد" یا "اہلِ سعادت" کہتے ہیں۔ وہ مقام جہاں یہ قیام کرتے ہیں آسمان کا مشرقی حصہ ہے۔ یا سمندر کی طرف کا مشرقی حصہ ہے۔ کیونکہ اہلِ مصر اہنی دو سمتوں میں ساکن ستاروں کو دیکھتے تھے۔ اس لیے انہیں "نجومِ خالدہ" (ہمیشہ رہنے والے ستارے) کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ نعمتِ ابدی جو آسمان پر جانے والے خوش بختوں کو نصیب ہوتی ہے اس کا گھر اہنی ستاروں کے پاس ہے۔ اہرامِ مصر کی عبارات اس "دارِ نعیم" کی تصویر کشی میں صرف اسی اجمال پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ ان کی پوری تفصیلات بیان کرتی ہیں ان عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ "اہلِ مجد" کا قیام آسمان کے مختلف طبقات میں ہوتا ہے۔ ان طبقات میں ایک میدان "میدانِ طعام" کے نام سے موسوم ہے۔ جہاں سے "اہلِ مجد" مختلف اقسام کے کبھی نہ ختم ہونے والے نئے نئے پسندیدہ کھانے کھاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک دوسرا میدان "میدانِ یارو" کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں گولر کا ایک بلند قامت درخت ہے جسے "شجرِ حیات" کہتے ہیں۔ اس کے نیچے دیوتا اور "اہلِ مجد" آرام کرتے اور اس کے پھل سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔"

"نعیم آسمانی میں صرف یہی کچھ نہیں ہے بلکہ اس میں ایک طرف یہ چیز بھی ہے کہ آسمانی "نوت" اور وہ اژدھا جو سورج کو گرمی پہنچاتا ہے دونوں آسمان کی طرف آنے والے کو وہاں پہنچنے پر اپنے دونوں دُودھ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ ان سے دودھ پی لے۔ جب وہ دودھ پی لیتا ہے تو دوبارہ دودھ پیتا بچہ بن جاتا ہے۔"

"وہ دیوتاؤں کے ساتھ روٹی کھاتا اور شراب پیتا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اس کی صحت اچھی ہوتی چلی جاتی ہے۔ آج کل (گزشتہ) سے بہتر اور کل (آئندہ) آج سے بہتر ہوتا ہے۔"

یہ ہے خلاصہ ان تفصیلات کا جن کا ذکر اس "نعیم ابدی" کے بارے میں اہرامِ مصر کی عبارتوں میں ہوا ہے جو دنیا میں احسان اور نیکی کی زندگی اختیار کرنے والوں کو حاصل ہونے والی ہے "کتاب الموتیٰ" میں مظاہر ثواب کا ذکر ہے۔ مثلاً یہ کہ مرنے والا ایک میدان میں اوسیرس کے سامنے بیٹھے گا۔ پھر یارو کے میدان کی طرف جائے گا۔ روٹی اور تازہ و لذیذ خطائیاں کھائے گا۔ وہاں اس کے لیے گیہوں اور جَو کے کھیت ہوں گے جن کے پودے سات سات ہاتھ لمبے ہوں گے۔ "ہورس" کے خدّام اس کے لیے کھیتی کاٹیں گے تاکہ وہ آرام و آسودگی کے ساتھ کھائے۔ اسے "عالم زیریں" میں آنے جانے کی کھلی اجازت ہوگی۔ اسے اس بات کا بھی اختیار ہوگا۔ کہ جب چاہے تو "یارو" کے میدان میں قیام کرے چاہے

تر مید ابنِ طعام" میں ٹھہرے۔ دونوں مقامات میں اسے عزت و شرف کی زندگی حاصل ہوگی۔ کھیتی بونا اور کاٹنا اس کا مشغلہ ہوگا۔ وہاں اس کے لیے بیبیاں ہوں گی جن سے وہ متمتع ہوگا۔ غرضیکہ یہاں وہ سب کچھ کرے گا جو وہ دنیا میں کرتا تھا۔ اس کے طبعی معمولات میں کسی نوع کی کمی نہ ہوگی۔

عقاب ـــ عذاب ابدی

عقاب کی صورت جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، یہ ہے کہ وہاں ایک وحشی درندہ ہوگا جس کا سر مگرمچھ کی طرح اور جسم شیر کی مانند ہوگا۔ یہ درندہ گنہ گار کو نگل جائے گا۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہاں بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی جس میں گنہ گار کو جھونک دیا جائے گا۔ ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ گنہ گار سورج کی روشنی سے محروم بھوک اور پیاس کا شکار بنا اپنی قبر میں پڑا رہے۔ بعض اوقات اوسیرس کے دربار میں بیٹھنے والے بیالیس منصفوں کے پاس تلواریں ہوں گی جن سے گنہ گاروں کو ضربیں لگائی جائیں گی۔

"ساتنی اور اس کے لڑکے کا قصہ جس کی طرف ہم نے قبل ازیں اشارہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے تصورِ تعذیب کی ان کے علاوہ بھی صورتیں ممکن تھیں، چنانچہ ان میں سے ایک صورت میت کی آنکھ میں دروازے کی چول Axle رکھ کر مستقل اور دائمی عذاب دینے کی ہے اس لیے کہ دروازہ کھلتا اور بند ہوتا رہتا ہے اور جب دروازہ کھلتا یا بند ہوتا ہے میت مارے تکلیف کے کراہتی رہتی ہے۔ اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے کہ عذاب پانے والوں کے سروں کے اوپر کھانا معلّق کر دیا جائے اور وہ اسے پکڑنے کی خاطر اچھل اچھل کر لپکتے رہیں، جوں جوں وہ اچھلیں کھانا ان سے بعید تر ہوتا چلا جائے۔"

ممکن ہے آج ہم میں سے کسی کے دل میں یہ خیال گزرے کہ عالمِ آخرت کے بارے میں اس نقطۂ نظر کے چاروں طرف شکوک و شبہات کے غبار ہیں جن کی وجہ سے اس کی قدر و قیمت کم ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن ہم یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ عقیدہ بت پرستی کے سائے میں پروان چڑھا ہے اور تاریخِ انسانیت کے بیچوں بیچ اس نے اپنا راستہ نکالا اور اپنے پیچھے نقوشِ پا چھوڑے ہیں۔ تاریخِ عالم میں اس کے وجود پر اب تک تقریباً پانچ ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اس کی عظیم قدر و قیمت کا اندازہ محض اسی ایک سبب سے ہوتا ہے۔ جب ہم اس کے ساتھ اس بات کا بھی اضافہ کریں کہ مصر تین ہزار سال سے زیادہ عرصے سے شاہ اخناتون کے مذہب میں بھی کسی حد تک عقیدۂ توحید سے روشناس رہا ہے تو اس ضمیرِ انسانی کی عظمت کا صحیح اندازہ کرنا ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے جو تاریخِ انسانی کی روشنی میں یہاں تک راہ یاب ہوا۔

ہمارے پاس اس کی عظمت کا اندازہ کرنے کا ایک اور پیرایہ بھی ہے۔ قبل اس کے کہ دنیا کی کسی قوم کو عقیدۂ آخرت کا کچھ علم حاصل ہوتا اہلِ مصر کے ضمیر کو عقیدۂ آخرت کی طرف راہ یاب ہوئے پورے ایک ہزار برس گزر چکے تھے۔ یہ بھی اس کی عظمت کا ایک نشان ہے۔

اس کے ایک ہزار سال بعد جب بابلی اور کلدانی عالمِ آخرت کے تصور سے متعارف ہوئے تو اُن کے ہاں مُردوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے والی کسی آزاد عدالت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ نہ ان کے ہاں عالمِ آخرت میں خیر و شر پر کسی جزا و سزا کا وجود تھا۔ بلکہ اُن کے ہاں یہ عقیدہ تھا کہ مُردے زمین کے نیچے یا اس کے مشرقی حصے کے ایک تاریک مقام میں جسے وہ "ارالو" کہتے ہیں پہنچا دیے جاتے ہیں جہاں دیوی "آلات" ان کے مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے۔ چنانچہ مسپیرو اس سلسلے میں لکھتا ہے :

"اُن کے نزدیک میت کے اعمال کا اندازہ کرنے میں اصل اہمیت اس دنیا میں کی ہوئی نیکی یا بدی کو حاصل نہ تھی۔ بلکہ اس پہلو سے ان کے ہاں اگر کوئی چیز وزن رکھتی تھی تو وہ یہ تھی کہ دنیا میں انسان نے قربانی کے جانور، نذر نیاز کے تحائف اور معابد کے لیے گانے بجانے کا سامان دیوتاؤں کے استھانوں پر بھینٹ چڑھا کر دیوتاؤں کے ساتھ عموماً اور دیوی "آلات" کے ساتھ خصوصاً کس تعلقِ خاطر کا مظاہرہ کیا ہے؟"

اس کے بعد قافلۂ انسانیت مزید ایک ہزار سال کی مسافت طے کرتا ہے۔ حتّٰی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عقیدۂ آخرت کا ذکر اہلِ ایران کے ہاں مذہب زردشت میں اور یونانیوں کے ہاں قدیم داستانوں Mythology میں ملتا ہے۔ جن پر ہومر Homere نے اپنی مشہور رزمیہ نظم اوڈیسی Odyssey کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اس نظم میں خاص کر عالمِ سفلی Hades یعنی جہنم کا ذکر آیا ہے۔

زردشت اور تصورِ آخرت

اب ہم ایک نظر مذہبِ زردشت[1] پر ڈالتے ہیں۔ زردشتی مذہب میں انجام روح کے بارے میں یہ تصور ملتا ہے :

میزانِ نیک و بد میّت جب حالتِ نزع میں ہوتی ہے اس کی روح جسم کے ایک طرف تین دن اور رات تک معلّق پڑی رہتی ہے۔ اس عالمِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد جو نعمت

---

[1] زردشت Zoroaster میڈیا (مغربی ایران) کا باشندہ تھا۔ یہ . . . قبل مسیح میں گزرا ہے۔ اس کا مذہب پہلے بلخ کے علاقے میں پھیلا بعد ازاں سارے ایران پر چھا گیا۔ اُس کے نزدیک اس کائنات کے دو خدا ہیں، اہورا مازدا۔ خالقِ خیر اور اینگرو مینیو خالقِ شر۔

ابدی لعنے ملنے والی ہو اس سے بہرہ اندوز ہوتی یا جو عذابِ اَبدی اسے پہنچنے والا ہو اس سے دو چار ہوتی ہے
چوتھے روز علی الصبح ایک ہوا چلتی ہے۔ میّت اگر نیک ہو تو اس کے لیے یہ ہوا خوشبودار اور اگر میت بد
ہو تو اس کے لیے یہ بدبودار ہوتی ہے۔ پھر میت کو ایک ایسے مقام پر لے جایا جاتا ہے۔ جہاں اس کی
ملاقات بصورتِ نیکی ایک نوجوان خوبصورت عورت سے ہوگی یا بصورتِ دیگر ایک خوفناک بڑھیا سے۔
حالانکہ نہ پہلی حقیقت میں نوجوان عورت ہوگی اور نہ دوسری حقیقت میں بڑھیا۔ یہ تو درحقیقت میت کے
اعمال کی ظاہری مجسّم صورت ہوگی۔ انسان کے قلب و ضمیر کے محاسبے کی خاطر اسے حساب کے پُل اور
فیصلۂ آخری کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس پُل کے دروازے پر تین قاضی موجود ہوں گے، جن میں سے
ایک میتھرا ہوگا۔ یہاں میزانِ عدل نصب کی جائے گی۔ اس کے ایک پلڑے میں میت کی نیکیاں اور دوسرے
میں اسکی برائیاں ڈال دی جائیں گی۔ دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک کے اوپر اٹھ جانے یا نیچے بیٹھ جانے پر میت کے انجام کا فیصلہ صادر

"اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا کہ عذاب و ثواب کے فیصلے کا اعلان، ایک
ایک نیکی یا ایک ایک برائی پر علیحدہ علیحدہ نہ ہو بلکہ دونوں قسم کے اعمال کے مجموعے پر ہو۔ نیکیاں بڑھ
جائیں گی تو برائیوں کا کفارہ دے دیا جائے گا۔ خواہ ہر برائی اپنی جسامت میں کتنی بڑی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح
اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ کہ ندامت اور توبہ کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ اسی طرح حسابِ آخرت میں مغفرت
اور بخشش کی بھی مطلقاً کوئی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ حسابِ آخرت کی اصل اساس عدل و انصاف ہے نہ کہ رحم و کرم"

پُل صراط

موازنۂ اعمال کے اختتام اور آخری فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد روح کو اس پُل یا راستے کے
اوپر سے گزرنے کا حکم ہوگا جو جہنم کے عین اوپر سے گزرتا ہے۔ صالحین اور ابرار کے لیے اس
راستے میں وسعت اور کشادگی پیدا ہو جائے گی تاکہ وہ آسانی کے ساتھ گزر سکیں۔ لیکن سیّئین اور اشرار کے
سامنے یہ راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہو جائیگا جس پر سے ان کا گزرنا دشوار ہوگا۔

جزا و سزا

"مؤخر الذکر لوگوں کو جہنم کے تاریک ترین گڑھے میں پھینک دیا جائیگا۔ اُف یہ تاریکی! اس
کے دبیز پردوں کو چھوا جا سکے گا۔ جہنم میں گرنے والوں کے اژدہام کا یہ عالم ہوگا کہ جیسے
گھوڑے کی گردن پر بال ہوں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس اژدہام کے باوجود ان میں سے ہر ایک شریکِ ہجوم
ہوتے ہوئے بھی تکلیف دہ تنہائی اور دردناک علیحدگی محسوس کرے گا۔"

ادھر نیک لوگ ایک روشنی کی طرف بڑھیں گے۔ ابھی وہ اپنے صالح عمل، بھلی بات اور پاکیزہ
خیال کی جزا کے درمیان میں ہی پہنچ پائیں گے کہ اہورامازدا خود بہ نفسِ نفیس آگے بڑھ کر ان کا استقبال
کریگا اور وہ اہورامازدا کے دامنِ شفقت میں ابدی سعادت سے متمتع ہوں گے۔"

یہ جزا و سزا تو ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کے پلڑے میزانِ عدل پر بھاری یا ہلکے ہوں گے۔ جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی انہیں زمین اور آسمان کے درمیان ایک وسیع اور کشادہ مقام پر ٹھہرایا جائے گا۔ جہاں وہ گرمی اور سردی کی شدت برداشت کریں گے۔ غرضیکہ یہاں انہیں فضائے بسیط میں وقوع پذیر تمام تغیرات کا بہ شدت احساس ہوگا۔ جب تک اس مقام میں رہیں گے خوف و رجا کے عالم میں اپنے انجام پر، جو تاریک تر ہوتا نظر آرہا ہوگا، آخری فیصلے کا انتظار کرتے رہیں گے۔ یہاں کے قیام کرنے والوں میں سب سے زیادہ شہرت "کبریزاشیا" کو حاصل ہوگی۔ جس نے ایک دہشت ناک زندہ کو مار ڈالا تھا اور اس کے نامۂ اعمال میں یہ ایک نیکی شمار کی گئی تھی۔ بعد میں اس نے مقدس آگ کو بجھا کر خراب کر دیا جو اس کے نامۂ اعمال میں پہلی نیکی کے برابر برائی محسوب کی گئی۔ جس کے نتیجے میں وہ جنت اور دوزخ کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا۔[1]

مندرجہ بالا تصریحات سے امید ہے کہ قاری کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ محاسبۂ نیک و بد، جنت و دوزخ کی ظاہری صورتوں اور آخرت میں جزا و سزا کے طریقے کے بارے میں زردشتی عقیدے اور قدیم اہلِ مصر کے عقیدے میں مشابہت کے بہت سے پہلو موجود ہیں جو اتنے واضح ہیں کہ مزید کسی وضاحت کی حاجت نہیں ہے۔

قدیم اہلِ یونان اور عقیدۂ آخرت

جب ہم یونان کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یونان کی قدیم روایات Mythology میں عالمِ آخرت کا تصور موجود ہے۔ خصوصاً ہومر[2] Homere جو ۹۰۰ قبل مسیح میں گزرا ہے اس کی نظم اوڈیسی Odyssey میں اس عقیدے کا ذکر ملتا ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ عالمِ سفلی Hades یعنی جہنم کی یہ داستان ہومر سے پہلے کی ہو اور اس نے اپنی رزمیہ نظم اوڈیسی Odyssey میں اس سے محض استفادہ کیا ہو۔

ہومر اور عالمِ سفلی

اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہیڈز زمین کے نیچے ایک نہایت تاریک مقام ہے جہاں مرنے کے بعد مُردوں کی ارواح سیدھی پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے اوپر

[1] نیز ملاحظہ ہو رشید احمد: تاریخ مذاہب صفحہ ۸۴ تا ۸۶ اور محمد مظہر الدین صدیقی: اسلام اور مذاہب عالم ص ۴۶۔

[2] ہومر یونان کا ایک مشہور شاعر ہے جو آنکھوں سے اندھا تھا۔ قدیم یونانی روایات جن ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں ہومر کا نام سرِفہرست ہے۔ اس کی دو مشہور رزمیہ نظمیں Iliade اور Odyssey یونان کی قدیم ترین رشحاتِ فکر تصور کی جاتی ہیں۔ پہلی میں معرکۂ ٹرائے Troie کا ذکر ہے اور دوسری میں یولیسس Ulysses کے کارناموں اور ہیڈز Hades کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

دیوتا پلوٹو Plato کھڑا ہوتا ہے[1]۔ ہیڈز کی تاریکی میں جب دوسری تمام دیویوں نے اس کی رفاقت میں رہنے سے انکار کر دیا تو اس نے موسمِ بہار کی دیوی پرسفونیا Persephone کو اغوا کر لیا۔ تاکہ یہاں کی خلوت و جلوت میں وہ اس کی رفیقۂ حیات بن سکے[2]۔ اس جہنم میں مُردوں کے علاوہ خاص ذرائع سے بعض زندوں کا اترنا بھی ممکن ہے جیسا کہ اوڈیسی Odyssey کا ہیرو یولیسس Ulysses[3] اس میں اترا۔

ہومر کے بیان سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح عالمِ سفلی Hades میں ایسے سایوں کی صورت اختیار کر لیں گی جو ناقابلِ لمس ہوں گے۔ کیونکہ وہاں صرف صورتیں ہی ہوں گی۔ ان کے جسم تو دنیا ہی میں رہ گئے ہوں گے۔ جو دوبارہ ان کے پاس آئیں گے نہیں[4]۔ یہی وجہ ہے کہ یولیسس دل میں اپنی والدہ کی بے پناہ محبت رکھنے اور اس کے فراق میں ہر وقت غمگین رہنے کے باوجود اس سے بغل گیر ہو کر اپنے دل کے ارمان نہ نکال سکا۔ کیونکہ وہ دوبارہ لمس سے ناآشنا شبیہہ بن گئی۔ حالانکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارواح دنیا کی یادوں، اعزّہ و اقارب کی شفقتوں اور دلی جذبات کو کبھی نہیں بھولتیں۔ اخیل Achilles کے مرنے کے بعد اس کی زرہیں بہادر اجاکس Ajax کی خواہش کے علی الرغم یولیسس نے حاصل کر لیں اس پر اجاکس برافروختہ ہو گیا۔ کیونکہ یہ زرہیں اجاکس خود پہننا چاہتا تھا۔ چنانچہ ان زرہوں سے محرومی ہی معرکہ ٹرائے Troie میں اجاکس کے قتل کا باعث بنی۔ جب عالمِ سفلی Hades میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو اجاکس نے اسے سلام تک نہ کیا۔ حالانکہ وہ دیر سے اس کی خوشنودی کا متمنی تھا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اخیل Achille پھلتا پھولتا اور بڑا ہوتا ہے۔ اس کے بیٹے نیوپٹلموس Neoptolemus نے جو دنیا میں بھی حیاتِ دوام پائے گا جب کبھی یولیسس کی تعریف سنی بیمار پڑ گیا

ہومر یولیسس کی زبانی یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے ہیڈز (جہنم) میں دیوتا میناس Minos

---

[1] عالمِ سفلی Hades سے متعلق یہ ساری تفصیلات مصنف مرحوم نے استاذ دینی خشبہ کی کتاب الاوذیسة سے حاصل کی ہیں ہم نے ترجمہ کرتے وقت جن کتابوں کو پیشِ نظر رکھا ہے ان کے متعلقہ حوالے حاشیے میں دیئے ہیں عالمِ سفلی میں اولمپیائی دیوتا پلوٹو کی بادشاہت تصور کی جاتی ہے۔ پلوٹو کا دوسرا نام ہیڈز ہے اسی لیے اسی مناسبت سے عالمِ سفلی کو ہیڈز سے بھی موسوم کیا جاتا ہے (اڈیتھ ہملٹن: مائی تھالوجی ص ۳۹)

[2] اڈیتھ ہملٹن: مائی تھالوجی ص ۲۹، ۵۴ Edith Hamilton : Mythology

[3] Odyssey کے ہیرو اوڈیسیس Odysseous کا دوسرا لاطینی نام یولیسس Ulysses ہے

اڈیتھ ہملٹن: مائی تھالوجی ص ۸۲، ۲۲۰ [4] ایضاً ص ۳۹ [5] ایضاً ص ۱۹۴-۲۱۴

کو اپنے تخت پر بیٹھے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سنہری عصا تھا۔ مُردے اس کے حضور میں اپنے مقدمات پیش
کر رہے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے لیے باری کا انتظار کرنے والے گروہ در گروہ بڑے بڑے پھاٹکوں پہ
ہجوم کیے ہوئے تھے۔

اس نے وہاں عذاب کی جو صورتیں دیکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ ایک جابر "تیتیوس" Tityus
زمین پر اس طرح اوندھا پڑا ہے کہ اس نے نو بیگھوں کی جگہ گھیر رکھی ہے۔ اس کے دونوں پہلوؤں پر ایک ایک
خوفناک کوڑیوں والا اژدہا اس کے موٹے خونچکاں جگر اور پُر غلاظت انتڑیوں سے خون چوس رہا ہے۔
یہ سزا اسے محض اس لیے مل رہی ہے کہ اس نے بڑے دیوتا "زیوس" Zeus کی معشوقہ "لاتونا"
Latona کو قریب سے اغوا کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے اس دنیوی زندگی میں کسی برائی کا ارتکاب کیا ہو!

وہ بیان کرتا ہے کہ یولیسس نے "تانتالوس" Tantalus کو دیکھا کہ چاروں طرف
سے بند گرم پانی کے چشمے میں ٹھوڑی تک ڈوبا ہوا اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ موجیں اس کے مُنہ
پر تھپیڑے مار رہی ہیں۔ وہ شدّتِ پیاس سے ہانپ رہا ہے۔ لیکن بیچارے کو پانی کا ایک گھونٹ تک
نصیب نہیں کہ اس سے اپنی پیاس بجھا سکے۔ اس کے سر پر پھلدار درختوں کے پھلوں سے لدے ہوئے
گچھے جھکے پڑے ہیں۔ لیکن اس کا ہاتھ وہاں تک پہنچ نہیں پاتا۔ جونہی وہ پھل توڑنے کی کوشش کرتا ہے
ایک زبردست آندھی چلتی ہے اور درختوں کی ٹہنیاں اس سے گزوں دُور کر دیتی ہے۔[۵۱]

اس نے سیسفوس Sisyphus کو دیکھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے لیے راستے میں حائل
بہت بڑی چٹان کو سامنے سے ہٹاتا ہے۔ جونہی اس کا یہ مشقت طلب کام پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے قریب
ہوتا ہے چٹان ایک بار پھر لڑھک کر جہنم کے راستے میں گر جاتی ہے۔ اس تکلیف دہ مشقت سے بیچارے
کا بدن چکنا چور ہو گیا ہے اور پسینہ بہہ رہا ہے۔[۵۲]

اس نے مشاہدہ کیا کہ ہرقل Hercules جیسے جابر و طاقتور کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے
چچازاد بھائی "یوریتھوس" Eurys Theus کی غلامی و بندگی کرے۔[۵۳] (یہ محض بڑے دیوتا زیوس کی
بیوی Hera کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے۔ ورنہ ہرقل ایک آدم زاد بیوی میں سے اس کا اپنا لڑکا ہے)

اس نے دیکھا کہ "سربیروس" Cerberus پاگل کتے کی طرح ادھر ادھر سرگرداں ہے۔ یہ
سربیروس عالمِ سفلی کے دیوتا پلوٹو Pluto کا کتا ہے۔ اس کے تین سر ہیں۔ یہ تعذیب کا ایک ذریعہ
ہے جو مجرموں اور گنہ گاروں کو پیچھے مارے گا۔[۵۴]

---

[۵۱] ایڈتھ ہملٹن: مائی تھالوجی ص ۲۳۷۔ [۵۲] ایضاً ص ۲۹۸۔
[۵۳] ایضاً ص ۱۶۳، ۱۶۴۔ [۵۴] ایضاً ص ۳۹، ۲۲۷ – ۲۲۸۔

مصری اور یونانی عقیدۂ آخرت میں موازنہ

استاذ عبدالقادر حمزہ مرحوم نے اوڈلیسی Odyssey میں یولیسس Ulysses کے قصے اور ساتنی اور اس کے بیٹے کے قصے میں بہت بڑی مماثلت بیان کی ہے۔ ہم یہاں ان کے بیان کردہ نکات اپنی طرف سے کسی قدر اضافے کے ساتھ بیان کرتے ہیں:۔

اوّلاً: ہومر کے بیان کردہ قصے میں یولیسس جہنم میں داخل ہوتا ہے اور مصری قصے میں ساتنی اور اس کا بیٹا دونوں جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔

ثانیاً: ہومر کے نزدیک جہنم میں مینوس Minos اپنے ہاتھ میں سونے کا عصا لیے ہوگا اور مصری عقیدے کے مطابق اوسیرس Osiris کے ہاتھ میں سونے کا عصا ہوگا۔

ثالثاً: ہومر کے بیان کردہ جہنم میں مینوس کے سامنے مُردے اپنے معاملات فیصلے کے لیے پیش کریں گے اور مصری قصے کے مطابق منادی کرنے والے اوسیرس کے دربار میں اپنے مقدمات پیش کرنے کی منادی کریں گے۔

رابعاً: ہومر کے بیان کے مطابق مُردے بڑے بڑے پھاٹکوں والے ایک بہت بڑے احاطے ہادیس میں کھڑے ہوں گے یا بیٹھیں گے۔ اور مصری قصے کے مطابق مُردے بڑے بڑے سات میدانوں میں کھڑے یا بیٹھے ہوں گے۔

ہمارے خیال میں مشابہت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مصری قصے کے مطابق گنہ گار کو ایک وحشی درندے امائیت کے آگے ڈال دیا جائے گا۔ اور ہومر کے بیان کردہ جہنم میں ایک سیاہ اژدہا گنہ گار کے جگر کو ڈسے گا یا ایک خوفناک "سہ سرا" کتا اسے پھاڑ کھائے گا۔ نیز مصری عقیدے کے مطابق گنہ گار جوں جوں کھانے تک پہنچنے کی کوشش کریگا۔ کھانا دُور ہوتا جائے گا۔ اسی طرح یونانیوں کے ہاں جہنم میں گنہ گار جوں جوں پھل دار درخت کی طرف پھل توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائیگا ٹہنیاں اور دُور ہوتی چلی جائیں گی۔

استاذ حمزہ مرحوم دونوں جہنموں میں ایک جوہری فرق بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ بقول ہومر مینوس مُردوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ مُردے اس کے سامنے اپنے مقدمات پیش کرینگے "مورے"[1] کے خیال میں — اور اس کا یہ خیال درست ہے — اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقدمات دراصل زندوں کے باہمی تنازعات کی طرح موت کے بعد کے مُردوں کے باہمی تنازعات ہوں گے۔ یہ مُردوں کے دنیوی اعمال کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ اس کے بعد استاذ مرحوم ہومری جہنم اور مصری جہنم کا

[1] غالباً مراد گلبرٹ مرے Gilbert Murray سے ہے۔

موازنہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"چونکہ ہومر کا جہنم لوگوں کے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا دارالحساب نہیں بلکہ وہ مرنے کے بعد کے لڑائی جھگڑوں کا دارالحساب ہے۔ اور چونکہ ہومر کے جہنم میں وہ تہذیبی قدر و قیمت مفقود ہے جو مصری جہنم میں ملتی ہے۔ اس لیے ہم یہاں یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہومر نے ساتنی اور اس کے لڑکے اور اوسیرس کی عدالت کے مصری قصے سے اخذ و اقتباس کی غرض سے اختصار کر لیا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اس کی ظاہری شکل تو کسی حد تک لے لی ہے لیکن اس کا اصل جوہر ضائع کر دیا ہے۔"

استاذ مرحوم کی یہ رائے بالکل صحیح اور قطعی ہے۔ اس کی تائید ہمارے اس خیال سے بھی ہوتی ہے کہ ہومر کے جہنم میں بعض عذاب پانے والوں کا گناہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ بڑے دیوتا زیوس Zeus یا اس کی بیوی ہیرا Hera یا دوسرے دیوتاؤں کی خواہشات کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ یونانی روایات Mythology ایسے شواہد سے بھری پڑی ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے ہاں اصل مدارِ فیصلہ ان کی خواہشاتِ نفسانی اور شہواتِ حیوانی ہیں ضمیر انسانی اور حق و انصاف کا کوئی حساب ان کے ہاں نہ اس دنیوی زندگی میں ہے نہ آخرت کی زندگی میں۔

اس پہلو سے جب ہم دیکھتے ہیں تو مصری عقیدے کی انفرادیت مسلّم و نمایاں ہو جاتی ہے اور ان بے شمار بُت پرستیوں کے درمیان جو اس مصری عقیدے کے تقریباً دو ہزار سال بعد منصّۂ شہود پر آئیں اس کی بلندیٔ قامت بڑی روشن اور واضح ہو جاتی ہے۔

پنڈر اور عدالت آخرت اب[1] ہم یونانیوں کے تصور آخرت کا جائزہ لیتے ہوئے اور آگے بڑھتے ہیں۔ ۵۰۰ قبل مسیح میں ہمیں یونانی شاعر پنڈار[2] Pindar ملتا ہے جو اپنے دوسرے اولمپیائی قصیدے میں یہ کہتا ہے:

دنیا کے اعاظم رجال جہنم میں ایک منصف کے سامنے پیش ہوں گے۔ جہاں حرام کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کا فیصلہ "انانکی" دیوی کرے گی۔" اگرچہ وہ اس بات کی وضاحت نہیں کرتا کہ یہ

---

[1] یہ بحث علامہ شہیدؒ نے ہندومت اور بدھ مت کا جائزہ لینے کے بعد کی ہے۔ لیکن ترجمہ میں موقع و محل کے لحاظ سے ہم نے یہاں لے لی ہے۔

[2] پنڈر یونان کا مشہور قصیدہ گو شاعر ہے جس نے چھٹی صدی قبل مسیح کے آخر میں لکھنا شروع کیا۔ یونان کے قومی تہواروں پر مختلف کھیلوں میں جیتنے والے نوجوانوں کی مدح و توصیف میں لکھے ہوئے قصائد میں سے اس کا قصیدہ Odes بہت نمایاں اور مشہور ہے۔ ہر نظم میں اشاروں کنایوں میں بھی اور بالصراحت بھی قومی روایات کا ذکر موجود ہے اس لحاظ سے اس کی اہمیت مشہور شاعر ہیسیڈ Hasiod سے کم نہیں ہے۔

محاسبہ اعمال کس شکل میں ہوگا تاہم اس کے بیان سے جو چیز مستفاد ہوتی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محاسبۂ اعمال قریب قریب اسی نوعیت کا ہوگا جس نوعیت کا محاسبۂ اعمال مصری عقیدے کا جزو ہے۔

افلاطون اور عقیدۂ آخرت

پھر کچھ عرصے کے بعد مشہور یونانی فلاسفر افلاطون[1] Plato نمودار ہوتا ہے۔ عالم آخرت کے بارے میں وہ کہتا ہے:

"جب مردے قاضی کی عدالت میں داخل ہوں گے تو راداما نٹس Rhadamantaus اور مینوس Minos انہیں اپنے پاس بلا کر ہر روح کے بارے میں بغیر یہ جانے کہ یہ کس کی ہے جانچ پڑتال کرے گا۔ اگر اسے شر و فساد میں ملوّث پائے گا اور دیکھے گا کہ اس کی زندگی تخلیق انسانی کی حقیقت سے کوسوں دور رہی تو اسے قید خانے میں بھیج دے گا۔ تاکہ وہاں اسے ایسی ابدی سزا ملے جس کی از روئے انصاف وہ مستحق ہے۔[2]"

آگے چل کر وہ کہتا ہے:

"جن لوگوں کا فیصلہ ہو جائے گا انہیں راداما نٹس باہم امتیاز پیدا کرنے کی خاطر ان کے استحقاق و عدم استحقاق کے مطابق علیحدہ علیحدہ داغ دے کر میدان جہنم میں بھیجدے گا۔ جس روح کے بارے میں وہ دیکھے گا کہ اس نے اپنی زندگی پاکیزہ اخلاق کے ساتھ تخلیقِ انسانی کی حقیقت کے مطابق گزاری ہے اس سے خوش ہوگا۔ اور اسے پُرسعادت جزائر میں بھیج دے گا۔[3]" بہر حال ہومر کے تصوّر آخرت میں جو کمی اور ناپختگی Immaturity محسوس ہوتی ہے وہ افلاطون کے ہاں پختگی اور بلوغت Maturity کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کا رشتہ قریب قریب مصری عقیدے سے جا ملتا ہے جو اس سے دو ہزار پانچ سو سال پہلے عالمِ ظہور میں آچکا ہے۔

ورجیل اور عالمِ ارواح

اس کے بعد پھر پانچ صدیاں مزید گزرتی ہیں اور روما ئے عظمیٰ کا مشہور شاعر ورجیل[4] Virgil (۷۰ - ۱۹ قبل مسیح) پیدا ہوتا ہے۔ جو اپنی مشہور

---

[1] پیدائش ۴۲۷ اور ۴۲۹ قبل مسیح کے درمیان
[2] ایڈیتھ ہملٹن: مائی تھالوجی ص ۳۹۔
[3] افلاطون کی طرف منسوب یہ حصہ علّامہ شہید نے استاذ عبدالقادر حمزہ سے بحوالہ "موری" حاصل کیا ہے۔
[4] ورجیل Virgil ان روایات Myths پر چنداں یقین نہیں رکھتا۔ تاہم اس نے ان میں انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کا مشاہدہ کیا اور ان روایتی شخصیات کو روزمرّہ زندگی میں ایسے پیرائے میں پیش کیا جو اس سے پہلے کسی حزنیہ نگار کے ہاں نہیں ملتا۔ انیڈ Iniede کے علاوہ اس کی دو کتابیں اور مشہور ہیں۔ رعائیات Bucoliques اور فلاحیات Georgiques ۔

رزمیہ نظم انیڈ Iniede بارہ فصلوں میں قلم بند کرتا ہے۔ ان میں سے چھ فصلیں ہومر کی نظم اوڈیسی Odyssey کے طرز پر اور چھ فصلیں Iliade کے انداز میں ہیں۔ ان چھ فصلوں میں سے ایک فصل میں جنگ کا ہیرو اینیاس Aeneas عالمِ سفلی Hades میں اپنے باپ اینشز ــــ Anchises سے ملنے کے لیے جاتا ہے تاکہ اس سے اپنی اور اپنی اولاد کے مستقبل کے بارے میں کچھ دریافت کرے۔ ایک کاہنہ سیبائل Sibyl اسے لے کر مُردوں کی قیام گاہوں کی طرف نیچے اترتی ہے۔ یہ قیام گاہیں دنیا بھر کی ارواح و اشباح سے بھری پڑی ہیں۔ دونوں دریائے سٹائیکس کو عبور کرتے ہیں۔ یہ دریا جہنم کے اندر واقع ہے۔ سانپوں اور خوفناک جانوروں سے اٹا پڑا ہے۔ دریا کو عبور کرتے ہوئے ان کی مٹھ بھیڑ ایک پُریاس چہرے والے ملاح شارون Charon سے ہوتی ہے جو مُردوں کے آگے پیش قدمی کرتا ہے۔ کاہنہ اینیاس Aeneas کو اپنے پیچھے پیچھے لیے ایک ایسے عالم میں لے جاتی ہے جہاں چاروں طرف یاس و قنوطیت کے بادل چھائے ہوئے ہیں جہاں انواع و اقسام کے مُردوں کے سائے روز و شب بسر کرتے ہیں۔ جہاں اینیاس کی ملاقات معرکۂ ٹرائے کے بہت سے جاں بازوں سے ہوتی ہے۔ بالآخر اس کی ملاقات اپنے باپ سے ہوتی ہے اور اپنے خاندان کی عزت و افتخار کے لیے جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے وہ اُسے آگاہ کرتا ہے۔ غرضیکہ ورجیل کا جہنم بعینہٖ ہومر کا جہنم ہے جس کا تصور بعض خامیوں اور تبدیلیوں کے باوجود مصری جہنم سے لیا گیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

ہندو مت، بدھ مت اور عقیدۂ آخرت

اب ہم قدیم ہندی مذاہب پر بحث کرتے ہیں۔ عالمِ آخرت کی جواب دہی اور اس میں جزا و سزا کا کوئی تصور نہ ہمیں ہندو مت میں اور نہ ہی بدھ مت میں ملتا ہے۔ حالانکہ اہلِ ہند کے ایک گروہ کے علاوہ اہلِ سیلون نیز جاپانیوں اور چینیوں کی عظیم اکثریت بدھ مت کی پیروکار ہے۔ ہندو مت میں اور ایک حد تک بدھ مت میں بھی، عالمِ آخرت کے تصور کی بجائے عقیدۂ نروان کا نظریہ ملتا ہے۔ اس سے مراد انسان کا روحِ اعظم برہما میں فنا ہو جانا ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ تک پہنچنے کے وسائل دونوں دھرموں میں مختلف ہیں۔

کثرت و وحدتِ الٰہ

ہندو مت کی اپنی کتابیں ہیں جن میں وید Vedas برہمنا Barahmana اپنشد Upinishad اور ویدانتا Vedanta شامل ہیں۔ یہ

آخری کتاب سب سے بعد کی ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ چاروں[1] الہامی کتب ہیں جو مختلف و متضاد عقائد و رسوم پر مشتمل ہیں۔ ان میں ہمیں دیوی دیوتاؤں کا وجود بھی ملتا ہے اور توحید[2]، حلول اور وحدۃ الوجود کے نظریات بھی ملتے ہیں۔ یہ ایک ایسا اجتماعی نظام ہے جس میں ایسے مختلف و متضاد عقائد کی گنجائش موجود ہے جن میں سے ہر ایک مستقل بالذات مذہب اور متعین فلسفے کی طرف دعوت دیتا ہے[3]۔ وید میں بہت سے دیوتاؤں کا ذکر ملتا ہے جو متنوّع خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ذمے ایک کام ہے ان کے اعمال و تصرفات ایک دوسرے سے متجاوز و متصادم ہیں۔ کیونکہ یہ سب بہت سے قبائل کے

---

[1] مصنف رحمہ اللہ کو یہاں اشتباہ ہوا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جن چار کتابوں کا مصنف نے ذکر کیا ہے، وہ چار نہیں، وید ہی کے مختلف اجزا ہیں، ویدوں کا ایک حصہ منتر کا ہے جسے سمہتا کہتے ہیں، دوسرا حصہ برہمن ہے اور تیسرا ارنیک جس کے مختلف ابواب کا نام اُپنشد ہے، انہی اُپنشد کو ویدانت یعنی وید کا آخری حصہ بھی کہتے ہیں The cultural Heritage of India P. 34 پھر وید چار ہیں، رگ وید، یجر وید، سام وید، اتھر وید (مذکورہ کتاب کا صفحہ ۳) ویدوں میں بہت سے دیوتاؤں کا ذکر ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وید شرک کی تعلیم دیتے ہیں، سوامی دیانند سرسوتی، جو آریہ سماج فرقے کے بانی ہیں، مُصر ہیں کہ ویدوں میں شرک کی نہیں، توحید کی تعلیم ہے، وہ شرک اور بُت پرستی کی بہت زور سے تردید کرتے ہیں (مُلاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش) لیکن تینتیس ۳۳ دیوتاؤں کا ذکر ویدوں میں اس صراحت سے ہے کہ انہیں بھی ویدوں میں ان کا وجود ماننا پڑا ہے (ستیارتھ پرکاش ایشور اور وید کا بیان) تاہم ویدوں میں ایسے منتر بھی ملتے ہیں جن میں توحید یا وحدت الوجود کی تعلیم ملتی ہے مثلاً رگ وید میں ہے "اِکم سَدُ وِپرا بہُدا وَدَنتی" (۱، ۱۶۴، ۴۶، ۴۷) "حق الوجود حقیقی یا معبودِ حقیقی ایک ہی ہے، رِشی اُسے مختلف ناموں اندرا، مترا، ورنا اور اگنی سے پُکارتے ہیں"۔

ہندو مت کے مشہور مجدّد اور ویدوں کے شارح شنکر آچاریہ کے بقول اُپنشدوں میں وحدت الوجود کی تعلیم ہے لیکن رامانج جو دوسرے شارح ہیں، وہ وحدت الوجود کے نہیں، شویت (خدا اور کائنات کی دوئی) کے قائل ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مختلف اُپنشدوں میں مختلف اور متضاد تعلیمات ہیں، ویدوں اور ہندو مت کی دوسری مذہبی کتابوں پرانوں وغیرہ جزائے اعمال اور جنّت دوزخ کا ذکر ہے نیز آواگون کا بھی فلسفہ موجود ہے۔

(حامد علی)

دیوتا ہیں۔ یہ متعدد دیوتا ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد ایک "وحدت" میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جس سے یہ ساری کائنات عالمِ وجود میں آئی ہے۔ اور اسی "وحدت" کی طرف اسے لوٹ کر جانا ہے۔ یہ ارتقائی مراحل خصوصیت کے ساتھ اپنشد میں ظاہر ہوتا ہے اور ویدانتا تک پہنچتا ہے جس کے لغوی معنی "وید کا خاتمہ" ہیں

وحدت الوجود یا عقیدۂ تناسخ

ویدانتا میں ساری بحث کا محور یہ نظریہ ہے کہ خدا اور نفسِ انسانی ایک ہی وجود ہیں[1]۔ اگرچہ انسان کو یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ دونوں مختلف وجود ہیں۔ "ثنویت" کا یہ تصور محض اس وجہ سے ہے کہ اس "وحدت" کا ادراک اس کے مشاہدے سے زیادہ مشکل ہے۔ انسان اپنی غلط فہمی اور گمراہی میں پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نفسِ انسانی میں اس کی ہستی فنا سے دوچار ہو جاتی ہے[2]۔ بعض فلاسفۂ ہند "فنائے ہستی" کی تفسیر "روح کا جسدِ خاکی سے چھٹکارا پانا" کرتے ہیں۔ اسی سے ہندوؤں کے ہاں یہ تصور پیدا ہوا کہ مادی جسم سے روح کی نجات کے لیے جسم و روح کو سخت قسم کی تکلیفوں اور مشقتوں کا عادی بنایا جائے تاکہ آخرکار وہ اس سے نجات پاکر ذاتِ حق (برہم) میں جذب ہو جائے[3]۔ اور مرتبۂ "نروان" Nirvan کو پہنچ جائے۔ انسان اس مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اس کی روح دنیا کی مادی آلائشوں سے پاک اور علائق زندگی سے چھٹکارا پاکر ذاتِ حق سے اتصال و اتحاد کے قابل نہ ہو جائے۔ یہی عقیدہ "تناسخ" ہے۔ یعنی جب انسان مرجاتا ہے اس کی روح کسی دوسرے حیوان یا انسان کے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اور مختلف قسم کے بھوگ بھگتتی ہے۔ یہاں تک کہ اس بھوگ سے کندن ہو کر نکلتی اور بالآخر "نروان" تک پہنچ کر اس تناسخ کے عذاب سے نجات پا جاتی ہے[4]۔

ابدی مسرت: دیدارِ روحِ اعظم

بدھ مت جو ہندو مت کے بعد ۔۔ ق م میں عالمِ وجود میں آیا اس میں اس تناسخ کا کوئی عقیدہ نہیں ہے[5] نہ اس میں تطہیرِ روح کے لیے تعذیبِ بدن ضروری ہے۔ بدھ مت کا منتہائے مقصود روحِ انسانی کو بدن کے بوجھ سے آزاد کرنا اور خدا کی رحمت کی امید دلاتا ہے۔ جب آدمی روح کو دنیوی زندگی کی آلودگیوں، نفسانی خواہشات اور جسمانی

---

[1] رشید احمد: تاریخ مذاہب ص ۱۵۷، وینکٹارتنام: این ایسے آن اسلام ص ۲۷۔ محمد مظہر الدین صدیقی: اسلام اور مذاہب عالم ص ۹ تا ۱۰۔ [2] مصنف نے یہ بحث قصۃ الادب فی العالم جزو اول ص ۵۵ مصنفہ ڈاکٹر احمد امین وزکی نجیب سے اخذ کی ہے۔ [3] وینکٹارتنام: این ایسے آن اسلام ص ۲۷۔

[4] محمد مظہر الدین صدیقی: اسلام اور مذاہب عالم ص ۲۹، وینکٹارتنام: این ایسے آن اسلام ص ۲۹-۳۰۔

[5] مصنف شہید کا یہ خیال کچھ محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔ بدھ مت بھی تناسخ کا قائل ہے۔ مسٹر وینکٹارتنام نے اپنی نہایت قیمتی کتاب "این ایسے آن اسلام" میں "کرما" اور "تناسخ" کو بدھ مت کا تیسرا اور چوتھا عقیدہ قرار دیا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

لذات سے پاک وصاف کرکے اپنی ساری قوتوں کے ساتھ روحِ اعظم کا دیدار حاصل کرے تو اسے مرتبۂ نروان پر پہنچ کر ابدی مسرّت حاصل کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔

حیاتِ مادّی کا انجام مہاتما بدھ[1] نے زندگی کے آخری لمحات میں اپنے شاگرد رشید انندا Ananda کو جو ہدایات دیں ان میں حیاتِ مادّی کی حقیقت سے پردہ کشائی اس قول سے ہوتی ہے جو اس نے اپنے جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اے انندا! ایک وقت یہ مجموعۂ عناصر اپنے اجزائے ترکیبی میں تحلیل ہو کر لازماً فنا سے ہم کنار ہو جائے گا لیکن ارتقائے روحانی کو جاری رکھنے سے تجھے کوئی حالت روک نہیں سکتی۔ عنقریب تم شہوانی لذات اور ذاتی وجود کی برائی نیز جہالت اور بیہودہ توہمات کی تاریکی سے نجات پا جاؤ گے۔"

رنج و الم اور خواہشِ نفس — عذاب ہی عذاب اسی طرح اس نے اپنے بعض عقیدت مندوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا: "اے لوگو! آلام و مصائب کی اس عظیم حقیقت کا بہ نظرِ غائر مشاہدہ کرو کہ پیدائش ایک عذاب ہے۔ بڑھاپا ایک عذاب ہے۔ بیماری ایک عذاب ہے۔ موت ایک عذاب ہے۔ محبوباتِ زندگی سے محرومی ایک عذاب ہے۔ مرغوباتِ زندگی کا نقصان ایک عذاب ہے[2]۔"

(بقیہ حاشیہ) چنانچہ اس پر بحث کرتے ہوئے صفحہ ۶، پر وہ لکھتے ہیں: "بدھ کا خیال ہے کہ جب تک کوئی شخص تکمیل ذات کے اس درجے یعنی نروان کو نہیں پہنچتا اسے اپنے "کرموں" کے طفیل یعنی اس دنیوی زندگی کے اچھے یا برے اعمال کے نتیجے میں مسلسل ایک جنم سے دوسرے جنم میں جانا پڑے گا۔ اور نہ صرف دیوتاؤں اور انسانوں کی نسل میں بلکہ ادنیٰ ترین جانوروں مثلاً کیڑے مکوڑوں، کتوں اور دوسرے درندوں کی شکل میں دوسری زندگی اختیار کرنی پڑے گی۔ خود اس موجودہ زندگی میں بھی وہ اپنی سابقہ زندگیوں کے "کرموں" کا پھل پا رہا ہے۔ یہ موجودہ زندگی "نروان" حاصل کرنے کے لیے بہت ہی مختصر ہے۔ اگر اسی زندگی میں اس کا طرزِ عمل اچھا ہے تو ممکن ہے کہ وہ کسی بہتر حالت کے انسان کی شکل میں یا کسی دیوتا ہی کے روپ میں دوبارہ جنم لے۔ اور اگر اس زندگی میں اس کے اعمال برے ہیں تو ممکن ہے کہ دوسرے جنم میں وہ کم درجے کے کسی جانور یا کسی اور چیز کے روپ میں جنم لے۔" گویا اس طرح بدھ نے ہندوؤں کے "کرما اور تناسخ" کے عقیدے کو بلا چون و چرا قبول کر لیا۔ نیز اسی کتاب کا صفحہ ۹، ملاحظہ ہو۔

[1] گوتم بدھ کپیلا کے فرماں روا کا ولی عہد تھا۔ یہ علاقہ کلکتہ کے شمال مغرب میں ہمالیہ کے دامن میں واقع تھا جو موجودہ بہار اور مغربی بنگال پر مشتمل ہے۔ تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہے۔ وفات ۴۸۳ ق م اور ۴۷۷ ق م کے درمیان تصور کی جاتی ہے۔ (دینکھارتنام: این ایسے آن اسلام ص ۵۹، محمد مظہر الدین صدیقی: اسلام اور مذاہب عالم ص ۲۲۔)

[2] ملاحظہ ہو (دینکھارتنام: این ایسے آن اسلام ص ۷۱، ۷۲)

"اے سادھوؤ! رنج والم کے اصل اسباب وعلل پر غور کرو۔ خواہش نفس! یہ درحقیقت اس دنیا میں بار بار جنم لینے کے عقیدے کی اصل اور بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ شہوت پرستی اور لذت پرستی آتی ہے جو اپنی تسکین کا سامان اِدھر اُدھر سے حاصل کرتی ہے۔ پھر انسان کی یہ خواہش بھی تین قسم کی ہے:
لذت پرستی کی خواہش، زندگی کی خواہش اور دولت و ثروت کی خواہش۔[1]

عذاب سے نجات ترکِ خواہش اور حُسنِ اخلاق ہے

"اے سنتو! اس اہم حقیقت پر غور کرو کہ یہ آلام و مصائب کیسے رک سکتے ہیں؟ دنیا میں رنج و کرب کا خاتمہ تبھی ہوگا جب انسان کی یہ "خواہش" ختم ہوگی۔ اور خواہش نفس کا استیصال قلبی میلانات اور دلی جذبات کا خاتمہ کیے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے لیے لذتِ دنیا سے بے اعتنائی، قناعت، ترکِ خواہش اور ضبطِ نفس کے بغیر چارہ نہیں۔[2]

"اے مہنتو! دنیا کے آلام و مصائب کے سدّباب کی صورت نکالو! دیکھو یہ صرف آٹھ باتوں سے ممکن ہے: صدق ایمان، صدق مقال، کسبِ حلال، حسنِ سیرت، حسنِ عمل، راستی تفکر، راستی تدبر اور صدقِ مقاصد۔[3]

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندومت اور بدھ مت دونوں میں عالم آخرت کے بارے میں اس طرح کا کوئی واضح تصور نہیں ملتا جو قدیم مصری عقائد، قدیم یونانی روایات اور مذہب زردشت میں موجود ہے۔ ہندومت میں آلام و مصائب، عذاب اور تناسخ کو گناہوں کا کفارہ بنا کر اور بدھ مت میں ضبطِ نفس، ترکِ خواہشات اور نفس کشی کے ذریعے آدمی اپنی ہستی کو روحِ اعظم (برہما) میں فنا کر لیتا ہے۔ اور اس طرح "نروان" حاصل کر کے واصل بذاتِ حق (برہما) ہو جاتا ہے۔

عقیدۂ آخرت اور بنی اسرائیل

اب ہم عالم آخرت کے بارے میں بنی اسرائیل کے عقائد و نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے قدیم عہد پر روشنی ڈالنے والی کتاب جو اس وقت ہمارے پاس

---

[1] ملاحظہ ہو وینکانا رتنام: این لیسّے آن اسلام ص ۷۱-۷۲۔ [2] ایضاً ص ۷۱-۷۲۔

[3]: مصنف مرحوم نے یہ سارا مواد ڈاکٹر حسین فوزی کی کتاب "سندباد عصری" سے حاصل کیا ہے۔ اس میں یہاں صرف سات باتیں لکھی ہیں۔ آٹھویں کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ شاید اسی خیال سے علامہ شہید نے حاشیے میں وضاحت کی ہے کہ گنتی میں سات ہی ہیں۔ حالانکہ واقعتہً یہ آٹھ ہی ہیں۔ ملاحظہ ہو: "این لیسّے آن اسلام" ص ۷۵، ۷۶۔ آٹھویں اسی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ [4] جیسا کہ اوپر گزر چکا، ہندومت میں جزا اور سزا اور جنت و دوزخ کا تصور موجود ہے۔

موجود ہے وہ یہودیوں کی "پہلی کتاب" ہے۔ اس میں عالمِ آخرت کے بارے میں قطعاً کوئی ذکر تک موجود نہیں ہے۔ اس کے سیاق و سباق سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بُرائی کی جزا — ان کے خیال کے مطابق — انسانی افراد اور گروہوں کے حساب سے دنیا ہی میں متحقق ہوگی۔ بنی اسرائیل کے ہاں خدا کا تصور یہ ہے کہ وہ کسی بدکار سے اس کی برائی کا بدلہ لینے میں غافل نہیں ہے، خواہ وہ کوئی ایک فرد ہو یا پوری کی پوری ایک نسل ہو۔ لیکن یہ عقیدہ اپنے اندر واقعات کی دنیا میں پنپنے کی سکت نہیں رکھتا۔ واقعاتی زندگی میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس سادہ اور سیدھے سے عقیدے اور دنیوی زندگی کے پیش آمدہ واقعات میں ایک کشمکش برپا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دنیا میں شر کا انجام کسی سزا اور عقوبت کی بجائے راحت و آرام میں اور خیر کا صلہ کسی اجر کی بجائے تکلیف اور مصیبت میں نکلتا ہے۔ یہ کشمکش قدیم زمانے کے صحیفوں میں سے "صحیفۂ ایوب" میں پورے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔

دنیا میں خیر و شر کے نتائج میں یہاں استاذ علی ادھم کی کتاب "نظرات فی الحیاۃ و المجتمع" کی ایک جامع فصل سے — جو انہوں نے اسی صحیفۂ ایوب کے بارے میں لکھی ہے — ایک موزوں اقتباس نقل کرتا ہوں۔ جس میں مجھے حذف و اضافہ کی زحمت اٹھانے کی بھی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔ "صحیفۂ ایوب" کے تیرھویں باب میں جب ایوب کے ساتھی اس سے بلند و ارفع ذات کے بارے میں استفسار کرتے ہیں تو وہ ان کے جواب میں کہتا ہے: "وہ اگر مجھے قتل بھی کر دے۔ جب بھی میں اس سے پُر امید ہی رہوں گا خواہ اس کے سامنے اپنی گزشتہ زندگی کے اطوار پر کوئی حجت ہی قائم کیوں نہ کروں۔" (آیت ۱۵)

یہ ایک ایسی بات ہے جس میں ایمان کامل کے ساتھ انکار و سرکشی کی جھلک بھی نظر آتی ہے اور جس میں مطلق اذعان و ایقان کے ساتھ شک و ریب کی آمیزش بھی موجود ہے۔ یہ دلائل و براہین جو ایوب اپنے رنج و غم پر پردہ ڈالتے ہوئے اور اپنے جذبات پر قابو پا لینے کے بعد اپنے دفاع اور اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کرتا ہے بڑے مختصر ہیں۔ تاہم ان میں اس ضمیر کی ایک جھلک نظر آتی ہے جس کا مظاہرہ اس نے تکلیف دہ حادثات اور دردناک مصائب کی شکل میں خدا کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں میں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیفہ عہدِ قدیم کے درد انگیز صحیفوں میں سے ایک ہے۔ اس میں ہمارے لیے فکر انگیز لمحات، جرأت آمیز خیالات اور قابلِ غور پہلوؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس میں حقیقتِ انسانی کی بہترین و بے نظیر طریقے سے وضاحت کی گئی ہے۔

یعنی یہ کہ عورت کا بچا یا، مختصر سی زندگی اور اس خدا کی طرف سے بہت سی بدبختیوں کا شکار، جس کے عظیم کارنامے بحث و تمحیص سے ماوری اور جس کی قدرت کے کرشمے شمار سے باہر ہیں۔ اس صحیفے میں انسان کی طرف سے عدل و انصاف کی التجا بھی موجود ہے اور حوادثِ زندگی اور حقائقِ ہستی کی حکمتوں اور مصلحتوں کی تلاش و جستجو بھی۔ یہ زندگی کی ایک ایسی تصویر ہمارے سامنے رکھتا ہے جو اس شدید کش مکش کی نہایت اعلیٰ، صحیح اور دقیق ترین عکاسی کرتی ہے جو شکوک و شبہات اور ایمان و ایقان کے درمیان ہر آن جاری ہے۔ انسان کی اس مادّی زندگی میں قدرت کا جو نظام عدل و مساوات جاری اور ساری ہے۔ اس کی حکمت و مصلحت سے لاعلمی کی وجہ سے انسان کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا جھکڑ جب چلتا ہے تو خرمنِ ایمان و ایقان کو اڑا لے جاتا ہے۔ صرف مضبوط ایمان اور پختہ یقین کی چٹان ہی شکوک و شبہات کی اس آندھی کے آگے ٹھہر سکتی ہے اور ان کے حملوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہے۔ غرضیکہ مضبوط ایمان اور پختہ یقین ہی وہ طاقت ہے جو بالآخر شکوک و شبہات کی ہمہ گیر قہرمانی اور غلبے پر قابو پا لیتی ہے۔"

ضمیر کی ایک خلش

"یہ صحیفہ بنی اسرائیل کے دینی افکار کے ارتقائی مراحل میں سے ایک اہم مرحلے پر روشنی ڈالتا ہے۔ جب کہ شکوک و شبہات اس عقیدے میں نفوذ کرنے لگتے ہیں کہ" وہی شخص اپنی اس حیاتِ زود بار میں ثابت قدمی اور سلامتی ضمیر سے بہرہ مند ہوتا ہے جو نیک خصلت اور راست باز ہو۔ اور جو شخص اپنی زندگی میں نیکی سے مجتنب رہے اور گناہوں کا مرتکب ہو وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اپنے کئے کی پوری پوری جزا پا لیتا ہے۔" لیکن روزمرّہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ روزمرّہ زندگی کے حقائق اور روزانہ پیش آنے والے عام واقعات اس سیدھے سادے عقیدے کی تائید نہیں کرتے۔ نہ یہ اس بات کی توثیق کرتے ہیں کہ برا آدمی واقعی اپنی برائی کا بدلہ پائے گا۔ اور نیک کو یقیناً اپنی نیکی کی جزا ملے گی۔ بلکہ عام زندگی کے یہ واقعات و حقائق اس کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں اور ان کے مقابلے میں اس کی ہمت و طاقت جواب دے جاتی ہے۔ یہ چیز دماغ میں ایک الجھن، ضمیر میں ایک خلش، اور دل میں ایک اضطراب کا باعث بنتی ہے۔ کیا خدا کے عدل و انصاف میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہے؟ واقعاتِ زندگی اور نظامِ کائنات میں کوئی ایسا عدل و توازن ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل، ہمارے فہم و ادراک سے ماوری اور اس ظاہری ظلم و تعدّی میں مستور ہے؟ ایک ایسا توازن جس سے تصورِ عدل کے دائرے میں وسعت و رفعت پیدا ہوتی ہے جو ایک کم بصیرت و کم بصارت آدمی کے سینے میں ابھرنے والے بے شمار اعتراضات کے خس و خاشاک کو

راستے سے ہٹا کر صاف کرے؟ بہرحال اگر حیات بعد الموت کا تصور اس کے آثار نمایاں ہو جانے اور دماغوں کے اس کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد معدوم ہو جاتا تو معاملے کی نوعیت اور بھی بڑھ جاتی۔"

وقوعِ قیامت اور بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کے ہاں ان کی طویل ترین تاریخ میں عہد نامہ عتیق[1] لکھے جانے کے بعد تصورِ آخرت میں ارتقاء ایک ضروری امر تھا۔ ہمیں انجیل متی S. Mathew کے ۲۲ویں باب میں یہ تحریر ملتی ہے:

"اس روز اس کے پاس صدوقی Sadducees آئے جو کہتے ہیں کہ قیامت کوئی نہیں ہے" (آیت ۲۳)۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل میں سے صدوقی ایک ایسا فرقہ تھا جو یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ قیامت کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جب کہ ہمیں اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فریسی Pharisees قیامت کے قائل تھے۔ اس کا ثبوت "صحیفۂ اعمالِ رسل" کے ۲۳ویں باب میں ملتا ہے جس میں پولس Paul کہتا ہے:

"میں فریسی ہوں۔ فریسی کا بیٹا ہوں۔ مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی امید رکھتا ہوں (آیت ۶)

یہ بات اس نے قیصریہ Caesarea کے حاکم کو کہی تھی جسے پولس کو گرفتار کرنے پر اس لیے ابھارا گیا تھا کہ وہ مفسد ہے اور روئے زمین پر بسنے والے تمام یہودیوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے والا ہے۔" — پھر وہ ۲۴ویں باب میں کہتا ہے:

"پس میں اپنے آباؤ اجداد کے خدا کی عبادت کرتا ہوں اور جو کچھ شریعت کے مطابق اور پیغمبروں کے بارے میں لکھا ہوا ہے اس پر میرا ایمان ہے۔ خدا سے مجھے اس بات کی امید ہے اور وہ خود بھی اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ نیکوکاروں اور گنہگاروں کے مُردے دوبارہ اٹھائے جائیں گے" (آیت ۱۴-۱۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا یومِ آخرت پر یقین تھا لیکن قطعیت کے ساتھ ہم نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل کے ہاں اس عقیدے نے کب راہ پائی۔ اس سلسلے میں ہمیں پہلا اشارہ اشعیاہ نبی Isaiah کے صحیفے میں ملتا ہے (اشعیاہ کا زمانہ تین سو سال ق م کا ہے) لیکن اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کی بنا پر بالجزم یہ کہا جا سکے کہ اس سے مقصود روزِ قیامت ہی ہے۔ یہ قول ایک طرح کی پیش گوئی ہے۔ "سن لو! خداوند اس زمین کو خالی کر دے گا اور اسے بالکل بیکار کر دے گا۔ اس کی سطح کو الٹ پلٹ کر دے گا اور اس کے باشندوں کو منتشر کر دے گا۔"

— (اشعیاہ باب ۲۴۔ آیت ۱)

---

[1] ۔ عہد نامہ عتیق و عہد نامہ جدید کے جملہ اقتباسات جو آئندہ صفحات میں آرہے ہیں۔ ان کا ترجمہ کرتے وقت بائبل کا وہ انگریزی نسخہ پیش نظر رہا ہے جو ۱۹۰۳ء میں آکسفورڈ پریس لندن نے شائع کیا ہے۔ ترجمہ میں متعلقہ آیات کے نمبر بھی درج کر دیے گئے ہیں تاکہ بائیبل کی طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

آگے چل کر لکھا ہے : "اور ایسا ہوگا کہ خوفناک آواز سے گھبرا کر بھاگنے والا گڑھے میں گرے گا۔ اور جو گڑھے میں ہے اوپر نکلنے کی کوشش کرے گا اس کی ٹانگیں لڑ کھڑا جائیں گی۔ کیونکہ اوپر سے پرنالے[1] کھل جائیں گے۔ زمین کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ زمین پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی۔ زمین میں ایک زلزلہ آجائے گا۔ زمین نشے میں مست آدمی کی طرح لڑکھڑا ئے گی۔ اور لٹکے ہوئے گھونسلے کی طرح جھولے گی۔ اس کا گناہ اس پر بوجھل ہو جائیگا وہ گر پڑے گی۔ اور دوبارہ نہ اٹھ سکے گی۔ اس روز ایسا ہوگا کہ خداوند ملائے اعلیٰ کے لشکروں[2] کو ملائے اعلیٰ میں اور شاہانِ زمین کو زمین پر طلب کرے گا۔ سب کے سب ایک قید خانے میں قیدیوں کی طرح اکٹھے کر کے محبوس کر دیے جائیں گے۔ بہت دنوں کے بعد ان کی دیکھ بھال کی جائے گی۔ تب چاند نادم اور سورج شرمسار ہوگا۔ کیونکہ لشکروں کا خدا صیہون Zion کی پہاڑی اور یروشلم میں حکومت کرے گا۔ اور اس کے بزرگوں کے آگے آگے عظمت و بزرگی ان کے استقبال میں ہوگی" (آیت ۱۸ تا ۲۳)

وہ ہولناک دن!

ممکن ہے کہ یہ دن دنیا کی زندگی ہی کا ایک دن ہو بلکہ زیادہ گمان یہی ہے کہ یہودیوں کے ہاں یہ دنیا ہی کا ایک دن ہو جیسا کہ وہ (نبی اشعیاہ) ۲۵ویں باب میں کہتا ہے :

"اس دن کہا جائے گا لو دیکھو! وہ ہمارا خداوند ہے۔ ہم اس کے منتظر رہے ہیں۔ اس نے ہمیں نجات دے دی ہے۔ یہی ہے وہ خداوند جس سے ہم نے امیدیں وابستہ کیں۔ ہم اس کی نجات پر خوش و خرم ہیں۔ کیونکہ خداوند کا ہاتھ اس پہاڑی پر سایہ فگن رہے گا۔ موآب Moab اپنی جگہ پر اس طرح دھنس جائے گا جس طرح گندے پانی میں تنکا دب جاتا ہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا رکھے ہوں گے جس طرح پیراک تیرنے کے لیے اپنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ وہ اپنی بڑائی کے ساتھ اپنے ہاتھ کے کرتوتوں کو بھی نیچا کر دے گا۔ اور تیری دیواروں کے بلند و بالا قلعہ کو نیچا کر دے گا۔ اسے ڈھا دے گا اور پیوندِ زمین کر کے خاکستر کرے گا۔" (آیت ۹ تا ۱۲)

نیز ۲۶ویں باب میں ہے :"اس روز ارضِ یہودا میں یہ گیت گایا جائے گا۔ ہمارے پاس ایک مضبوط شہر ہے وہ دیواروں اور قلعوں کی خلاصی کرائے گا۔ دروازے کھول دو! تاکہ امانت و صداقت کی محافظ نیکوکار امت ان میں داخل ہو سکے۔" (آیت ۱-۲)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ دن ہوگا جس دن "اسرائیل" اپنے دشمن "مؤاب" پر فتح پائیگا۔

---

[1] عربی متن میں لفظ "میازیب" (پرنالے) آیا ہے۔ لیکن انگریزی نسخے میں لفظ Gates (ابواب) استعمال ہوا ہے۔ [2] عربی میں لفظ "جند" (لشکر) استعمال ہوا ہے۔ جبکہ انگریزی میں لفظ Hosts استعمال ہوا ہے جس کے معنی صاحب خانہ اور میزبان کے ہیں۔

بہرحال وہ دن ان خصوصیات کا حامل ہوگا جس کی پیشین گوئی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح اشعیاہ نبی نے عہد نامہ عتیق میں کی ہے۔

نبی دانیال کی پیش گوئی

اسی طرح قیامت کے دن سے مشابہ دن کی طرف دوسرا اشارہ "صحیفہ دانیال" کے باب ۲ میں ملتا ہے ۔ دانیال دوسو سال قبل مسیح میں گزرا ہے۔ روزِ قیامت کے بارے میں "صحیفۂ دانیال" میں "صحیفۂ اشعیاہ" میں مذکور اشارے کی نسبت زیادہ وضاحت ملتی ہے۔ لیکن یہ دوسرا اشارہ بھی درحقیقت اسی دنیوی زندگی کے ایک دن کا ذکر ہے۔ یہ گویا بنی اسرائیل کے مستقبل کے بارے میں ایک پیشین گوئی ہے۔ چنانچہ دانیال اپنے خدا کی طرف سے آمدہ وحی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

"اس وقت تیرے ابنائے قوم کی خاطر کھڑا ہونے والا عظیم شہزادہ میکائیل Michael کھڑا ہوگا۔ وہ بڑا سخت وقت ہوگا۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک کبھی ایسا سختی کا وقت نہیں آیا ہوگا۔ اس وقت تیری قوم نجات پا جائے گی۔ ہر وہ شخص نجات پا جائیگا جس کا کتاب میں ذکر ہوگا۔ اور بہت سے وہ لوگ جو زمین میں پڑے محوِ خواب تھے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کچھ کو ابدی زندگی کی راحت نصیب ہوگی اور کچھ ابدی ذلت و ندامت کا شکار ہوں گے۔ اہلِ فراست فلک نیلگوں کی طرح چمکیں گے اور وہ لوگ جو اس دنیا میں بہت سوں کو نیکی کی طرف لائیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درخشندہ ستاروں کی طرح درخشاں رہیں گے۔ (دانیال باب ۱۲۔ آیت ۱ تا ۳)۔

لیکن یہ قصہ فارس کے ان چار بادشاہوں کے طویل قصے کے بعد بیان ہوا ہے (جن میں چوتھا بڑا مالدار اور طاقتور تھا) جو اٹھیں گے اور مملکت یونان پر حملہ کر دیں گے ...... الخ اس کے بعد آخر کار وہ دن آئے گا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اشارہ روزِ قیامت کے بارے میں صریح نص نہیں ہے۔ اس طرح کی پیشین گوئیوں میں مرنے کے بعد بہت سے انبیاء و صلحاء کا اٹھنا چونکہ بنی اسرائیل کی ایک علامت ہے اس لیے یہ دورانِ زندگی ظہور پذیر ہوگی۔ یہ عالمِ آخرت کی طرف رحلت پر دلالت نہیں کرتی۔ بہرحال "انجیل متی" اور "صحیفۂ اعمالِ رُسل" میں روزِ قیامت کے بارے میں یہود کے عقیدے کا ذکر اگرچہ "صحیفۂ دانیال" کے اس بیان کے کئی سو سال بعد کا ہے تاہم اس سے عقیدۂ عالمِ آخرت کے وجود کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ اگلی بحث میں واضح ہو جائے گا۔ اس بنا پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بنی اسرائیل نے اس معاملے میں مصری عقائد سے کوئی تاثر نہیں لیا۔

عیسائیت اور عقیدۂ آخرت

عیسائیت میں "خداوند کی بادشاہت" اور "حیاتِ ابدی" انعام کے لیے اور "دوزخ" "آگ" اور "ظلمت" کے الفاظ عذاب کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کے ہاں "فیصلے کا دن" ایسا دن ہے جس میں ابن آدم یعنی مسیح خدا کے فرشتوں کی معیت میں آئے گا۔ لیکن ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ کب آئے گا؟ آیا قیامت کے دن یا اس روز جس روز کہ وہ دفن کے تین دن بعد دوبارہ اٹھے گا؟ جیسا کہ اناجیل میں مذکور ہے۔

آسمانی بادشاہت

انجیل متی کے باب ۱۶ میں ہے:

"ابنِ آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔ تب وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ یہاں کھڑے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو موت کا مزہ اس وقت تک نہیں چکھیں گے جب تک کہ ابنِ آدم کو اپنی بادشاہت میں آتا دیکھ نہ لیں"۔ (آیت ۲۷-۲۸)۔

اسی انجیل متی کے باب ۱۹ میں ہے:

"تب یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کسی دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا اس بات کی نسبت آسان ہے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔ (آیت ۲۳-۲۴)۔

اسی باب میں ایک دوسرے مقام پہ یہ لکھا ہے:

"جب ابن آدم اپنے تختِ جلال پر بیٹھے گا۔ تم بھی بارہ تختوں پہ بیٹھ کر بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں پر حکومت کرو گے۔ اور ہر وہ شخص جس نے میرے نام کی خاطر گھر یا بھائی بہنوں یا ماں باپ یا بیوی بچوں یا زرخیز زمینوں کو چھوڑا ہو گا وہ سو گنا پائے گا۔ اور ابدی زندگی کا وارث ہو گا" آیت ۲۸-۲۹

اسی انجیل کے باب ۱۲ میں یہ قول ہے:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر بیہودہ بات جو لوگ منہ سے نکالتے ہیں قیامت کے دن انہیں اس کا حساب دینا پڑے گا"۔ (آیت ۳۶)

انجیل متی ہی کے باب ۱۶ میں یہ قول ہے:

"اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ تم پطرس Peter ہو۔ میں اس چٹان پر اپنی کلیسا تعمیر کروں گا۔ اور جہنم کے دروازوں کا اس پر کوئی بس نہ چلے گا۔ اور میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دے دوں گا۔" (آیت ۱۰-۱۹)

اسی طرح انجیل متی کے باب ۲۶ میں ہے:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس اب پھر نہ پیوں گا اس دن تک کہ جس دن تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں تازہ نہ پیوں۔" (آیت ۲۹)

پھر اسی انجیل کے باب ۱۸ میں ہے:

آتش دوزخ

"اگر تجھے اپنے ہاتھ اور پاؤں کی وجہ سے ٹھوکر لگے تو ان کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ اس لیے کہ لنگڑا یا ٹنڈا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تیرے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوں اور تو ہمیشہ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔ اور اگر تیری آنکھ تیری ٹھوکر کا سبب بنے تو اسے نکال ڈال اور اپنے پاس سے اسے پھینک دے۔ کیونکہ یک چشم ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تیری دونوں آنکھیں ہوں۔ اور تو آگ کی جہنم میں ڈال دیا جائے۔" (آیت ۸-۹)

قیامت کے بارے میں انجیل متی میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس سے زیادہ وضاحت انجیل مرقس S. Marks کے باب ۹ میں ملتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

"اس سے بہتر ہے کہ تو آگ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے جو کبھی نہیں بجھتی۔ جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی۔" (آیت ۴۳-۴۴)

انجیل متی کے باب ۸ میں ہے:

"اور میں تم سے کہتا ہوں کہ بہت سے لوگ مشارق و مغارب سے آئیں گے اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں بیٹھیں گے۔ لیکن بادشاہت کے فرزند باہر کے اندھیرے میں پھینک دیئے جائیں گے۔ وہاں رونے اور دانت پیسنے کی آواز ہو گی" (آیت ۱۱-۱۲)

انجیل متی کے باب ۱۱ میں ہے:

"اے کفرناحم (Caparnaum) جسے آسمان تک اٹھایا گیا! تو دوزخ میں گرایا جائے گا۔ وہ طاقتیں جو تیرے اندر بنائی گئی تھیں اگر سدوم (sodom) میں بنائی جاتیں تو تو آج تک باقی رہتا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ فیصلے کے دن کی حالت تمہاری نسبت

ملک سدوم کے لیے زیادہ قابلِ برداشت ہوگی۔" (آیت ۲۳ - ۲۴)

اس طرح ہم آخر کار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ "آسمان کی بادشاہت" سے میدانِ حشر میں پیشی - "نعیم ابدی" اور "آگ کے جہنم" اور "باہر کی تاریکی" سے "عذاب اُخروی" پر روشنی پڑتی ہے۔ آخر میں ہم ایک بار انجیل متی کے باب ۲۵ کی بعض تفصیلات بیان کر کے اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہیں:

"جب ابنِ آدم اپنے جلال سے آوے گا اور سب پاک فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے۔ تب وہ اپنے تختِ جلال پر بیٹھے گا۔ اور سب قومیں اس کے سامنے حاضر کی جائیں گی اور جس طرح گڈریا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ ایک کو دوسرے سے جُدا کریگا۔ بھیڑوں کو داہنے اور بکریوں کو بائیں طرف کھڑا کریگا۔ تب بادشاہ ان کو جو اس کی داہنی طرف ہوں گے کہے گا، اے میرے باپ کے بابرکت لوگو! اس بادشاہت کے وارث بنو جو دنیا کی بنیاد ڈالنے کے وقت سے تمہارے لیے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا۔ تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی۔ میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ میں بیمار تھا۔ تم نے میری عیادت کی۔ میں قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ اس وقت نیکوکار جواب میں اُسے کہیں گے: اے خداوند! کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور کھانا کھلایا؟ یا پیاسا دیکھا اور پانی پلایا؟ کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور اپنے گھر میں پناہ دی؟ یا ننگا دیکھا اور کپڑا پہنایا؟ اور کب ہم تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟ تب بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا: میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تم نے میرے ان چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ ایسا کیا تو گویا میرے ساتھ ایسا کیا۔ پھر وہ بائیں طرف والوں سے بھی کہے گا: اے ملعونو! چلے جاؤ میرے پاس سے اس ابدی آگ میں جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے پناہ نہ دی ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قیدی تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ تب وہ بھی اسے جواب میں کہیں گے: اے خداوند! کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی؟ تب وہ انہیں جواب میں کہے گا: میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تم نے میرے ان چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ ایسا نہ کیا تو گویا میرے ساتھ بھی ایسا نہ کیا۔ پس یہ سب ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے اور نیکوکار ابدی زندگی میں۔" (آیت ۳۱ تا ۴۶)

قیامت، حساب آخرت، جنت اور دوزخ کا یہ وہ واحد تفصیلی نقشہ ہے جو موجودہ اناجیل میں ہمیں ملتا ہے۔ اسی عقیدے پر مسیحیت آج تک قائم ہے۔ یہ اقتباسات صرف اناجیل سے لیے گئے ہیں۔ باقی رہا معاملہ دوسری کتب و شروح کا۔ سو ان کی تفصیلات بیان کرنے کی یہاں بہرحال گنجائش نہیں ہے۔

اہلِ عرب اور عالمِ آخرت

آخر میں اب ہم اہلِ عرب کے تصورِ آخرت پر بحث کرتے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی کچھ آبادی موجود ہونے کے باوجود عالمِ آخرت کا تصور جزیرہ نمائے عرب میں مدتوں تک نہ پھیل سکا۔ حتیٰ کہ جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن کی دعوت لے کر آئے اس وقت تک عربوں میں عقیدۂ بعث بعد الموت کو کوئی قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ الٹا اہلِ عرب میں یہ عقیدہ اجنبیت ہی کا شکار رہا۔ اس کا ذکر قرآن نے خود کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ

(سورۃ السباء ۷-۸)

منکرین لوگوں سے کہتے ہیں ہم بتائیں تمہیں ایسا شخص جو خبر دیتا ہے کہ جب تمہارے جسم کا ذرہ ذرہ منتشر ہو چکا ہوگا اس وقت تم نئے سرے سے پیدا کر دیے جاؤ گے؟ نہ معلوم یہ شخص اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑتا ہے یا اسے جنون لاحق ہے؟"

قَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ

(سورۃ الجاثیہ ۲۴)

یہ لوگ (کافر) کہتے ہیں کہ "زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔" درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔"

قرآن کا نزول ۶۰۹ء میں شروع ہوا اور حالات و ظروف کے مطابق پورے ۲۳ سال میں مکمل ہوا۔ تاریخِ انسانیت کی اس مختصر سی مدت میں عربوں کے سامنے قرآن نے وقوعِ قیامت پر آفاق و انفس سے ایسے مؤثر اور دل نشین انداز میں ان گنت دلائل و شواہد پیش کیے اور احوالِ آخرت پر اتنی تفصیل سے روشنی ڈالی جس سے اُن کا قرنوں سے سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا۔ اور عالمِ آخرت کا تصور ان کے دل و دماغ میں ایسا راسخ ہوا جس سے ان کی اجتماعی زندگی میں ایک عظیم و ہمہ گیر

انقلاب برپا ہو گیا۔ عرب کے صحراؤں میں بسنے والے چرواہے اور گڈریے پوری نوعِ انسانی کے امام وپیشوا بن گئے۔ تہذیبِ انسانی جو صدیوں سے ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی اسے ایمان وایقان اور علم وعرفان کے نور سے منور کر دیا۔ یہ آخرت کی جواب دہی ہی کا احساس تھا کہ انھوں نے اپنے اندر صدیوں کی پروردہ برائیوں کو چھوڑ دیا اور نیکیاں اختیار کر لیں۔ یہ خوفِ آخرت ہی تھا کہ خلیفۂ وقت رات کو گلیوں اور بازاروں میں پھر کر خود لوگوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتا اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتا۔ قرآن کے پیش کردہ تصورِ آخرت سے اہلِ عرب میں جو انقلاب برپا ہوا اس کی تفصیلات بیان کرنے کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن نے اہلِ عرب کو تصورِ عالمِ آخرت کے بارے میں اس بام عروج پر پہنچا دیا۔ جہاں تک قدیم مصر میں ضمیرِ انسانی میں عقیدۂ آخرت کی تخم ریزی کے بعد سے لے کر پوری نوعِ انسانی پر اسلام کے سایہ فگن ہونے تک ساری تاریخِ انسانیت میں رسائی نہیں ہوئی۔ نہ جس کا جامع و واضح تصور ہی ذہنِ انسانی میں آیا۔ اس لیے قرآن میں جن مناظرِ قیامت کا ذکر آیا ہے ان کے بیان سے امید ہے اس بلندیٔ فکر کی وسعتوں کا اندازہ کرنا آسان ہو جائے گا جس پر اسلام نے اہلِ عرب کو پہنچایا ہے۔ کیونکہ عالمِ آخرت، جنت و دوزخ، عذاب و ثواب، مطلق عدلِ الٰہی اور وسیع رحمتِ ایزدی پر ان کا ایمان ایسی کامل و منقّی شکل میں ہے جو انسانیت کی گزشتہ طویل ترین تاریخ میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔

آئندہ صفحات میں ہم قرآن کے تصورِ آخرت پر روشنی ڈالیں گے۔

عالمِ آخرت

قرآن کی زبان میں

قرآن کے وہ مقامات جہاں مشاہدِ قیامت کا ذکر آیا ہے بلحاظ تصویر کشی ادبی شاہ پارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ مقامات ہیں جن پر خصوصیت کے ساتھ ان تمام پہلوؤں کا انطباق ہوتا ہے جن پر تفصیلی گفت گو میں اپنی کتاب "التصویر الفنّی فی القرآن" میں کر چکا ہوں۔ اور جن میں سے چند چیدہ چیدہ پہلوؤں کا ذکر میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں بھی کیا ہے۔

قرآن کی زبان میں "مشاہد قیامت" سے مراد زندگی بعد موت، محاسبۂ اعمال، جنت اور دوزخ ہے۔ قرآن نے اس دنیا کے بعد جس عالمِ آخرت کا لوگوں سے وعدہ کیا ہے اس کے محض ذکر پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اسے ایک محسوس زندہ و متحرک اور ابھرتی ہوئی نمایاں شکل میں پیش کر کے اس کی مکمل و مجسم تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے۔ مسلمانوں نے اس عالمِ آخرت میں اپنی زندگیاں پورے احساسات و جذبات کے ساتھ گزار دی ہیں۔ ان کی آنکھوں نے اس کے مناظر کو دیکھا ہے اور ان کے دل و دماغ نے ان سے گہرا اثر قبول کیا ہے۔ ان کے مشاہدہ سے ان کی قلبی کیفیات لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہی ہیں۔ کبھی ان کے دلوں پر گھبراہٹ اور کبھی ان کے جسموں پر کپکپی طاری ہوتی ہے۔ ایک گھڑی ان کے دلوں میں خوف و ہراس اور سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی ہے تو دوسرے لمحے وہ لذّت آشنائے سکون و اطمینان ہوئے ہیں۔ کبھی دوزخ کی آگ کی لپٹوں سے ان کے جسم جھلس گئے ہیں اور کبھی نسیمِ بہشت کی تھپ تھپاہٹ سے انہیں راحت و آسودگی حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح گویا انھوں نے اس مقررہ دن کی آمد سے قبل ہی اپنے شب و روز اس حیات دوام کی روح فرسا سختی اور لذت افزا راحت سے پوری طرح آشنا رہ کر گزارے ہیں۔

یہ عالمِ آخرت بڑا وسیع و عریض ہے۔ اس کی وسعت و کشادگی ایسی ہی ہے جیسی عقیدۂ اسلامی میں وضاحت و صراحت یعنی موت، موت کے بعد دوبارہ زندگی پھر جنت و دوزخ۔ وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور عملی زندگی میں نیکی کی روش اختیار کریں گے ان کے لیے جنت ہوگی جس میں انہیں لازوال ابدی نعمت نصیب ہوگی۔ دوسری طرف وہ لوگ جو کفر و انکار کی راہ چلیں گے۔ اور دربارِ الٰہی میں اپنی حاضری کو جھٹلائیں گے ان کے لیے دوزخ کی آگ ہوگی جو ابدی عذاب کی ایک شکل ہے۔ نہ وہاں کوئی سفارش کام آئے گی، نہ فدیہ دے کر عذاب سے چھٹکارا ہوگا، نہ باریک تول والی میزانِ عدل میں بال برابر بھی کوئی فرق ہوگا۔ اعمال کا تول پورا پورا ہوگا۔ ہر ایک کو اپنے کیے

پوری جزا ملے گی۔ جو شخص اس دنیا میں ذرہ بھر نیکی کرے گا وہاں اس کا بدلہ پائے گا۔ اور جو شخص اس دنیا میں ذرہ بھر برائی کرے گا وہاں اس کی سزا پائے گا۔ وہ دن ایک ایسا دن ہوگا کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی جگہ بدلہ پائے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی جگہ جزا۔

لیکن قرآن کی بیان کردہ یہ کھلی اور واشگاف حقیقت مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے اس کی چھاپ ایک ایسے عالم پر لگی ہوئی ہے جو انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی، ٹھوس اور جان دار مناظر پر مشتمل ہے۔ یہ مختلف اوضاع اور مختلف پہلوؤں کے حامل معاشروں میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ قرآن کا اندازِ بیان اتنا جامع اور سحر انگیز ہے کہ جب تعذیب خانوں کا ذکر ہوتا ہے تو اس عجیب و غریب انداز میں کہ کانوں سے سُن کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ اور قوتِ متخیلہ اس کی تائید کرتی ہے۔ اور جب راحت بخش قیام گاہوں اور ٹھنڈے اور گھنے سایوں کا ذکر ہوتا ہے تو قوت احساس و ادراک پر حالتِ محویت و استغراق طاری ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ قرآن میں اس ادبی فراوانی اور فنی کمال کے ایسے صفحات پر صفحات وقف ہوتے چلے جاتے ہیں جن کی حیثیت بالکل منفرد قسم کی ہے۔ دنیا کے ادبی سرمائے میں نہ ان کی کوئی نظیر ہے نہ مثال۔

کلامِ الٰہی اور مناظرِ قیامت

زندہ و جاندار مناظر

عالمِ آخرت کے جو پہلو اور جو صورتیں بھی ہم آگے تفصیل سے بیان کریں گے ان کی ایک قدر مشترک ہے جو سب میں موجود ہے وہ یہ کہ یہ مناظر جاندار ہیں اور زندوں کی اس دنیا سے بالکل علیحدہ ہیں۔ یہ خالی رنگ و روغن اور بے جان نقش و نگار کا مجموعہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایسے مناظر ہیں جن میں دُوریاں اور مسافتیں وجدان و شعور، تخیل و ادراک اور قلب و نظر سے ناپی جا سکتی ہیں۔ چہروں کے خد و خال اور ہاتھ پاؤں نگاہوں کے سامنے متجسم ہوتے اور زندہ نفوس انسانیت میں یا ایسے اشخاص میں جن پر حیاتِ طبیعی اپنا جامہ پہنا دیتی ہے محوِ کار دکھائی دیتے ہیں۔ پھر یہ مجسّم چیزیں اور علاماتِ ہستی مختلف مناظر میں متفرق طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن ان سب میں موجود اس بنیادی اور جامع حقیقت سے کوئی چیز بھی خالی نہیں ہوتی۔

دنیا و آخرت کا یک جا مشاہدہ

اسی طرح ایک دوسری حقیقت بھی ان سب مناظر میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ آج بھی موجود ہے جیسے کہ آنکھ دیکھتی اور دل محسوس کرتا ہے۔ وہ یہ کہ دونوں جہانوں کے درمیان طول طویل فاصلہ

حقیقت میں بالکل مختصر ہے۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ بعض اوقات ان میں سرے سے کوئی فاصلہ ہے ہی نہیں۔ یہی نہیں بلکہ اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ "آخرت" تو بالکل آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور یہ "دنیا" ایک قصۂ پارینہ ہے جو زبان زدِ عوام ہے۔ یا محض یادوں کے سپنے ہیں جو یک لحظہ نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں اور دل و دماغ پر ایک خفیف سا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ چیز ان مشاہد کو نفسِ انسانی میں زندۂ جاوید رکھتی، اور اِک وحس پر ان کے نقش کو گہرا کرتی اور مختلف ذرائع سے ان کے مجسم وجود کو متحقق کرتی ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ہم یہاں اجمالی طور پر کرتے ہیں۔

کبھی ایک منظر کا آغاز اس دنیوی زندگی میں ہوتا ہے اور اختتام حیاتِ اُخروی میں۔ دونوں کے درمیان نہ کوئی وقفہ ہوتا ہے اور نہ کوئی حدِّ فاصل۔ بس یوں لگتا ہے کہ انجام آغاز کے بالکل نزدیک ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پوری نوعِ انسانی حیرت انگیز زقند لگا کر اپنا طویل سفر ایک مشہد پر جا کر قطع کر دیتی ہے۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ (الدھر ۱-۶)

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔ کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔ نیک لوگ (جنت میں) شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی، یہ ایک بہتا چشمہ ہوگا جس کے پانی کے ساتھ اللہ کے بندے شراب پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بسہولت اس کی شاخیں نکال لیں گے۔

غرضیکہ خدا کا کلام جوں جوں آگے بڑھتا ہے جنت و دوزخ کا مکمل نقشہ کھینچتا چلا جاتا ہے اور آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ دنیوی زندگی سے اُخروی زندگی تک کا طول طویل سفر آپ نے چند ساعتوں میں طے کر لیا ہے۔ اس سفر کی ابتدا تخلیقِ انسان سے پہلے کے دور سے ہوتی ہے جبکہ خود انسان کا سرے سے کوئی قابلِ ذکر وجود نہ تھا۔ اور اس کی انتہا جنت و دوزخ میں جا کر

ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کی ان کڑیوں کو ذرا تصور میں لائیے: تخلیقِ انسان — آزمائش نیک و بد — آزمائش کے لیے سمع و بصر اور راہِ حق کی طرف ہدایت — ردِ عملی: قبولِ حق اور انکارِ حق — انجامِ انکارِ حق: طوق و سلاسل، آتشِ جہنم، عذاب و عقاب — انعام قبولِ حق: دَورِ قدح، شربِ مدام، نشاط و سرور، جزاء و ثواب — اللہ اللہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان چند مختصر سے فقروں میں پوری کی پوری حیاتِ بشری سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

کبھی دنیا و آخرت دونوں بیک وقت نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ایک گروہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عذاب کے جلدی آنے کا تقاضا کرتا ہے کہ اچانک وہ دوزخ کی گرفت میں ہوتا ہے۔

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ	یہ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں،
إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (العنکبوت ۵۴)	حالانکہ جہنم ان کافروں کو گھیرے میں لے چکی ہے۔

اس کے لیے کسی تقاضے کی کیا ضرورت — ؟

قیامت میں فرعون کی قیادت

کبھی کلامِ الٰہی کا آغاز ایک ایسے قصے سے ہوتا ہے جو اس دنیا میں واقع ہوا تھا۔ بعد ازاں جب اس کا بقیہ حصہ بیان ہوتا ہے تو ہم اپنے آپ کو عالمِ آخرت میں موجود پاتے ہیں۔ فرعون کو لیجیے۔ اس دنیا میں وہ اپنی قوم کی رہنمائی کرتا ہے۔ پھر یہ جادۂ حیات طے کرتا ہوا عالمِ فنا سے عالمِ بقا میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ دوزخ میں پہنچ کر بھی وہ ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ (ھود: ۹٦ - ۹۸)	"اور موسیٰؑ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سندِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔ مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی۔ حالاں کہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انہیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جائے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے!"

نظامِ کائنات اور فیصلے کا دن

کبھی قرآن اس دنیا کے مناظر اور آخرت کے مشاہد کو باہم ملا کر ایک ہی پیرائے میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ گویا فی الوقت وہ دونوں ہی موجود ہیں اور ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے چلے جا رہے ہیں۔

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ إِلَىٰ قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ انْطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝ انْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۝ لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ۝ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

(المرسلات ۸-۳۴)

پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا، اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے، اور رسولوں کی حاضری کا وقت آ پہنچے گا (اس روز وہ چیز واقع ہو جائے گی) کس روز کے لیے یہ کام اٹھا رکھا گیا ہے؟ فیصلے کے روز کے لیے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ وہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ پھر انہی کے پیچھے ہم بعد والوں کو چلتا کریں گے۔ مجرموں کے ساتھ ہم یہی کچھ کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ ٹھہرائے رکھا؟ تو دیکھو ہم اس پہ قادر تھے، پس ہم بہت اچھی قدرت رکھنے والے ہیں۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا۔ زندوں کے لیے بھی اور مُردوں کے لیے بھی، اور اس میں بلند و بالا پہاڑ جمائے، اور تمہیں میٹھا پانی پلایا؟ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ چلو اب اسی چیز کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو اس سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، نہ ٹھنڈک پہنچانے والا اور نہ آگ کی لپیٹ سے بچانے والا۔ وہ آگ محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی (جو اچھلتی ہوئی یوں محسوس ہوں گی) گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔

دربارِ الٰہی میں پیشی کبھی کلام خبر سے انشا اور محض ذکر سے خطاب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور آپ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ گویا ایک مشہد آنکھوں کے سامنے ہے جس میں باہم گفتگو ہو رہی ہے یا مکالمہ جاری ہے۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ "پھر دیکھو، وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۝ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ۝ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۨ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ۝

(ق: ۱۹ - ۲۶)

چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا" اور پھر صُور پھونکا گیا۔ "یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اس حال میں آگیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔ اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا۔ ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہُوا تھا۔ اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔ اس کے ساتھی نے عرض کیا" یہ جو میری سپردگی میں تھا حاضر ہے" حکم دیا گیا" پھینک دو جہنم میں ہر کٹّے کافر کو جو حق سے عناد رکھتا تھا خیر کو روکنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔ شک میں پڑا ہُوا تھا اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ ڈال دو اسے سخت عذاب میں۔"

آخرت کا آنکھوں دیکھا حال

کبھی قرآن اس "دنیا" کا ذکر اس انداز میں کرتا ہے کہ جیسے زمانۂ ماضی کی کوئی بات ہو جو گزر گئی ہو، اور "آخرت" کا اس انداز میں کہ جیسے وہ آنکھوں دیکھا حال ہو جو اب بھی آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝

(الزمر: ۷۱)

(اس فیصلہ کے بعد) وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا تھا جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے کارندے ان سے کہیں گے "کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جنہوں نے تم کو تمہارے رب کی آیات سنائی ہوں۔ اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمہیں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا؟" وہ جواب دیں گے "ہاں! آئے تھے۔ مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پہ چپک گیا۔"

قرآن میں ایک ہی پہلو کی تعبیر کے یہ مختلف انداز ملتے ہیں۔ یعنی یہ کہ کسی منظر کو نگاہوں کے سامنے اِس طرح مستحضر بھی کیا جائے اور اُسے ایسی زندگی بھی عطا کی جائے کہ گویا وہ نظر بھی آئے اور محسوس بھی ہو۔ بلاشک یہ اندازِ بیان دلوں میں بہت اثر پیدا کرنے والا ہے۔

الفاظِ قرآن اور مناظرِ قیامت میں باہمی موزونیت

ان مشاہد میں ایک تیسری خصوصیت جو قرآن کے بیان کردہ تمام مناظر و مشاہد میں موجود ہے وہ "تناسق" ہے۔ یعنی قرآن کے

الفاظ میں سجع Rhyme اور تصویر کشی میں نظم و ترتیب Symmetry

اس خصوصیت کے بیان میں میں نے اپنی کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" میں ایک علیحدہ طویل فصل مختص کی ہے۔ اور جو کچھ میں نے وہاں بیان کیا ہے وہ سب مشاہدِ قیامت پر پوری طرح منطبق ہو جاتا ہے۔ اس نظم و ترتیب کی ایک جھلک اوّلاً کسی منظر کی ظاہری جزئیات میں نظر آتی ہے۔ جس سے تمام جزئیات ایک متعین ترتیب میں مرتب دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں بعض ایک دوسری سے کسی قدر مماثلت یا مشابہت یا کسی پہلو میں توافق و تقابل کا رنگ لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ لیکن سب کی سب تماثل و تشابہ اور توافق و تقابل کے ایک دائرے کے اندر رہتی ہیں کہ نہ تو کوئی اس کے محیط سے باہر نکلتی اور نہ اس کے مرکز سے جدا ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ ہم آہنگی اور موزونیت الفاظ کی سُروں میں دکھائی دیتی ہے۔ سُروں کا یہ زیر و بم بعض اوقات مدعائے کلام کی ظاہری صورت کی نشان دہی کرتا ہے اور دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر فضائے بسیط میں پھیلنے والے ترنم میں ایک ایسا وزن اور موزونیت Harmony پیدا کر دیتا ہے جو ہر حالت میں منظر کے پورے ماحول Atmosphere سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس طرح الفاظ سے پیدا ہونے والی موسیقی منظر کی پوری فضا پر چھا جاتی اور اس کے ماحول سے پوری مناسبت رکھتی ہے۔ چنانچہ منظر کے عمومی مقصد کی تصویر کشی میں الفاظ کے ساتھ یہ موسیقی بھی شامل ہوتی ہے۔ تیسرے یہ تناسق منظر کے پورے پلیٹ فارم میں ـــــ اس کے الفاظ، اس کے معانی، اس کی آواز اور اس کی گونج اور سُریں ـــــ اس کے اس سیاق و سباق کے اندر جس میں اس کا ذکر ہو جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ خواہ یہ منظر کسی دلیل و برہان کے آغاز یا خاتمے کے طور پر بیان ہوا ہو یا کسی معاملے کی تاکید کے لیے یا محض تقویت ایمان کے لیے مذکور ہو۔ دراصل قرآن میں بیان کردہ تمام مناظر کی اولین غرض و غایت کسی نہ کسی دینی مقصد کی وضاحت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد انسان کے وجدان کی بیداری ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بیداری فنی شعور اور ادبی ذوق میں جلا پیدا کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

تناسق کے ان مختلف پہلوؤں کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے اتنی ہی بڑی فصل درکار ہے جتنی بڑی فصل اسی مقصد کے لیے میری کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" میں مختص ہے۔ اس لیے ہم یہاں اختصار کی خاطر صرف اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اس کتاب میں اصل مشاہدِ قیامت کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہاں ہم نے ان میں سے بعض پہلوؤں

کا ذکر محض اس لیے کیا ہے کہ موقع و محل کے لحاظ سے تناسق کی کچھ وضاحت ہو جائے۔

ہم نے یہاں بالخصوص "بعض پہلوؤں" کے بیان کا ذکر کیا ہے سب کا نہیں۔ اور یہ بعض پہلو بھی تناسق کی مثال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ اگر آپ ہر مشہد میں موجود "تناسق کے جملہ پہلوؤں کا استقصاء کریں تو کتاب کی ضخامت میں بھی اضافہ ہو جائے اور کسی حد تک تکرار بھی پیدا ہو۔ امید ہے کہ ان چند تفصیلی مثالوں کے مطالعہ کے بعد قارئین کے لیے بغیر کسی دقت و دشواری کے تناسق کے جملہ پہلوؤں پر ان کو منطبق کرنا آسان ہو جائے گا۔

روزِ قیامت اور اس کی ہولناکی

ان مشاہد کا ایک اہم مقصد قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی منظر کشی ہے۔ وہ ہولناکیاں کہ جن کی وجہ سے کائنات کا ذرہ ذرہ لرزہ بر اندام ہوگا۔ نوعِ انسانیت پر عالمِ سراسیمگی طاری ہوگا اور مارے خوف کے وہ کانپ رہی ہوگی۔ قریب قریب کوئی ایک منظر بھی ایسا نہیں جس میں سب زندہ نفوس شامل نہ ہوں۔ خوف و دہشت کی وجہ سے کائنات اور فطرت کی کوئی علیحدہ حیثیت نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ اس میں کسی نہ کسی نوع کی زندگی کے آثار موجود ہوں۔ کسی منظر میں نمودار ہونے والے وجود کبھی تو جملہ افرادِ فطرت ہوتے ہیں اور کبھی یہ پوری نوعِ انسانی کے گوش بر آواز و نگاہ بر انجام، نفوس یا انواع و اقسام کی حیوانی مخلوقات ـــــ اور کبھی میدانِ حشر میں یہ بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی۔ پھر کسی وقت یہ افرادِ ہستی خاموش فطرت کی شکل میں، کبھی بے زبان حیوان کی صورت میں اور کبھی انسان کی حیثیت میں برابر نمودار ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝١٠ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝١٤

(التکویر ۱-۱۴)

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری

گئی ہ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جب جہنم دھکائی جائے گی اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

غرضیکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ارض وسما، انس وحیوان، خورد و کلاں، جنت و دوزخ سب پر خوف و دہشت کا عالم طاری ہوگا اور سب کے سب گھبراہٹ اور انتظار میں ہوں گے کہ دیکھیے انجام کیا ہونے والا ہے؟

کبھی صرف مظاہر فطرت کے مناظر ہی نگاہوں کے سامنے نمودار ہوتے ہیں اور ماحول کی ہولناکی پوری فضا میں ہیجان وارتعاش پیدا کر دیتی ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا ۝٦
(الواقعہ ۱-۶)

جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا تو کوئی اس کے وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ وہ تہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی۔ زمین اس وقت یک بارگی ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے کہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔

انسان کی بے بسی اور وارفتگی

قیامت کے روز خوف و دہشت کے مارے انسان ایسا حواس باختہ ہوگا کہ اسے کسی کی سدھ بدھ نہ رہے گی۔ حتیٰ کہ اسے اپنے ماں باپ اور اپنے اہل وعیال تک بھول جائیں گے۔ قرآن نے اس کیفیت کی ایسی عکاسی کی ہے کہ دیکھ کر قلب و روح پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝٣٤ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝٣٥ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝٣٦ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝٣٧
(عبس ۳۴-۳۷)

اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝١ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝٢
(الحج ۱-۲)

لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔

مرمٹنے کی حسرت

جب زندگی کا پورا کارنامہ کھلی کتاب کی طرح ہر شخص کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور اتمامِ حجت کے طور پر انبیاء کی شہادت ہو جائے گی تو خدا کے نافرمان، سرکش و باغی یہ حسرت کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دھنس جائیں:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾ (النسآء ۴۱-۴۲)

پھر سوچو کہ اس وقت وہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور ان لوگوں پر تمہیں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

مظاہرِ قدرت پر ہولناکی کا عالم

کبھی قیامت کے زبردست ہولناک منظر میں انسانی افراد کے ساتھ ساتھ مظاہرِ قدرت بھی برابر کے شریک نظر آتے ہیں:

الْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿٤﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿٥﴾ (القارعہ ۱-۵)

عظیم حادثہ! کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ (المزمل ۱۴-۱۸)

یہ اس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔ تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔

روزِ قیامت اور میدانِ حشر

ان مشاہد کا ایک مقصد جنت و دوزخ سے پہلے میدانِ حشر کی منظر کشی بھی ہے۔ یہاں ہم

دیکھیں گے کہ اس وقت انسانوں پر گزرنے والے جاں گسل حالات و کیفیات پیش کرنے کے لیے قرآن میں بہت سے پیرایہ ہائے بیان اختیار کیے گئے ہیں۔ اور محشر کا پورا سماں کئی پہلوؤں سے نگاہوں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ کبھی نامۂ اعمال کی پیشی اور حساب کتاب کا منظر اتنا طویل نظر آتا ہے کہ آپ اسے دائمی سمجھنے لگتے ہیں۔ اور کبھی وہ آنکھ جھپکنے میں اس سرعت سے گزر جاتا ہے کہ آنکھوں کو سیری تک حاصل نہیں ہوتی۔ کہاں یہ طرزِ انشاء اختیار کیا جائے اور کہاں وہ، اس بات کا تقاضا اور فیصلہ فنی اصولوں کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے جو نفسیاتی اور شعوری بنیادوں پر قائم ہیں۔ نیز اس امر کا تعین کہ کسی منظر کی طوالت یا اختصار کی حدود کیا ہیں یا یہ کہ کہاں جا کر طوالت کو اختصار میں یا اختصار کو طوالت میں بدلنا ہے، میدانِ حشر کی طبعی فضا اور فطرتی ماحول پر موقوف ہے۔ اس طرح یہ اندازِ بیان بھی ایک دینی مقصد کی تکمیل میں بہت مفید و معاون ثابت ہوتا ہے۔

روزِ قیامت ——— مجرمین کی باہمی تکرار

جب کسی منظر کو طوالت کے ساتھ پیش کرنا مقصود ہوتا ہے تو قرآن اُسے یوں پیش کرتا ہے:

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ؀ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀

(ابراہیم ۲۱-۲۲)

اور یہ لوگ جب اکٹھے اللہ کے سامنے بے نقاب ہوں گے تو اس وقت ان میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے "دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے۔ اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتے ہو؟" وہ جواب دیں گے "اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے، اب تو یکساں ہے خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر، بہرحال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔" اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔"

سیاہ بختی پر حسرت و ندامت

ایک دوسرے مقام پر قیامت کے روز آدمی کی سیاہ بختی پہ یوں روشنی ڈالی گئی ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾

(الفرقان ۲۷-۲۹)

اور اس روز ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا "کاش! میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکائے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی" شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا۔

نافرمانیوں کا اعتراف

پھر انسان کی نافرمانیوں پر اس کا اعتراف ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾

(المدثر ۳۸-۴۷)

ہر متنفس اپنے کسب کے بدلے رہن ہے، دائیں بازو والوں کے سوا، جو جنتیوں میں ہوں گے۔ وہاں وہ مجرموں سے پوچھیں گے "تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟" وہ کہیں گے "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے، اور روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا"

الغرض ان تینوں مناظر میں موقع و محل کی مناسبت سے واقعاتِ قیامت کا علیحدہ علیحدہ نقشہ کھینچا گیا ہے پہلے منظر میں قیامت کے روز مجرمین کے باہمی جھگڑے اور مکالمے کی تصویر ہے دوسرے میں اپنی سیاہ بختی اور گمراہی پر حسرت و ندامت اور تیسرے میں اپنی نافرمانیوں کا طویل اعتراف و اقرار۔ یہاں اندازِ بیان میں طوالت ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر منظر اور ہر موقف تاثیر و تاثر میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کے لیے مہلت اور طوالت کا تقاضا کرتا ہے۔

اعمال کی جزا اور مجرموں کی پہچان

اور کبھی قرآن کسی منظر کو اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں نگاہوں کے سامنے نظر آئے اور گزر جائے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ

اور ہر متنفس کو جو کچھ بھی اس نے عمل کیا تھا اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائیگا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں

أَعۡلَمُ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ۝ (الزمر ۷۰) — اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَلَآ أَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ۝ (المؤمنون ۱۰۱) — پھر جونہی کہ صور پھونک دیا گیا انکے درمیان پھر کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ فَيُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِيۡ وَالۡأَقۡدَامِ ۝ (الرحمٰن ۴۱) — مجرم وہاں اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔

مختلف مقامات میں موقع و محل کے لحاظ سے اختصار کے اسباب بھی مختلف ہیں کبھی اختصار کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مقام سکوت و سکون، رعب و جلال یا عجز و نیاز کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کے ردّ و قبول اور بحث و استدلال کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ کہیں بات میں یک بارگی اور اچانک انقطاع و انفصال مقصود ہوتا ہے۔ بس ایک بات کا ذکر ہوتا ہے کہ اچانک اس کے بعد ساری بحث ختم ہو جاتی ہے۔ اور کبھی مراد چونکہ پوری طرح واضح ہوتی ہے اس لیے مزید کسی بحث و تکرار اور کلام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ان مختلف مقاصد میں سے چند ایک ہیں جو کسی منظر کے اختصار اور دفعتہً نظر آ کر بسرعت گزر جانے کا باعث بنتے ہیں۔

قیامت اور عذاب و ثواب

ان مناظر کا ایک مقصد زندگی بعد موت اور حساب و کتاب کے بعد جنت و دوزخ کی عکاسی ہے یہ مناظر کبھی تو جنت و دوزخ دونوں کو مادی شکل میں پیش کرتے ہیں کہ جنہیں قوتِ حاسہ لمس سے محسوس کرتی ہے اور کبھی معنوی صورت میں پیش کرتے ہیں جس کا ادراک انسان کا نفس ناطقہ ہی کر سکتا ہے اور کبھی یہ دونوں صورتیں یک جا ہو جاتی ہیں۔

دوزخ میں جسموں کو داغا جائے گا

چنانچہ ٹھوس مادی شکل میں عذاب کا بیان اس صورت میں ہوتا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ أَلِيۡمٍ ۝ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِيۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِأَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ۝

دردناک سزا کی خوش خبری دو ان کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے اُن لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا — "یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے

(توبہ ۳۴-۳۵) جمع کیا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔"

یہاں راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کا حشر چشمِ تصور کے سامنے آ گیا ہے۔ وہ مال و دولت جسے وہ دنیا میں سونے چاندی کی شکل میں جمع کرتے رہے تھے آج اسے دوزخ کی آگ میں سُرخ کر کے ان کے اعضاء و جوارح کو داغا جا رہا ہے اور استہزاءً یہ کہا جا رہا ہے "لو یہ ہے تمہارا وہ خزانہ جسے تم دنیوی زندگی میں جمع کرتے رہے تھے آج ذرا اس کا مزہ چکھو۔"

دوزخیوں کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ایک دوسرے مقام پر مجسّم عذاب کی یوں عکاسی کی گئی ہے۔

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ۡ فَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ﴿۱۹﴾ یُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَ الۡجُلُوۡدُ ؕ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِیۡدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا ٭ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۲۲﴾

(الحج ۱۹-۲۲)

یہ دو فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے اور ان کی خبر لینے کے لیے لوہے کے گُرز ہوں گے۔ جب کبھی وہ گھبرا کر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ کہ چکھو اب جلنے کی سزا کا مزہ۔

منکرینِ حق کو دوزخ میں برہنہ جسم یوں ڈال دیا گیا ہے کہ اب آتشِ دوزخ ہی ان کے جسم کے گرد لپٹ کر ان کا لباس بن گئی ہے۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جا رہا ہے جو ان کے دماغ اور قلب و جگر اور امعاء و جلود کو گھلائے جا رہا ہے۔ جب بھی وہ اس ناقابلِ برداشت و رُوح فرسا تکلیف سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوہے کے گُرز مار مار کر انہیں دوبارہ وہیں دھکیل دیا جاتا ہے اور ان کی خبر لینے والے دوزخ کے کارندے انہیں جھڑک کر یوں مخاطب ہوتے ہیں: "اونہوں! اپنے جسم و روح کے جلنے کا مزہ یہیں چکھو۔ نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہیں۔" اُف! کتنا دردناک منظر ہے!

اہلِ جنّت کے لیے عیش و بہار اسی طرح ٹھوس مادی نعمتیں مجسّم صورت میں اس طرح بیان کی گئی ہیں:

وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ﴿ؕ۲۷﴾ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ﴿ۙ۲۸﴾ وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿ۙ۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿ۙ۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ﴿ۙ۳۱﴾

اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا! وہ بے خار بیریوں اور تہہ بر تہہ چڑھے ہوئے کیلوں، اور دُور تک پھیلی ہوئی چھاؤں اور ہر دم رواں

وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ (الواقعہ ۲۷-۳۸)

پانی، اور کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں اور اونچی نشست گاہوں میں ہوں گے۔ ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے اپنے شوہروں کی عاشق اور عمر میں ہم سن۔

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ (ص ۴۹-۵۳)

(اب سنو کہ متقی لوگوں کے لیے یقیناً بہترین ٹھکانا ہے ہمیشہ رہنے والی جنتیں، جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ خوب خوب فواکہ اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔ اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن بیویاں ہوں گی ــــ "یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے"۔

سبحان اللہ! کتنا دلکش اور پُربہار منظر ہے۔ اس حیاتِ ناپائیدار میں انسان اس سے بہتر عیش و آرام اور اس سے زیادہ پُرلطف و پُربہار زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ آنکھیں بند کر کے ذرا چشمِ تصور کو وا کیجئے۔ کیا عجب بہار ہے۔ وسیع باغات ہیں جن میں کبھی ختم نہ ہونے والے پھلوں سے لدے ہوئے درخت ہیں جن کے بیچوں بیچ ہر دم رواں پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں ان چشموں کے کنارے درختوں کے گھنے ٹھنڈے سائے میں نہایت حسین و جمیل ہم عمر نوجوان اور باحیا بیویوں کی معیت میں اونچی نشست گاہوں پر گاؤ تکیے لگائے اہلِ جنت فروکش ہیں جی بھر کر قسم ہا قسم کے پھلوں اور شرابِ طہور سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور بار بار طلب کر رہے ہیں" بھئی اور لاؤ! ضیافت کی یہی تو وہ چیزیں ہیں جو آج کے دن تمہیں مہیا کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا،" جواب میں کہا جاتا ہے۔

یہ ہے جنت کی وہ ابدی نعمت، جس سے انسان کے کام و دہن لذت اندوز ہوں گے اور جسے یہاں محسوس و مجسم شکل میں لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔

غور سے دیکھیں تو جنت و دوزخ دونوں نہایت لطیف و عمیق ہیں۔ یہاں تک کہ دونوں نہایت لطیف روحانی سانچے سے معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں نفوسِ انسانی بالکل منفرد شکلیں اختیار کر جاتے ہیں یا یوں کہیئے کہ ان کے چہروں پہ کوئی عجیب و غریب قسم کی پرچھائیں پڑی ہے قرآن نے اس کیفیت کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے۔

اہلِ جنت کی باہم دوستی : جنت کی تصویر ان الفاظ میں :۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ (مریم - ۹۶)

یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں۔ عنقریب رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ (النساء ۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

اہلِ دوزخ کی حسرت : اور عذاب دوزخ کے بارے میں

إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾ (النباء ۴۰)

بے شک ہم نے تو تم کو ایک ایسے عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب ہی آنے والا ہے۔ جس دن ہر ایک آدمی اپنے ان اعمال کو نامۂ اعمال میں لکھا ہوا دیکھ لے گا جو اس نے دنیا میں اپنے ہاتھ سے کیئے تھے اور کافر حسرت سے کہے گا "اے کاش! میں مرنے کے بعد ہو گیا ہوتا مٹی!"

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ (الانعام ۳۰)

کاش! وہ منظر تم دیکھ سکو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اس وقت ان کا رب ان سے پوچھے گا "کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" یہ کہیں گے" ہاں! اے ہمارے رب! یہ حقیقت ہی ہے!" وہ فرمائے گا "اچھا! تو اب اپنے انکارِ حقیقت کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔"

الغرض ان سب مشاہد میں جنت و دوزخ کا نقشہ انسان کے قلب و ضمیر میں ایک طرح کی بے آمیز مسرت و اطمینان اور محبت یا بے عمل ملامت و رسوائی اور نفرت کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مظاہر جنت یا مظاہر دوزخ میں باہم امتزاج پیدا ہو جاتا ہے اس طرح ان کا تاثر دوہرا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جنت یا دوزخ کے ٹھوس مادی وجود سے جسمانی راحت و تکلیف کے ساتھ ساتھ روحانی آسودگی اور روحانی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے۔ جنت و دوزخ کے مظاہر میں یہ رنگ غالب ہے۔ چند مثالیں حاضر ہیں:

قربِ شہنشاہِ عالم و پُرکیف زندگی : جنت کے بارے میں :

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾ (القمر ۵۴-۵۵)

نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب!

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰسین ۵۵ - ۵۸)

آج جنّتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ، ہر قسم کی لذیذ چیزیں کھانے پینے کو ان کے لیے وہاں موجود ہیں۔ جو کچھ وہ طلب کریں ان کے لیے حاضر ہے۔ رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ (الحدید ۱۲)

اس دن جبکہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا ان سے کہا جائے گا کہ "آج بشارت ہے تمہارے لیے" ان کے لیے جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

دوزخیوں کی ضیافت : اور دوزخ کے سلسلے میں قرآن کا بیان یہ ہے :

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْیِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ (الدخان ۴۳ - ۵۰)

زقوم کا درخت گنہ گار کا کھاجا ہوگا۔ تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ "پکڑو اسے اور رگیدتے ہوئے لے جاؤ اس کو جہنم کے بیچوں بیچ اور انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب۔" "چکھ اس کا مزا۔ بڑا زبردست عزت دار آدمی ہے تو۔" یہ وہی چیز تو ہے جس کے آنے میں تم لوگ شک رکھتے تھے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الطور ۱۳ - ۱۵)

جس دن انہیں دھکے مار مار کر نارِ جہنم کی طرف لے چلا جائے گا اس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ "یہ وہی آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھ نہیں رہا ہے۔"

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ۚ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۚ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (فاطر ۳۶ - ۳۷)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کا قصہ پاک کر دیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ ان کے لیے جہنم کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر اس شخص کو جو کفر کرنے والا ہو۔ وہ وہاں چیخ چیخ کر کہیں گے "اے ہمارے رب ! ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں ان اعمال سے مختلف

جو پہلے کرتے رہے تھے ؟ انہیں جواب دیا جائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا ؟ اور تمہارے پاس متنبہ کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مزا چکھو۔ ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔"

اس طرح کلامِ الٰہی میں جنت کی مادی نعمتوں کے ساتھ ساتھ روحانی عزت و تکریم کا رنگ اور دوزخ کے محسوس عذاب کے ساتھ روحانی رسوائی کی جھلک بھی موجود ہے۔ اس سے جسم و روح پر دونوں طرح کے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ جنت کی نعمتوں کا احساس بھی اسی طرح دوہرا ہوتا ہے جس طرح دوزخ کی تکلیف کا احساس دوہرا محسوس ہوتا ہے۔

اس طرزِ کلام میں جب جنت و دوزخ کا ذکر ایک مجسم تصویر کی شکل میں ہوتا ہے۔ تو پردۂ تصوّر پر اس کے کئی پہلو نمایاں ہوجاتے ہیں جو جنت کے ابدی کیف و سرور اور دوزخ کے دائمی کرب و بلا کا یکساں احساس دلاتے ہیں۔ اگرچہ فی الواقع نہ اُس کو جنت کہا جا سکتا ہے اور نہ اِس کو دوزخ۔

اہلِ جنّت کا شکر و سپاس

جب مومنین صالحین اپنی توقع سے بڑھ کر اللہ کی طرف سے انعام و اکرام اور قدر افزائی کا مشاہدہ کریں گے تو بارگاہِ ربِ ذوالجلال میں ان کی زبان پر شکر و سپاس کے یہ الفاظ جاری ہو جائیں گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝

(فاطر ۳۴-۳۵)

اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا، یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا، اب یہاں نہ ہمیں کوئی مشقت پیش آتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے

ان الفاظ سے آپ خنکیٔ راحت، لذتِ نعمت، فرحتِ اطمینان اور سکونِ قلب محسوس کریں گے۔

اہلِ دوزخ کی بیچارگی اور فریاد

اسی طرح دوزخ کے عذاب سے تنگ آکر جب دوزخی داروغۂ جہنم سے التجا کریں گے تو جہنم کی دیواروں کے پیچھے سے ان کی یہ پکار آپ کے کانوں میں پڑے گی۔

يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ الزخرف ۷۷۔

"اے مالک (داروغۂ جہنم) تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تو اچھا ہے" وہ جواب دے گا "تم یوں ہی پڑے رہو گے۔"

ان الفاظ سے آپ کو سینے کی گھٹن، عذاب کی تکلیف اور آتشِ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی لپٹوں کا احساس ہوگا۔ خواہ دوزخ کی ظاہری کیفیت کے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہ بتایا گیا ہو۔

اسی طرح کفر و انکار کی راہ چلنے والوں اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کی حسرت بھری آرزو آپ کو ان الفاظ میں ملے گی۔

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ۔ (النساء ۴۲)

اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی بات مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔

ان الفاظ کے کانوں میں پڑتے ہی آپ کی آنکھوں کے سامنے ایسے عکس گردش کرنے لگیں گے جو آمنا سامنا ہوتے ہی کھلی کھلی رسوائی اور ندامت کا باعث ہوں گے۔ ایسی رسوائی جو انسان کے لیے روح کُش اور ایسی ندامت جو اس کے لیے پیغامِ موت ہوگی۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ہر گروہِ انسانی میں سے ان کی نافرمانیوں پر گواہ طلب کیے جائیں گے۔ اور رسول بذاتِ خود منکرینِ حق اور نافرمانوں پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۔ (الانعام - ۱۶)

اس دن جو سزا سے بچ گیا اس پر اللہ نے بڑا ہی رحم کیا۔

گویا آپ کے سامنے عذابِ آخرت کی ہولناکی یوں مرتسم ہوگی کہ محض اس کا ہٹ جانا ہی آپ کے لیے باعثِ رحمت ہوگا۔ خواہ عذاب کی اس ہولناکی کے بارے میں آپ سے کچھ بھی نہ کہا گیا ہو۔

اس طرح عالمِ تصوّر میں تیزی سے سرکتے ہوئے دھندلکے سے عکس، ملموس اور کامل اجسام کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ان کا تصوری ڈھانچہ اجسامِ مادی کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے۔ یوں قوتِ متخیلہ کو ان دھندلکے سایوں کی رنگ آمیزی، اشیاءِ مشہودہ کی صورت گری اور اشکالِ مختلفہ کی ترتیب و تزئین کا موقعہ مل جاتا ہے۔

مناظرِ قیامت میں سب سے عجیب وہ تلخ کلامی ہے جو مشرکین اور ان کے معبودوں کے درمیان یا سربراہانِ قوم اور ان کے پیروؤں کے درمیان ہوگی۔ نیز وہ گفت گو بھی بڑی دلچسپ ہے جو اہلِ ایمان اور فرشتوں کے درمیان یا خود اہلِ ایمان میں آپس میں ہوگی۔ قرآن مجید میں یہ مکالمات بالتفصیل بیان کیے گئے ہیں۔ چند مناظر ہم بغیر کسی تشریح کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

اہلِ دوزخ کی باہمی تکرار: قیامت کے روز پیشوایانِ کفر و ضلالت دوزخ کا عذاب دیکھ کر اپنے

پیروؤں کے کفر و انکار کا بار اٹھانے سے بچنے کے لیے ان سے بے تعلق ہو جائیں گے۔ اس پر ان میں باہمی تکرار ہو گی۔ قرآن نے اس کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوٓا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

(البقرۃ ۱۶۵ - ۱۶۷)

کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر انہیں سوجھنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہو گی کہ وہی پیشوا اور راہنما، جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے۔ مگر سزا پا کر رہیں گے۔ اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں، ہم ان سے بیزار ہو کر دکھا دیتے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال، جو دنیا میں یہ کر رہے ہیں، ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ساتھ ملتے رہیں گے۔ مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

دربارِ الٰہی میں اہلِ دوزخ کی باہم الزام دہی

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اس منظر کی عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾

(السبا ۳۱ - ۳۳)

کاش تم دیکھو ان کا حال اس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ "اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔" وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے "کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود مجرم تھے۔" وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے "نہیں، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں۔" آخر کار جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے۔ اور ہم ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے اعمال ان کے تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ۝ (ق ۲۷-۲۸)

اس کے ساتھی نے عرض کیا "خداوندا! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔" جواب میں ارشاد ہوا "میرے حضور جھگڑا نہ کرو۔ میں تم کو پہلے ہی انجامِ بد سے خبردار کر چکا تھا۔"

اہلِ جنّت کی باہمی گفتگو

یہ تو ہے اہلِ دوزخ کی باہمی سخت تُوتکار کا نمونہ۔ اب آپ اہلِ جنت کی باہمی پُرلطف گفتگو کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۝ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ۝ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ۝

(الطور ۲۵-۲۸)

یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے (دنیا میں گزرے ہوئے) حالات پوچھیں گے۔ یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے، آخر کار اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم پچھلی زندگی میں اسی سے دعائیں مانگتے تھے، وہ واقعی بڑا ہی محسن اور رحیم ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ۝

(الصافات ۵۰-۵۹)

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے۔ ان میں سے ایک کہے گا "دنیا میں میرا ایک ہم نشین تھا جو مجھ سے کہا کرتا تھا۔ کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ کیا واقعی جب ہم مر چکے ہوں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہمیں جزا و سزا دی جائے گی؟ اب کیا آپ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ صاحب اب کہاں ہیں؟" یہ کہہ کر جونہی وہ جھکے گا تو جہنم کی گہرائی میں اس کو دیکھ لے گا۔ اور اس سے خطاب کر کے کہے گا "خدا کی قسم، تُو تو مجھے تباہ ہی کر دینے والا تھا۔ میرے رب کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو آج میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا جو پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ اچھا تو کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ موت جو ہمیں آنی تھی وہ بس پہلے آ چکی؟ اب ہمیں کوئی عذاب نہیں ہونا؟

المختصر ان عجیب و غریب مناظر میں سے ہم یہاں صرف انہی معدودے چند کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب اس کتاب میں بڑی تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان ہوں گے۔ یہاں اس مختصر سی فصل میں ان مناظر کی حقیقت اور ان کے مختلف پہلوؤں پر بالاختصار روشنی ڈالنا ہی کافی ہے۔

قیامت کا ہولناک دِن

بے نمازی کا انجام : ذلت و رُسوائی

قُرآن میں مناظرِ قیامت کا آغاز سورت القلم سے ہوتا ہے۔ نزول کے لحاظ سے یہ دوسری سورت ہے۔ پہلی سورت العلق ہے۔ سورت القلم میں خدا کے آگے سجدہ نہ کرنے والوں کے انجام کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ۝

(القلم ۴۲-۴۳)

جس روز سخت وقت آ پڑے گا اور لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت ان پر چھا رہی ہو گی یہ جب صحیح و سالم تھے اس وقت انہیں سجدے کے لیے بلایا جاتا تھا (اور یہ انکار کرتے تھے۔)

یہاں تصور میں قیامت کا ایک ابھرتا ہوا منظر دکھائی دیتا ہے۔ دیکھیے، یہ وہ لوگ کھڑے ہیں جنہیں دنیا میں جب سجدے کے لیے پکارا جاتا تھا تو محض اپنی اس خام خیالی سے کہ آخرت کا کوئی دن آنے والا نہیں ہے یہ سُن کر نہ دیتے تھے۔ اب جبکہ سختی کی گھڑی سر پر آن پہنچی ہے سخت افراتفری اور گھبراہٹ کا عالم طاری ہے، ملامت اور سرزنش کی خاطر انہیں سجدے کے لیے کہا گیا ہے۔ وہ تلافئ مافات کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن تلافئ مافات کا وقت گزر چکا ہے۔ یہ سجدہ نہیں کر پاتے۔ یا تو اس لیے کہ اب تلافئ مافات کا مناسب وقت گزر چکا ہے یا اس لیے کہ قیامت کی ہولناکی اور ماحول کی ہیبت ان پر یوں طاری ہے کہ وہ حرکت تک کرنے سے بالکل عاجز مورتی بنے ندامت اور شرمندگی سے نگاہیں جھکائے، سر نیہوڑائے ذلت و رسوائی میں بے بس ایستادہ ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب دنیا میں یہ خدا کی اطاعت و بندگی میں جھکنا عار سمجھا کرتے تھے اور ایک گھڑی آج یہ ہے کہ جھکنا چاہتے بھی ہیں تو جھک نہیں سکتے۔ سو آج انہیں ان کے عملوں کے مطابق جزا ملنے والی ہے!

ماحول کی یہ ہولناکی نفسیاتی ہے لیکن اس میں روحِ حیات پوری آب و تاب سے موجزن ہے۔ ہم پردۂ تصور پر پڑنے والے ان متحرک و مجسم سایوں کے سر پر کھڑے ہیں۔ لیجیے، یہ دیکھیے ان زندہ انسانوں کی حالتِ زار! ذلت و رسوائی سے نگاہیں جھکی ہوئی، چہروں پہ ہوائیاں اُڑی ہوئیں، ملامت و سرزنش کا نشانہ بنے ہوئے، دل میں اس چیز کی خواہش لیے ہوئے جس کے

حصول کی اب ان میں طاقت نہیں اور جسے یہ اس وقت عار سمجھتے تھے جب اس پہ پوری طرح قادر تھے! — اُف، کتنی بڑی ذلت اور کتنی بڑی خفت اٹھا رہے ہیں! ہائے، کیسی بے بسی اور کیسی بے چارگی ہے!

کلامِ الٰہی میں منظر کی ایسی عکاسی کی گئی ہے کہ گویا اس کا زندہ وجود آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس دنیا میں قیامت کے جھٹلانے والوں کی ایذا رسانی کا نشانہ بنے ہوئے تھے آج یوں مخاطب کیا گیا ہے:

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ
(القلم - ۴۴)

پس اے نبیؐ، تم اس کلام کے جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پہ چھوڑ دو۔

تم پہ اُن کا بدلہ چکانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ میں خود ان کا ذمہ دار ہوں۔ ان کا جو انجام کل ہونے والا ہے اس سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔ دنیا میں جو چند روزہ عیش و آرام انہیں حاصل ہے وہ اس پر ریجھے بیٹھے ہیں حالانکہ دنیا کا یہ عیش و آرام تو محض ایک جال ہے جس میں پھنس کر آدمی کا وہی حشر ہوگا جو اس منظر میں نظر آ رہا ہے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝
(القلم ۴۴ - ۴۵)

ہم ایسے طریقہ سے ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ میں ان کی رسی دراز کر رہا ہوں، میری چال بڑی زبردست

عنقریب انہیں اس حقیقت کا علم ہو جائے گا لیکن افسوس! اس وقت اُن کا حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جانا کسی طرح بھی ان کے لیے سود مند نہ ہوگا — اس دن! جس دن کی سختی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ لوگوں کو جب سجدے کا حکم ہوگا وہ سجدہ کر نہیں سکیں گے۔ اُف! کتنی بے چارگی ہوگی۔

کلامِ الٰہی منظر کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ الفاظ کی گہرائی میں پوشیدہ تہدید ضمیرِ انسانی کی رگِ مُردہ میں ایسا خون کھولاتی ہے کہ اس کی قوتِ احساس و ادراک میں ارتعاش کے ساتھ بے پناہ جذبۂ عبرت پذیری اُبھر آتا ہے۔

روزِ قیامت اور نظامِ کائنات

سورۂ مُزّمّل[۱] میں قرآن انکار و نافرمانی کے انجام کی منظر کشی کرتے ہوئے بتاتا ہے

---

[۱] بہ لحاظ نزول تیسری سورت ہے۔

کہ قیامت کے روز پورا نظامِ کائنات کس طرح لرزہ براندام ہوگا۔ یہاں تک کہ خود حضرت انسان کی جوانی بڑھاپے میں بدل جائے گی۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

(المزمل ۱۰-۱۹)

اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ۔ ان جھٹلانیوالے خوش حال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور انہیں ذرا کچھ دیر اسی حالت پر رہنے دو۔ ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔ یہ اس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔ تم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔

دوزخ کی ضیافت —— بیڑیاں اور زنجیریں

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا "ہمارے پاس ان کے لیے بیڑیاں ہیں، دوزخ کی آگ ہے، گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے اور دردناک سزا ہے" — یہ تہدید خاص طور پر ان لوگوں کے یومِ آخرت سے انکار کے جواب میں ہے جو دنیا میں خوش حال زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنے خالق و مالک کے حضور کبھی سرِ نیاز خم کرنے کا خیال تک نہیں آیا۔ سو گلے میں اٹکنے والا کھانا اس دنیا کے "عیش و آرام" کی جزا ہے۔ دنیوی عیش و آرام میں زندگی بسر کرنے والے اس کے مستحق بھی ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے دنیا میں حاصل شدہ نعمت کی قدر کی نہ نعمت ادا کرنے والے کا شکر ادا کیا۔ رسول کریم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) حق کے خلاف ان کی چال بازیوں پر صبر کیجئے۔ ان سے کنارہ کش ہو جائیے

اور اپنے جذبات قابو میں رکھیئے۔ یہ کنارہ کشی اور قطع تعلق اچھے انداز میں ہو۔ اس میں بدکلامی اور ہرزہ سرائی نہ ہو۔ اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک دوسری قوت یعنی "صبر جمیل" کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر جذبات پر قابو پانا اور منکرین حق سے قطع تعلق کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی مخالفت پر صبر کیجئے اور ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں خود ان سے نپٹ لوں گا۔ دنیا میں عیش و آرام اور انکار و سرکشی کرنے کے لیے ان کی مہلتِ زندگی بالکل مختصر ہے۔ جلد ہی انہیں اپنی مختصر سی مہلتِ حیات ختم کر کے ہمارے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ ہمارے ہاں ان کی خاطر کے لیے بڑا اچھا سامان ہے۔ ہمارے ہاں انہیں بیڑیاں پہنائی جائیں گی جن سے انہیں سخت اذیت پہنچے گی۔ ہمارے ہاں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے جب بھڑکے گی انہیں بھون کر رکھ دے گی۔ نیز ان کے لیے حلق میں اٹک جانے والا کھانا ہوگا۔ غرضیکہ اس ہولناک دن میں ان کے لیے سخت دردناک سزا ہوگی۔۔۔۔۔!

جلالِ باری اور لرزہ براندام کائنات

اس کے بعد کلامِ الٰہی اس ہولناک دن کی تصویر اس طرح پیش کرتا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝

جس دن زمین اور پہاڑوں پر لرزہ طاری ہوگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ریگ رواں کے تودے ہو جائیں گے۔

یہ ہے وہ ہولناک صورتِ حال جو انسان اور اس کی روح سے بڑھ کر پورے نظامِ کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ انسان تو اس نظامِ کائنات کا محض ایک جزو ہے! اس ہولناک صورتِ حال کے تصور تک سے قوتِ خیال ـــ اپنی طاقت و وسعت کے باوجود ـــ بالکل عاجز ہے۔ اس وقت ایسا خوف طاری ہوگا کہ نظامِ فطرت کے سب سے بڑے مظاہر زمین اور پہاڑ تک اس سے لرزاں ہوں گے۔ ذات باری تعالیٰ عظمت و جلال کے ساتھ جلوہ افروز ہوگی۔ ارشاد ہوگا: آج کے دن ہم نے تمہیں یہاں یونہی نہیں لا حاضر کیا، بلکہ ہم نے اتمامِ حجت پورا کر دیا ہے۔ قبل ازیں ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے۔ جس نے تمہاری ہدایت کی پوری کوشش کر کے تم پر حق کی گواہی کا فریضہ ادا کر دیا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝

بلاشک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تاکہ وہ تم پر حق کی شہادت دے۔ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔

دنیا میں تم گھمنڈ میں آکر اپنی قوت جتاتے رہے اور رسول کی بات مان کر نہ دی لیکن فرعون کی قوت وطاقت کے مقابلے میں تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ کیا تمہیں اس کے انجام کا علم نہیں ہے؟ اس نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی اور ہم نے اسے بُری طرح گرفت میں لے لیا۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں بھی اسی طرح سختی کے ساتھ پکڑا جائے جس طرح جابر وطاقتور فرعون کو پکڑا گیا تھا؟ کیا اس طاقت وسطوت کے باوجود دنیا میں اس کا اقتدار ہمیشہ کے لیے قائم رہا؟ —— جب اس چند روزہ زندگی کا خاتمہ ہو گا تو تم —— اگر اسی طرح کفر وبغاوت کرتے رہے —— اس دن کی سختی سے کیسے بچو گے جس کی سختی اور ہولناکی بچوں کو بوڑھا کر دے گی اور جس کے خوف وہیبت سے آسمان تک پھٹ کر تباہ وبرباد ہو جائے گا۔

یہاں جو چیز قابلِ غور ہے وہ منظر کی ہولناکی ہے جس کی شدت کا حال یہ ہے کہ اس سے آسمان پھٹا جا رہا ہے۔ زمین اور پہاڑ لرزہ براندام ہیں۔ خوف ودہشت سے بچے بوڑھے ہو گئے ہیں گویا پورا نظامِ فطرت اور خود زندہ انسانیت خوف ودہشت کی مجسم مورتی بنے ہوئے ہیں۔ فضائی ہولناکی وجدان وشعور میں ارتعاش پیدا کر رہی ہے۔ اس پر مستزاد ایک ضرب کاری ان الفاظ سے لگ رہی ہے۔ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۔ اور اس کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا، سچ یہ ہے کہ یہ حقیقت ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ اور اس سے مفر بھی کسی کو نہیں ہے۔ ذات باری کا فیصلہ بالکل اٹل ہے۔ یہ زجر وتوبیخ محض تذکیر وتنبیہ کے لیے ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۔ بے شک یہ یاد دہانی ہے سو جو چاہے (اس سے نصیحت پکڑ کر) اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے) یقیناً خدا کی راہ اس خوف ودہشت اور مصیبت وتکلیف کی راہ سے نسبتاً زیادہ پُرامن اور زیادہ آسان ہے! اے کاش! کہ انسان اس دشوار گزار راستہ کو چھوڑ کر اس آسان راستہ کو اختیار کرلے۔ اور آخرت کے اس ہولناک انجام سے بچ جائے!

روزِ محشر اور دولت کا پجاری

خدا کی نافرمانی اور دنیا میں مال ودولت ہی کو اپنا مقصودِ زندگی بنا لینے کا آخرت میں کیا انجام ہو گا؟ دوزخ کیا ہے؟ اور اس میں کیا گزرے گی؟ سورۂ مدثر میں اس کی تصویر یہ ہے:

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ ۙ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۞ ذَرْنِىْ وَمَنْ

اچھا، جب صور میں پھونک ماری جائے گی، وہ دن بڑا ہی سخت دن ہو گا، کافروں کے لیے ہلکا نہ ہو گا۔

خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ
بَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ
اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ
صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ
قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ
اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾
اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا
تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۠
وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ
لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ
وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ
اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾
وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى
الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ
اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ
اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ڜ يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ
نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَاۗىِٕضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ
الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ
الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾

چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے، اور اس کے لیے ریاست کی راہ ہموار کی، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی، تو خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا۔ پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخرکار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دوزخ؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے۔ کھال جھلس دینے والی۔ انیس کارکن اس پر مقرر ہیں۔ ہم نے دوزخ کے یہ کارکن فرشتے بنائے ہیں، اور ان کی تعداد کو کافروں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے تاکہ اہلِ کتاب کو یقین آ جائے اور ایمان لانے والوں کا ایمان بڑھے، اور اہلِ کتاب اور مومنین کسی شک میں نہ رہیں، اور دل کے بیمار اور کفار یہ کہیں کہ بھلا اللہ کا اس عجیب بات سے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس دوزخ کا ذکر اس کے سوا کسی غرض کے لیے نہیں کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اس سے نصیحت ہو۔ ہرگز نہیں، قسم ہے چاند کی اور رات کی جبکہ وہ پلٹتی ہے اور صبح کی جبکہ وہ روشن ہوتی ہے، یہ دوزخ بھی بڑی چیزوں میں سے ایک ہے، انسانوں کے لیے ڈراوا، تم میں سے ہر اس

(سورۃ المدثر[۱] - ۵۱)

۱؎ بہ لحاظ نزول چوتھی سورت ہے۔

شخص کے لیے ڈراوا جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہ جانا چاہے۔ ہر متنفس اپنے کسب کے بدلے رہن ہے، دائیں بازو والوں کے سوا، جو جنّتوں میں ہوں گے۔ وہاں وہ مجرموں سے پوچھیں گے "تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟" وہ کہیں گے "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آ گیا۔" اس وقت سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں گویا یہ جنگلی گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگ پڑے ہیں۔

قیامت کے یہ مناظر رسالت کی گراں بار ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے پیش آمدہ مشکلات پر رسول کو صبر کا حکم دینے کے بعد پیش کیے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ۪ۙ۝۲ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ۪ۙ۝۳ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۪ۙ۝۴ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ۪ۙ۝۵ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۪ۙ۝۶ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْؕ۝۷

(المدثر ۱-۷)

اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

چونکہ اغلب خیال یہی ہے کہ یہ سورت، سورت مزمل کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے یہاں بھی صبر کا حکم تقریباً اسی طرح کا ہے جس طرح کا سورۃ مزمّل میں ہے۔

پُرصعوبت دن اور دربارِ الٰہی میں بے یار و مددگار پیشی

یہاں پہلی مرتبہ بگل بجنے یعنی صُور پھونکنے کا ذکر ہوا ہے۔ صُور میں "پھونک مارنے" سے کانوں پہ آواز کی ایک زوردار چوٹ پڑتی ہے اس لحاظ سے یہ "بگل بجنے" کے مشابہ ہے یعنی صُور "پھونکنا" اور بگل "بجنا" سمع خراشی میں برابر ہیں۔ صُور کا پھونکنا گویا سخت مصیبت کے دن کی آمد کی تمہید ہے۔ جو کفار پر کسی طرح بھی آسان نہیں ہوگا بلکہ ان پہ مشکل نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:

فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌۙ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ۝۱۰

وہ دن سخت مصیبت کا دن ہوگا۔ جو کافروں پر کوئی آسان نہیں ہوگا بلکہ مشکل نہ ہوگا۔

ان الفاظ میں عذاب کا ذکر مبہم ہے۔ آدمی عذاب کے سامنے خوف اور گھبراہٹ میں سکتے

کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ اس پرصعوبت دن کا متعین و مخصوص نقشہ اس کے تصور میں آئے اسے ایک مخفی احساس کی شدید کسک سی محسوس ہوتی ہے۔ دراصل عذاب کے وقوع کا عام اور مبہم انداز میں ذکر ہی یہاں اصل مقصود اور اس سے خوفناک نفسیاتی حالت پیدا کرنا ہی مدنظر ہے۔

جب خوف اور گھبراہٹ میں عذاب کے سامنے تھوڑی دیر ٹھہرنے کا اثر قلب و روح پر پڑتا ہے اور جب سکون اور خاموشی کے اندر سے خوف کی مخفی سی لہر بجلی کی طرح کوند جاتی ہے تو اپنے مال و دولت اور عزّ و جاہ پر اترانے والے کی تہدید کے لیے یہی وہ مناسب وقت ہوتا ہے جبکہ اللہ کا رسول اس بدبخت کو قوتِ قاہرہ کے مالک اور پُرصعوبت دن کے حاکم اللہ تعالیٰ کے حضور اکیلے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿۱۱﴾

مجھے اور اس بدبخت کو چھوڑ دیجئے جسے میں نے نہایت بے سروسامان پیدا کیا ہے۔

ذرا اس تخلیے کو تصور میں لائیے۔ اُف! یہ ہولناکی! کتنا بڑا ہولناک منظر ہے جبکہ اس بدنصیب کمزور و ناتواں اور ناکارہ سی مخلوق کے سامنے زبردست قوت قاہرہ کی مالک ہستی پورے ہیبت و جلال کے ساتھ جلوہ افروز ہوگی۔ ارشاد ہے:

جَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِينَ شُهُودًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿۱۴﴾

میں نے اسے پھلنے پھولنے والا بہت سا مال و دولت دیا ہر وقت حاضر باش بیٹے دیے اور دنیا کے عیش و آرام کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان دیا۔

غرضیکہ میں نے اسے بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ یہاں کثرتِ نوازش کے اظہار کے لیے ایک ایک نعمت گنانا اور تفصیل و تطویل سے ان کا تذکرہ کرنا ہی اصل مقصود ہے ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا — لیکن اس کے باوجود ابھی اس کی تمنّا اور آرزو یہی ہے کہ میں اس میں اور اضافہ کروں۔ افسوس کہ وہ بہت ناشکرا انسان ہے۔ اور اپنے منعمِ حقیقی پر اس کا ایمان نہیں ہے۔ ہرگز نہیں! اس کی اس خواہش کو اب ہرگز پورا نہیں کیا جائے گا۔ اور اب رتی بھر بھی اس نعمت میں مزید کوئی اضافہ نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے عیش و آرام کے جملہ سامان مہیا کر دینے کے بعد اب میں اسے دوزخ کی اونچی گھاٹی پر چڑھا کر سخت ترین مصیبت میں مبتلا کرنے والا ہوں۔

یہاں بات ذہن پر اثر انداز ہونے والے محض لفظی اسلوبِ بیان ہی میں نہیں کہی جا رہی۔ بلکہ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿۱۷﴾ کہہ کر اس کے سامنے ایک محسوس دوزخ کیا ہے؟

صورت متشکل کی جا رہی ہے۔ یعنی سخت کٹھن راستے میں محنت اور تکلیف سے اُوپر چڑھنے کی محسوس و متجسّم صورت پیش کی جا رہی ہے۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝

(مدثر)

میں اسے دوزخ میں ڈال دوں گا۔ اور آپ کیا جانیں کہ دوزخ کیا ہے؟ (اس کی کیفیت یہ ہے کہ) نہ وہ زندہ رکھے نہ زندہ چھوڑے۔ اس کی تپش آدمی کو جھلس دے۔ اس پر انیس (فرشتے بطور محافظ) مقرر ہیں۔

ان آیات میں دوزخ کی مجسم تصویر کھینچی گئی ہے۔ اس کا آغاز سراسیمگی پیدا کر کے اور رسول کی دوزخ سے بے خبری کا اظہار کر کے کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ — اور آپ کیا جانیں کہ دوزخ کیا ہے؟ — اس کے بعد اس کا نقشہ کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ ہر چیز کو ہڑپ کر جاتی ہے اور کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی۔ وہ انسانوں پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ ایک دفعہ چمک کر پوری تندی اور تیزی کے ساتھ انہیں بھسم کر دیتی ہے اور اس کے آتش بار شعلے انہیں جھلس کر رُوسیاہ کر دیتے ہیں۔ اس سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس پر کئی محافظ مقرر ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہمارے کسی بدبخت ساتھی کی قوت و سطوت کسی کام آتی ہے نہ اس کے اہل و عیال کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں۔ محافظ فرشتوں کی یہ اُنیس کی تعداد محض اظہارِ کثرت کے لیے ہے۔ ورنہ اس رب عظیم کے لشکروں کی تعداد اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

ظاہر ہے کہ جب دوزخ کا نقشہ یہ ہو تو اس کے پیش کرنے کی غرض و غایت نیکی کی نصیحت کرنا، قبولِ حق کے لیے دلوں میں اثر پیدا کرنا اور حقیقتِ حال کو بے نقاب کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بات کا آغاز رواں دواں اور ظاہر و نمایاں مناظرِ قیامت کی قسمیں کھا کر کیا گیا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی پُر نور چمکدار چیز کا شعاع انگیز چمکارا ہے جو پوری فضا کو درخشاں و تاباں کر رہا ہے۔

وَالْقَمَرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝

(مدثر)

قسم ہے روشن چاند کی، قسم ہے رات کی جبکہ وہ گزر گئی ہو اور قسم ہے صبح روشن کی جبکہ وہ نمودار ہوگئی ہو۔ بلاشبہ یہ دوزخ بہت بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ یہ انسانوں کو (بُرے انجام سے) ڈرانے والی ہے۔

اس منظر میں ایسی کامل ہم آہنگی اور یکسانیت کارفرما ہے جس کا نقش قوتِ حس پر پڑتا

ہے۔ دیکھئے! ماہِ درخشاں، شب تاریک اور صبح روشن ـــ ہر چیز فضائے بسیط پر محیط اور دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس کے بیچوں بیچ دوزخ ہے۔ جو انسان کو ڈرانے والی بڑی بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ واقعتہً یہ اُن بڑی بڑی نمایاں چلتی پھرتی چیزوں میں سے ایک ہے جن سے انسان ڈرتا ہے۔ یہ حقیقت اتنی بے نقاب ہے کہ اس تک پہنچنے میں کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ ہر شخص خود اپنی صواب دید سے جو چاہے اپنے لیے پسند کرلے۔ دوزخ اسی کے لیے ڈرانے والی ہے جو خود نیکی کا خواہاں ہو۔ خواہ وہ اپنی جدوجہد میں کتنا آگے بڑھ جائے یا پیچھے رہ جائے ـــ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾

ہر شخص گروی ہے

پھر ہر شخص اپنے اعمال کے بارے میں جواب دِہ ہے اور شئے مرہونہ کی طرح مقید ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾

(ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی رکھا ہُوا ہے سوائے دائیں والوں کے کہ وہ آزاد ہیں) اعمال کے بارے میں بازپُرس سب لوگوں سے ہوگی اور وہ سب کے سب اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہیں۔ البتہ جن لوگوں نے نیک اعمال کیئے ہوں گے ان کا فکِ رہن ہو جائے گا۔ اور وہ قیدِ رہن سے آزاد ہو جائیں گے۔ اس لیے اس عمومیت سے "اصحاب یمین" کا استثناء درست ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے سے ان کا فکِ رہن ہو جائے گا اور اس قیدِ رہن سے وہ آزاد ہو جائیں گے۔

ہائے ہم نمازی نہ تھے

یہاں نعمائے جنت کے تصور میں صرف نجات حاصل کرنا اور "قیدِ رہن" سے رہائی پانا ہی شامل نہیں ہے بلکہ جنت کا شعور، احساس اور صالحین و مجرمین کے درمیان امتیاز بھی نعمائے جنت ہی میں شامل ہے۔ یہ ایک نفسیاتی اور روحانی سی نعمت ہوگی جس کے خدوخال قرآن نے مؤمنین و مجرمین کی باہمی گفتگو والے منظر میں اجاگر کیے ہیں۔

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾

وہ مجرموں سے پوچھیں گے تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾

وہ کہیں گے "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا۔"

حالاں کہ اتنی تفصیل میں گئے بغیر ان کا جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ "ہم کافر تھے" لیکن جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے اس تفصیلی جواب کا رشتہ اہل فرمانِ الٰہی سے جاملتا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (ہر شخص اپنے عملوں کے بدلے گروی ہے)

گدھے سے بدتر انسان

وہ در اصل اپنے بارے میں نافذ ہونے والے حکم الٰہی کی مختلف حیثیات کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہیں۔ منظر کی طوالت سے اصل مقصود دینی وقتی مصلحت ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں اعترافِ جرم کا منظر بڑا اثر انگیز ہے۔ اصولِ ادب و فن کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں طوالت ہو تاکہ اس تمہیل و تاخیر کے دوران میں وہ ناظرین کے دلوں میں نفوذ کر سکے۔ حکمِ الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر پورا ہو جانے کے بعد مبنی بر انصاف فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ یعنی سفارش کرنے والوں کی سفارش انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ تمام ناظرین کا یہی حال ہوگا۔ چونکہ منظر کی پیش کاری تحذیر و تنکیر کے لیے ہے۔ اور وہ اس سے اعراض کر رہے ہیں۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ـــــــ (انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے روگرداں ہیں) وہ گویا بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ـــــ شیر ببشیہ سے وحشی گدھے ہی بھاگتے ہیں۔ ہاں! منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر نصیحت سے رُوگردانی کرنے والے بھی گدھے ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ گدھے تو ڈر کر بدکتے ہیں مگر یہ لوگ ہیں کہ قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اس سے ڈرتے نہیں ہیں!

دشمنیٔ رسولؐ اور آتشِ جہنم

جو لوگ اس دنیا میں خدا کے رسول کی لائی ہوئی دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کرتے اور ہر وقت اس کی ایذا رسانی میں لگے رہتے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ قرآن اس کی مجسم تصویر یوں پیش کرتا ہے:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

(سورۂ لہب ۱-۵)

ٹوٹ گئے ابو لہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور

ترتیب کے لحاظ سے چھٹی سورت ہے۔ اس سے قبل سورۂ فاتحہ نازل ہوئی جس میں قیامت کا ذکر محض اشارۃً ہے۔

(اس کے ساتھ) اس کی جورو بھی، لکڑیاں اُٹھائے ہوئے، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

ابولہب کی بیوی اور لکڑیوں کا گٹھا

ذرا آیات کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اَبِیْ لَهَبٍ (لفظی معنی آگ والا) سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (ڈال دیا جائے گا شعلہ زن آگ میں) وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھائے ہوئے ہے) فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ اس کی گردن میں کھجور کی بٹی ہوئی رسی ڈال دی جائے گی)

کیا خوب! الفاظ میں بھی باہمی موزونیت ہے۔ اور منظر کی ظاہری صورت میں بھی۔ یہاں دوزخ کا یہ نقشہ بنتا ہے: ــــ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب کو ڈالا جا رہا ہے۔ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ ہی اس میں جھونکی جا رہی ہے، جو دنیا میں خاردار لکڑیاں اٹھائے پھرتی تھی تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے لیے آپ کے راستے میں ڈالے ــــ وہ لکڑیاں جن سے آگ بھڑکتی ہے ــــ وہ ان لکڑیوں کو رسی سے باندھ کر سر پر اٹھائے چلی جا رہی ہے ان !ایک ایسی عورت جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر عداوت ہو کہ وہ آپ کی ایذا رسانی کے لیے آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتی پھرے۔ اس کی سزا یہی تو ہے کہ وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ہو اور اس کے گلے میں ناریل کی بٹی ہوئی رسی۔ تاکہ بالفعل اس کی جزا اس کے عمل کے مطابق پوری ہو۔ جس طرح وہ دنیا میں لکڑیوں کے گٹھے میں رسی باندھا کرتی تھی اسی طرح آج اس کے گلے میں رسی باندھی جا رہی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی ظاہری صورت بھی دوزخ میں موجود دوسری عام اشیاء کے ساتھ پوری طرح موافق ہو۔ جس طرح وہ سب کی سب جل رہی ہوں اسی طرح اس کے گلے میں بندھی ہوئی رسی اور سر پر اٹھایا ہوا لکڑیوں کا گٹھا بھی شعلے اگل رہا ہو۔ اُف! کتنا بھیانک ہے یہ منظر! لکڑیاں ــــ رسی ــــ آگ اور شعلے ــــ جن میں جھونکے ہوئے ابولہب اور اس کی بیوی ــــ جس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اور گلے میں ناریل کی رسی! اُف! چاروں طرف آگ ہی آگ! سر پر آگ! گلے میں آگ! شعلے ہی شعلے! اُف!.....!

تناسق اور ہم آہنگی کا دوسرا رنگ کلماتِ قرآن کی آواز اور اس آواز میں جھلکتا ہے جو زور زور سے لکڑیاں ڈال کر ایندھن کا گٹھا باندھنے (دھب دھب) اور ناریل کی رسی سے گردن بھینچنے (چرچر) سے نکلتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:-

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ (ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ہلاک ہو جائے!)

کلمات کے زیر و بم اور ان کی آواز میں آپ اس طرح کی سختی Roughness اور درشتی Harshness محسوس کریں گے جس طرح کی درشتی لکڑیوں کا گٹھا باندھتے یا گردن ناپتے وقت آپ دیکھتے ہیں۔ یا جس کا مشاہدہ آپ پوری سورت میں پھیلے ہوئے تہدید آمیز لب و لہجے اور غضب ناک و گلوگیر فضا میں کرتے ہیں۔

غرضیکہ کلامِ الٰہی سے پیدا شدہ موسیقی کی دھنوں اور الفاظ کے صوتی زیر و بم سے پیدا ہونے والے سُروں کی باہمی موزونیت، الفاظ کی ظاہری مشابہت اور اندازِ بیان میں تشبیہہ اور استعارے کا رنگ، منظر کے اجزاء و افعال کی باہمی مناسبت ان سب کا سورت کی باطنی فضا اور اسباب نزول سے نہایت قریبی تعلق ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ مختصر سے پانچ فقروں میں ختم ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ایک ایسی سورت میں جو قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے۔ جب تک آدمی کا ذہن الفاظ کے ظاہری معانی سے ہٹ کر اس کی گہرائی میں نہیں اترتا اس کا ظاہری حسن و جمال بھی نمایاں نہیں ہوتا۔ لیکن جونہی شعور و وجدان کی توجہ اس کی ظاہری متشکل صورتوں اور سایوں نیز الفاظ کی باہمی مشابہت، سُروں کی موزونیت، دھنوں کی ہم آہنگی اور پوری فضا کی یکسانیت کی طرف مبذول ہوتی ہے تو ان نہایت ہی مختصر سے چند چھوٹے چھوٹے فقروں میں بے شمار فنی پہلو، بہت سی پوشیدہ صورتیں اور کئی اوجھل گوشے نظر آتے ہیں۔

ہنگامۂ محشر اور عالمِ کون و مکان

قیامت کے دن یہ سارا نظامِ عالم کس طرح درہم برہم ہوگا اس کی تصویر قرآن کے ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے:-

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝

(التکویر[1] ۱-۱۴)

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی، اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیئے جائیں گے، اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے، اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں

---

[1] نزول کے لحاظ سے ساتویں سورت ہے۔

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟ اور جب اعمالنامے کھولے جائیں گے، اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی، اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

اس منظر میں یوں نظر آتا ہے کہ پورے کا پورا نظامِ کائنات درہم برہم ہو گیا ہے۔ تمام موجوداتِ عالم ایک ہمہ گیر انقلاب کی لپیٹ میں ہیں۔ ہر چیز شکست و ریخت کا شکار ہے۔ اس انقلاب اور شکست و ریخت میں اجرامِ فلکی، اقالیم ارضی، بھاگنے والے وحشی جانور، گھنے اور تاریک جنگل، افرادِ انسانی اور دیگر آثارِ ہستی سب شامل ہیں۔ ہر چھپی ہوئی چیز پوری طرح بے نقاب اور ہر نامعلوم پوری طرح واضح اور عیاں ہو رہی ہے۔ ہر چیز اس عجیب و غریب، حیرت انگیز و پُرہول دن میں نیکی اور بدی پر جزا پانے کے لیے مقامِ فیصلہ کی طرف لپکی چلی جا رہی ہے۔

منظر کا آغاز ایک تباہ کُن جھٹکے اور انقلاب انگیز زلزلے سے ہوتا ہے۔ گویا اس زلزلے کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے اور وہ سرکش بنا ساری کائنات میں تباہی مچا رہا ہے۔ اس نے ہر چیز کو تہہ و بالا کر ڈالا ہے، ہر چیز کو ذرہ ذرہ کر کے فضا میں منتشر کر دیا ہے۔ ہر ساکن میں ایک ہیجان و اضطراب برپا ہے اور ہر لے خوف پہ خوف و ہراس طاری ہے۔ منظر کے ساتھ جو موسیقی پیدا ہو رہی ہے اس کی حرکت اور سر تال تیز تیز ہو رہی ہے۔ موسیقی کے سُروں کی یہ موزونیت تو تیزی سے منظر کے اندر واقع ہو رہی ہے۔ اور اس کا تمثیلی ڈھانچہ عالمِ خیال میں اُبھر رہا ہے۔

یہ کائنات اور وہ دِن سورج جو اپنی بے روک ضوفشاں شعاعوں سے سارے عالم کو بقعۂ نور بنا تا ہے اس کی روشنی بالکل ماند پڑ گئی ہے اس کی شعاعیں یوں لگتا ہے جیسے لپیٹ دی گئی ہیں۔ اب اس میں تنویر نہ شعاعیں۔ روشن ستارے جو قوتِ کشش سے ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ جدا نہیں ہو سکتے، قوتِ کشش کی رسی ٹوٹ جانے سے منتشر ہو گئے ہیں۔ ان کی روشنی بجھ گئی ہے اور وہ بے نور ہو گئے ہیں۔ ساکن، جامد اور ٹھوس پہاڑ بالکل ہلکے، رقیق اور سیال ہو گئے ہیں۔ دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں جو اپنی اپنی جگہ پہ بندھی کھڑی تھیں یوں کھلی چھوڑ دی گئی ہیں کہ اب ان کا کوئی رکھوالا ہے نہ پُرسانِ حال۔ بھگوڑے وحشی جانوروں کا یہ حال ہے کہ ان پر خوف طاری ہے اور مارے خوف کے بیچارے ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ حالاں کہ وادیوں میں عموماً بدک

کہ وہ بھاگ بجایا کرتے ہیں۔ حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے وسیع رواں سمندروں کا پانی جوش کھا کر کناروں سے باہر اُبل پڑا ہے۔ ارواح اپنے جسموں کے ساتھ ملا دیے گئے ہیں، اور روح و جسم کے امتزاج سے ان میں زندگی پوری طرح عود کر آئی ہے۔ زندہ درگور لڑکا، جو بغیر کسی جرم اور بغیر عدل و انصاف کے پیچکے سے قتل کر دی گئی تھی دوبارہ زندہ کر کے حاضر کر دی گئی ہے تاکہ اس سے اُس کے اُس جرم کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے جس کی پاداش میں وہ زندہ درگور کر دی گئی تھی۔ حالاں کہ وہ بالکل بے گناہ تھی۔ اب یہاں مجرموں کے کٹہرے میں وہ لوگ کھڑے ہیں جنہوں نے نہ اس کے جرم کی تفتیش کی نہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے۔ لیجئے لوگوں کے لپٹے ہوئے اعمال نامے کھول کر تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ اب وہ خود انہیں پڑھ رہے ہیں۔ آسمان جو اہلِ ارض کی نگاہوں کے آگے ایک حجاب اور فضائے بسیط میں ایک پردے کی شکل میں حائل تھا وہ نوچ کر ہٹا دیا گیا ہے اب کوئی حجاب ہے نہ پردہ۔ ہر چیز بے نقاب حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آ گئی ہے۔ دوزخ میں ایندھن بھر کر اس میں آگ دہکا دی گئی ہے، جنت سجا کر ان لوگوں کے سامنے لا کر رکھ دی گئی ہے جن سے اس کا وعدہ تھا۔

—— ہاں! اس دن جس دن ہر چیز تہہ و بالا بھی ہو گی اور نئے انداز میں تیار بھی ہو گی۔

—— ہاں! اس عجیب و غریب دن جس دن حیران کن اور تعجب انگیز مناظر عالمِ ظہور میں آئیں گے۔ اس دن جس دن ہر شخص کو اپنے ان اعمال کا پتہ چل جائے گا جو وہ اپنے ساتھ لایا ہو گا —— ہاں اس دن جس دن نہ کوئی چیز پردے میں رہے گی، نہ کوئی حجاب باقی رہے گا۔

یہ منظر جو اس سورت میں پیش کیا گیا ہے اس ہمہ گیر انقلاب کی مکمل چھاپ ہے۔ یہ انقلاب اتنا ہمہ گیر ہے کہ تمام موجودات اور جملہ آثارِ ہستی اس کی زد میں ہیں۔ یہ انقلاب بڑا پُر ہول اور خوفناک ہے۔ ذرا تصور میں لائیے۔ جب نفسِ انسانی طبعاً اپنے سے مانوس ماحول سے راحت و سکون محسوس کرتا ہے اور اس میں معمولی سی تبدیلی سے بھی گھبراتا ہے تو اس ہمہ گیر پُر ہول اور خوفناک انقلاب میں اس کا کیا حشر ہو گا؟

ڈراوے کا مقصد نظامِ کائنات میں اس ہمہ گیر اور پُر ہول انقلاب کو اس طرح ہیبت ناک شکل میں پیش کر کے ہی اس بات کا یقین حاصل کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کے دل میں نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کرنے سے پہلے بار بار خوف اور ڈر پیدا ہو۔ اور کوئی قدم اٹھانے سے

پہلے وہ بار بار یہ سوچے کہ میں کیا کرنے والا ہوں! اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ قرآن اس اثر انگیز اور دل گیر منظر کے بعد ان طبعی مناظر میں سے کسی سے اس حقیقت پر استشہاد نہیں کرتا کہ قرآن اور دین حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اس نے اپنے ایک نہایت معتمد دیانت دار فرشتے کے ذریعے اپنے مہتم بالشان صاحبِ عزیم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ دونوں چیزیں وحی کی ہیں۔ ان میں نہ کوئی شک وشبہ ہے نہ ظن و گمان۔ اِس لیے جو ابھی تک ایمان نہیں لایا اسے ایمان لے آنا چاہیئے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ (التکویر ۱۵-۱۹)

مَیں قسم نہیں کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی جو چلتے چلتے غائب ہو جاتے ہیں نہ رات کی جبکہ اس کی تاریکی چھا جائے اور نہ صبح کی جبکہ وہ ظہور پذیر ہو اس بات پہ کہ وہ (قرآن) عزت والے فرشتے کا قول ہے۱۔

ان آیات میں جن چیزوں کی قسم کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسی قسم کے مناظر ہیں جو ابھی ابھی پیش کئے گئے ہیں۔ اس لیے ان میں تصویری مشابہت اور مقصدی یکسانیت بالکل واضح ہے۔ جس چیز پر قسم کھا کر شہادت پیش کرنا مقصود ہے وہ دعوتِ اسلامی کی حقانیت ہے۔ اس حقانیت پر تاکیدی زور ان الفاظ سے دیا جا رہا ہے کہ وہ اتنی برحق اور مبنی بر عقل حقیقت ہے کہ اس پہ قسم اٹھانے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ موقع و محل کے لحاظ سے اس امر کا یقین دلانے اور اس کی تصدیق کرنے کے لیے یہاں یہی مناسب ترین اندازِ بیان ہے۔ چنانچہ یہاں نہ کسی قسم کی ضرورت ہے نہ تاکید کی۔ کیونکہ حقیقت از خود روزِ روشن کی طرح بے نقاب ہے۔

نہ وُہ مریں نہ جئیں

نصیحت سے رُوگردانی کرنے والوں کے لیے جو عذاب مقدّر ہو چکا ہے۔ قرآن نے

۱؎ یہاں ترجمہ علّامہ قطب شہیدؒ کی توجیہہ کے مطابق کیا گیا ہے۔ جس میں انہوں نے "فَلَآ اُقْسِمُ" میں "لا" کو "اُقْسِمُ" کے ساتھ ملا کر مضارع منفی تصور کیا ہے۔ اگر فَلَا کو مخاطبین کے اس غلط خیال کی تردید سمجھا جائے کہ "قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ کسی دیوانے کی ہرزہ سرائی ہے" تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا "بس نہیں۔ (تمہارا خیال صحیح نہیں) مَیں قسم کھاتا ہوں پلٹنے اور چھپ جانے والے تاروں کی اور رات کی جبکہ اس کی تاریکی چھا جاتی ہے اور صبح کی جبکہ وہ ظہور پذیر ہو اس بات پہ کہ وہ (قرآن) عزت والے فرشتے کا قول ہے" الخ (عام مفسرین نے یہ دوسرا مفہوم لیا ہے۔ مترجم)

اس کا عجیب و غریب منظر یوں کھینچا ہے :

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰىؕ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰىۙ۝۱۰ وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَىۙ۝۱۱ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰىۚ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰىؕ۝۱۳

لہٰذا تم نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو۔ جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرے گا، اور اس سے گریز کریگا وہ انتہائی بدبخت جو بڑی آگ میں جائے گا، پھر نہ اس میں مرے گا نہ جیئے گا

سورۃ (الاعلیٰ ۹-۱۳)[1]

اس منظر میں عذاب کی ایک نئی قسم دکھائی گئی ہے، جو اس سے پہلے نہیں دکھائی گئی۔ یہ عذاب آدمی کو ایسا عاجز اور لاچار کر دینے والا ہے کہ نہ اس سے موت ہی آئے نہ یہ زندہ رہنے دے۔ ایک لحاظ سے یہ ایک محسوس صورت ہے اور ایک لحاظ سے غیر مرئی کیفیت محسوس صورت تو یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی آگ ہے۔ اس میں سزا پانے والے نہ موت ہی سے ہم کنار ہوں گے نہ زندگی ہی کا مزہ چکھیں گے۔ رہی غیر مرئی کیفیت تو یہ اس گنہ گار کی نفسیاتی کیفیت ہے جسے نہ تو موت آئے گی کہ سکھ کی نیند سوئے نہ وہ زندہ رہے گا کہ سامانِ زیست سے متمتع ہو بلکہ وہ اسی طرح موت و حیات کی کش مکش میں حیرت و یاس کی حالت میں نامعلوم مدت تک معلّق پڑا رہے گا۔

اس عذاب کی خصوصیات پر لمبے چوڑے مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن فصاحت و بلاغت اور جامعیت میں وہ اس فقرے ـــــ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰىؕ۝۱۳ ـــــ سے لگا نہیں کھا سکتے۔ دوزخ میں دوزخی بتدریج اس حالت کو پہنچ جائیں گے کہ وہ اپنے آپ کو نہ زندوں میں سمجھیں گے نہ مُردوں میں۔ گویا یہ ایک نادر سی صورتِ حال ہوگی جس میں نہ موت ہوگی نہ زندگی خاموشی اور خوف کی حالت میں حواس پر اس کیفیت کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس میں مضمر حیرت و استعجاب اور رنج و قلق سے احساس و شعور میں ایسا اضطراب برپا ہوتا ہے جس کی کوئی انتہا نہ واقعات کی دنیا میں ملتی ہے نہ عالمِ خیال میں۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰىؕ۝۹ اگر نصیحت سود مند ہو تو نصیحت کیجئے۔

نصیحت کیجئے اس انجام سے ڈرا کر جو ہونے والا ہے اور عذاب کی اس صورت سے جو پیش آنے والی ہے۔ بس آپ نصیحت کیجئے یہی آپ کی ذمہ داری ہے۔ دورانِ نصیحت آپ کو ایسے اہلِ دل ملیں گے جن کے پہلو میں نرم و گداز دل ہیں جو اس بُرے انجام سے ڈرنے والے

[1] نزول کے لحاظ سے یہ آٹھویں سورت ہے۔

ہیں۔ وہ ضرور نصیحت حاصل کریں گے۔ یہ بڑے خوش نصیب لوگ ہیں۔ دوسری طرف آپ کو ایسے شقی القلب بھی ملیں گے جو نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں۔ شقاوت و بدبختی انہی کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ ان کے مقدر میں یہی کچھ ہے کہ وہ بہت بڑی آگ میں جھونک دیے جائیں۔ جہاں نہ وہ مریں نہ جیئیں!

اب پچھتائے کیا ہوت......

قیامت کے روز اپنا بُرا انجام دیکھ کر انسان پچھتائے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے دنیا میں حیاتِ مستعار کے لمحات یوں ضائع نہ کیے ہوتے! اور کچھ کیا ہوتا! کیسا یاس انگیز منظر ہے ملاحظہ ہو:

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ۝ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝

(سورۃ الفجر[1] ۲۱-۳۰)

ہر گز نہیں، جب زمین پے در پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنا دی جائے گی، اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے، اور جہنم اس روز سامنے لے آئی جائیگی، اس دن انسان کو سمجھ آئے گی اور اس وقت اس کے سمجھنے کا کیا حاصل؟ وہ کہے گا کہ کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا! پھر اُس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں اور اللہ جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں (دوسری طرف ارشاد ہوگا) اے نفسِ مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

دربارِ الٰہی اور صف بستہ فرشتے قیامت کے ہولناک دن میں کفار و اہلِ ایمان کے درمیان جو نفسیاتی مقابلہ ہوگا یہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ یہ مقابلہ عین خوف و دہشت کی حالت میں ہوگا جس کا نقشہ ان چند فقروں میں کھینچا گیا ہے۔

"اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ

جب زمین پے در پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنا دی جائے گی، اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اس حال میں کہ

[1] بلحاظ نزول دسویں سورت۔

فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے، اور جہنم اس روز سامنے لے آئی جائے گی۔ . . . .
. . . . .) ان آیات میں قیامت کا ایک ایسا منظر پیش کیا گیا ہے جس میں پروردگارِ عالم ہیبت و جلال کے ساتھ عرش پر جلوہ فرما ہے اور فرشتوں کے لشکر حضورِ الٰہی میں پرے باندھے حکمِ الٰہی کے انتظار میں مستعد کھڑے ہیں۔ مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے جہنم موجود کر دی گئی ہے۔ منظر میں ایسی موسیقی موجود ہے جس کی تانیں سُروں کی ہم آہنگی اور موزونیت سے اور جس کے نغمے بندشِ الفاظ کے سوتوں سے پھوٹ رہے ہیں۔

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

اس دن جس دن اللہ مجرموں اور گنہ گاروں کو ایسا عذاب دیگا اور اس کی مُشکیں باہیں کس کر نہ زنجیروں میں ایسا جکڑ دیگا کہ نہ کوئی اس جیسا عذاب دے سکتا ہے نہ کوئی اس جیسا جکڑ سکتا ہے ـــــ یہ مُشکیں باہیں کسنا اور اس کی سختی! یہ زمین کو کُوٹ کُوٹ کر ریزہ ریزہ کرنا اور فرشتوں کا تعمیلِ حکم کے لیے صف بستہ کھڑا ہونا کتنا گراں تر ہوگا! گویا نہ جائے قیام رہے گی نہ راہِ فرار، نہ کوئی چھڑانے والا ہوگا نہ کوئی یار و مددگار! ـــــ ہاں اس دن جس دن مہلتِ عمل گزر جانے کے بعد انسان ربِ عرشِ عظیم کے سامنے بدبخت و سیاہ کار اور نادم و شرمسار کھڑا ہوگا۔ اس وقت وہ نصیحت پکڑے گا۔ ہاں اس وقت! لیکن افسوس اس وقت نصیحت کہاں؟ پھر اس وقت حسرت و یاس سے کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ کر کے بھیجا ہوتا! اے کاش! میں اپنے ساتھ گناہوں کا یہ پشتارہ نہ لایا ہوتا!

بندۂ مومن اور رضائے الٰہی

دوسری طرف جبکہ چاروں سمت خوف ہی خوف طاری ہوگا اور پروردگارِ عالم کے ہیبت و جلال سے لوگ سراسیمہ و ہراساں ہوں گے، بندۂ مومن کو پکارا جائے گا:

يَآَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾
(سورۃ الفجر ۲۷ ـ ۳۰)

اے (ایمان و عمل صالح سے) اطمینان پانے والے! اپنے رب کے حضور میں لوٹ چل۔ درآنحالیکہ تو اس کے انعام سے راضی اور وہ تیرے کام سے راضی! میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس طرح شفقت و مہربانی اور پیار و محبت کے ساتھ "اَيَّتُهَا" روحانی عزت و تکریم کے انداز میں "يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ" اور خوف و دہشت کے عالم میں اطمینان و سکون کے رس

بھرے الفاظ میں " اَلْمُطْمَئِنَّةُ " (اطمینان پانے والے) کہہ کر پکارا جائے گا۔ گویا اس افراتفری کے عالم میں اطمینان و سکون صرف " قلب مومن " ہی کو حاصل ہوگا۔ عین اس وقت جب گنہ گاروں کو زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہوگا اور ان سے سختی برتی جا رہی ہوگی، بندۂ مومن کو کھلی اجازت دے کر اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ (اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل) کا مژدۂ جانفزا سنایا جائے گا۔ کیونکہ " بندۂ مومن " اور اس کے پروردگار کے درمیان اب تعلق کی نوعیت رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً " { وہ (بندۂ مومن) اس (پروردگار) کے انعام سے راضی اور وہ (پروردگار) اس (بندۂ مومن) کے کام سے راضی } کی ہوگی لطف و کرم، انعام و رضا اور خوشنودی و مہربانی کی بارانِ کرم ساری فضا کو ڈھانپے ہوئے ہوگی۔ حکم ہوگا فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ (میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا) یعنی میرے خاص بندوں میں گھل مل جا اور ان کے ساتھ محبت و مؤدّت کی زندگی بسر کر۔ بارانِ کرم کا نزول یہاں جا کر رکے گا، " وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ " (اس بہشت میں داخل ہو جا جو میری (تیار کردہ) ہے)

پہلے منظر کے مقابلے میں کہ اس میں فوجی سختی اور شدت ہے یہاں ماحول بڑا اطمینان بخش ولولہ انگیز اور پُر نزاکت ہے۔ یہاں دراصل ایک حالت کا دوسری حالت اور ایک ماحول کا دوسرے ماحول کے درمیان مقابلہ ہے۔ قرآن نے ہمیشہ مقام و ماحول اور موقعہ و محل کے ساتھ الفاظ کی موزونیت و ہم آہنگی کے ذریعے تصویر کشی کی ہے جو منظر کی پوری فضا کے ساتھ مطابقت رکھتی اور انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے۔ کاش! کوئی اس سے عبرت لے۔

جب سینوں کے راز فاش ہوں گے!

انسان اس دنیا کے چند روزہ عیش و آرام پر فریفتہ ہے۔ حصولِ دنیا کے لیے وہ دل میں طرح طرح کے جائز و ناجائز منصوبے بناتا اور خدا کی نافرمانی کرتا رہتا ہے لیکن وہ اس بات سے بالکل بے خبر ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس دن سینوں کے تمام راز فاش ہو جائیں گے۔ اور حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى

قسم ہے اُن (گھوڑوں) کی جو پھنکارے مارتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں، پھر صبح سویرے چھاپہ مارتے ہیں، پھر اس موقع پر گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے

الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾
(العادیات ۱ - ۱۱)

ب کا بڑا ناشکرا ہے، اور وہ خود اس پر گواہ ہے، اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔ تو کیا وہ اُس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ (مدفون) ہے اسے نکال لیا جائیگا، اور سینوں میں جو کچھ (مخفی) ہے اسے برآمد کر کے اُس کی جانچ پڑتال کی جائے گی؟ یقیناً اُن کا رب اُس روز اُن سے خوب باخبر ہوگا۔

اس منظر میں واقعات کے ایک رُخ کی تصویر بھی ہے اور دوسرے رُخ کی جھلک بھی۔ تصویر ایسے دن کی جس دن قبروں میں سے بلا تخصیص و تحدید سب کچھ نکال باہر پھینکا جائے گا۔ سینوں میں پوشیدہ ہر چیز نکال باہر کی جائے گی جسے قرآن میں "حاصل کر لینے" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی حاصل شدہ سب کچھ جمع کر لیا جائے گا۔ جو کچھ انہوں نے سینوں میں چھپایا اور جو کچھ دنیا کی زندگی میں انہوں نے کیا وہ گویا کھیتی تھی جس کی فصل قبریں کھودنے کے بعد اکٹھی کر کے برداشت کر لی گئی ہے۔

جھلک ہر چیز کے تہ و بالا اور تلپٹ ہونے کی جس میں بلا کی ہنگامہ خیزی ہے۔ جھلک ان گھوڑوں کی جو غارت گری کے لیے سرپٹ دوڑتے اور زبان نکالے زور زور سے ہانپتے ہوئے خرخراتے ہیں۔ جو صبح کے وقت نیز غفلت و بے خبری کی حالت میں دشمن پر غارت ڈالتے اور پتھریلے راستوں پر دوڑتے ہوئے اپنے سُموں سے آگ کے شرارے برساتے جاتے ہیں۔ جو میدانی علاقوں میں اپنے پیچھے دھول اڑاتے اور ساری فضا کو غبار آلود کرتے جاتے ہیں۔ جو مدافعت و پلیش قدمی کرتے کرتے دشمن کی صفوں میں پوری قوت سے گھس جاتے ہیں۔ حالات و واقعات کے اس پس منظر کی قسم کھا کر اس بات پر شہادت دی گئی ہے کہ کافر انسان اپنے خالق و پروردگار کا منکر، اس کی نعمت و بخشش کا ناشکرا اس کے فضل و کرم کا ناقدر شناس اور انتہائی خود پسند و خود غرض ہے۔ جس کا سینہ انتہا درجہ کی خود پسندی سے معمور ہے وہ اس دن سے بالکل بے فکر ہے جس دن قبریں کھود ڈالی جائیں گی اور سینوں کے مخفی راز فاش کر دیے جائیں گے

یہ ہلکی سی جھلک بھی حقیقت میں تصویر ہی کی ایک قسم ہے یہاں تمام مناظر پر ہیجان اور غبار آلود نظر آتے ہیں۔ ان میں اچانک پن، درشتی اور شدت و مدافعت جھلکتی نظر آتی ہے۔

لہ یہ نزول کے لحاظ سے ۱۴ ویں سورت ہے۔ اس سے قبل تین سورتیں ایسی ہیں جن میں قیامت کا کوئی منظر بیان نہیں ہوا۔

موسیقی جو ان مناظر کے ساتھ وابستہ ہے قوتِ ادراک و حِس پر پوری طرح اثر انداز ہے۔ تصویر اور آوازوں کے درمیان وہ تناسق و یکسانیت بھی موجود ہے جو اصل مقصودِ کلام ہے۔

روشن چہرے اور غبار آلود چہرے

قیامت کے روز خدا کی فرماں برداری اور نافرمانی کے لحاظ سے انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ کچھ لوگ سرخ رُو ہوں گے اور کچھ سیاہ رُو۔ قرآن کے الفاظ میں اس وقت کا یہ منظر ہو گا:

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

عبس[1] ۳۳-۴۲

آخر کار جب وہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہو گی —— اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آ پڑیگا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہو گا۔ کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے۔ اور کچھ چہروں پر اس روز خاک اُڑ رہی ہو گی اور کلونس چھائی ہوئی ہو گی —— یہی کافر و فاجر لوگ ہوں گے۔

"اَلصَّاخَّۃ" ایسا لفظ ہے جس کی آواز میں سختی ہے۔ قریب ہے کہ کانوں کو پھاڑ دے یہ آواز ہوا کو چیرتی ہوئی سمع خراشی کرتی ہے۔ یہ لفظ اپنی پُر خراش آواز سے آدمی کو اس منظر کے لیے تیار کرتا ہے جو آگے آنے والا ہے۔ وہ منظر جس میں آدمی اپنے قریب ترین اعزہ —— اپنے بہن بھائی، ماں باپ اور بیوی بچوں —— سے بھاگتا اور ان سے الگ ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ ان سے ایسے رحمی رشتوں میں منسلک ہے جو ناقابلِ انقطاع ہیں۔ لیکن اس دن کی یہ مصیبت اتنی سخت ہو گی کہ ان ناقابلِ انقطاع رشتوں کو بھی قطع کر کے رکھ دے گی۔ اس کا خون سفید ہو جائیگا اور اپنے عزیزوں سے بالکل بے تعلق ہو جائے گا۔

اس منظر کی ہولناکی قطعاً نفسیاتی اور روحانی ہے جو روح کو خوف زدہ کرتی اور اسے اپنے ماحول سے ہٹا کر اس پر پوری طرح چھا جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت ہر شخص کو اپنی پڑی ہو گی وہ اپنی

---

[1] نزول کے لحاظ سے ۲۴ ویں سورت —— اس سے قبل سات سورتیں ایسی ہیں جن میں قیامت کا کوئی منظر نہیں ہے۔ البتہ ۶ اویں سورت التکاثر اور ۲۳ ویں سورت النجم میں قیامت کا محض ذکر موجود ہے۔

بپتا میں ایسا منہمک ہوگا کہ اس میں کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرنے کا ہوش نہ رہے گا ۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ (ہر ایک کو اپنی اپنی بپتا پڑی ہوگی جو اسے دوسروں سے بالکل بے پروا کر دے گی)۔

اگر آپ ذرا اور گہرائی میں جائیں تو آپ کو اندازہ ہو کہ جو کچھ بین السطور سے مترشح ہو رہا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو بادی النظر سے ظاہر ہے۔ ان سطور کی پیچدار تہوں کے اندر پوشیدہ عکس بڑے گہرے اور باریک ہیں۔ ایسا غم و اندوہ جو آدمی کی قوتِ احساس اور ضمیر تک کو اپنے اندر جذب کر لے اس کی عکاسی کے لیے اس سے مختصر اور جامع تر انداز بیان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس تصویر کے ساتھ ایک دوسری تصویر بھی نگاہوں کے سامنے آتی ہے جس میں اس پر ہول دن میں ـــ جو آدمی کی توجہ اپنے حقیقی بہن بھائی، ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی ہٹا دیگا ـــ دو گروہوں کے درمیان مقابلہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایک، پردے پر ہمیں مارے خوشی کے ہنستے ہوئے سفید روشن اور چمک دار چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ پاک باز و نیکو کار لوگ ہیں دوسری طرف ہماری نظر ایسے چہروں پر پڑ رہی ہے جو پژمردہ یاس اور غبار آلود ہیں۔ تاریکی اور روسیاہی ان پر سایہ فگن ہے۔ اور درد و کرب کے آثار ان پر نمایاں ہیں۔ یہ کافر و نافرمان لوگ ہیں۔

اہلِ حق کی آزمائش اور ظالموں کا حشر

ایمان باللہ اور عملِ صالح کی جزا اللہ تعالیٰ کے ہاں پر بہار باغات ہیں اس کے برعکس جو لوگ ایمان باللہ اور عمل صالح سے محروم ہوں گے سخت ترین عذاب دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے۔ قرآن ان دونوں گروہوں کا موازنہ اس طرح کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾

(البروج[1] ۱۰-۱۱)

جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر ظلم و ستم توڑا اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے یقیناً ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ان کے لیے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی یہ ہے بڑی کامیابی۔

اہلِ ایمان کی استقامت

یہ آیات اصحاب الاخدود (خندق والے) کا قصہ بیان کرنے کے بعد وارد ہوئی ہیں۔ اصحاب الاخدود، نجران کی ایک جماعت

---

[1] یہ نزول کے لحاظ سے ۲۷ویں سورت ہے اس سے پہلی دو سورتیں "القدر" اور "الشمس"

تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی۔ ایمان لانے کی پاداش میں یوسف ذونواس حمیری یہودی نے انہیں سخت ترین عذاب دیا۔ اس نے ایک خندق کھود کر اس میں آگ جلائی اور انہیں اس میں جھونک دیا۔ وہ اس آگ میں ان تماشائیوں کے سامنے جل کر راکھ ہو گئے جو انہیں آگ میں جلتا دیکھنے آئے تھے۔ لیکن ان اہلِ ایمان نے اس انتہائی کڑی آزمائش میں اپنے اخلاص اور پختہ سیرت و کردار کا مظاہرہ کیا۔ اپنے اختیار کردہ دین حنیف پر ڈٹ گئے۔ انہوں نے آگ کے الاؤ میں جل کر راکھ ہونا منظور کر لیا۔ مگر دین حق سے پھر جانا گوارا نہ کیا۔

تماشائی خود تماشا ہوں گے

سورۃ کی ابتدا قیامت کے دن ہونے والے اجتماعِ عظیم کے منظر کی قسم سے ہوتی ہے کیونکہ "خندق کے دن" والے ہجوم کا منظر قیامت کے اجتماعِ عظیم کے منظر سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ (قسم ہے آسمان کی جس میں بُرج ہیں اور قیامت کے اس دن کی جس کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے روز قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے والے اور مشاہد قدرت کی، کہ جن کا مشاہدہ کیا گیا ہے) ذرا غور فرمائیے: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ — اس میں منظر کی ہولناکی بھی ہے اور روزِ قیامت کا شکوہ و جلال بھی آسمان کے رعب و ہیبت کے ساتھ اس دن کے رعب و ہیبت اور آسمان کے شکوہ و جلال کے ساتھ اس دن کے شکوہ و جلال کا تصور وابستہ ہے۔ یہاں "وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝" بطور نکرہ استعمال ہوئے ہیں۔ "خندق کا تماشا دیکھنے والے (شاہد) اور تماشا بننے والے (مشہود) قیامت کے دن بھی "شاہد و مشہود" ہوں گے لیکن وہاں ان کی حیثیت الٹ جائے گی۔ یہاں جو لوگ تماشا دیکھنے والے (شاہد) تھے وہاں وہ خود تماشا بنے (مشہود) ہوں گے۔ اور جو یہاں تماشا بنے تھے وہ وہاں تماشا دیکھنے والے ہوں گے۔ اس طرح گویا قرآن نے ان کی کثرتِ تعداد کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور دونوں مناظر میں بالعکس مقابلہ کر کے عبرت ناک ہولناکی بھی پیدا کی ہے۔

کلامِ الٰہی میں اس برجوں والے آسمان، اس وعدے کے دن اور اس میں موجود "شاہد و مشہود" کی قسم کے ساتھ ساتھ "اصحاب الاخدود" کی ایسی ہی تباہی و بربادی کی اٹل دعا بھی ہے جس طرح کی بظاہر تباہی و بربادی یوم الاخدود کو اہلِ ایمان کی ہوئی تھی —— "قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝" —— ہلاک ہو گئے خندقوں والے —— یہ دعائیہ اندازِ بیان کے ساتھ ساتھ مستقبل میں قطعیت سے وقوع پذیر واقعہ کی خبر بھی ہے۔ گویا برجوں والا آسمان، وہ دن جس کا وعدہ کیا

گیا ہے اور شاہد و مشہود سب اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ خندقوں والے خود ہلاک و برباد ہو گئے

چونکہ پہلا منظر خندق میں جلتی ہوئی آگ کا ہے۔ ادبی لحاظ سے موزونیت کا تقاضا ہے کہ جہنم کے عذاب میں بھی جلتی ہوئی آگ ہو۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے۔ فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝ — ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلتی ہوئی آگ کی سزا ہے ___

قرآن نے قیامت کے مناظر کی تصویر کھینچتے وقت پردہ ہائے تصور میں ہمیشہ اسی تناسق و موزونیت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ غالباً اسی تناسق کا تقاضا ہے کہ جلتی ہوئی آگ کے مقابلے میں مومنین کے لیے باغات ہوں۔ ایسے پُربہار باغات کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں "نار" اور "انہار" ایک دوسرے کے متقابل ہیں۔ جب اس دنیا میں "اصحاب الاخدود" اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر کامیاب ہو گئے تو آخرت میں ان کے مقابلے میں مُومنین صالحین کا جنت میں داخل ہونا ضروری ہے کیونکہ لطف اندوزی اور فرحت یابی کے لحاظ سے ___ "الفوز الکبیر" ___ بہت بڑی کامیابی یہی ہے۔

جب اعمال تولے جائیں گے!

قیامت کے روز کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ میزانِ عدل میں اعمال کے وزن پر ہو گا۔ اعمال کا جتنا زیادہ وزن ہو گا اتنا بہتر انعام ملے گا۔ اور وزن صرف "حق" ہی کا ہو گا۔

الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ ۝ فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

(القارعۃ[1] ۱-۱۱)

عظیم حادثہ! کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دُھنے ہوئے اُون کی طرح ہوں گے۔ پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہو گا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار گہری کھائی ہو گی اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ۔

الْقَارِعَةُ سے مُراد قیامت ہے۔ اس نام میں وہ کیفیت پائی جاتی ہے جو کھٹ کھٹائے

[1] بلحاظ نزول یہ تیسویں سورت ہے۔ اس سے قبل سورۃ والتین اور سورت قریش ہیں۔ لیکن ان میں قیامت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اور ایک چیز پر دوسری مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ان الفاظ میں جو منظر پیش کیا گیا ہے وہ مادی ہولناکی کا ہے۔ جس میں لوگ کثرتِ تعداد کی وجہ سے اتنے لاغر و نحیف ہو جائیں گے کہ اڑتے ہوئے پروانوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے اور یونہی چھپتے پھریں گے۔ جامد و مضبوط پہاڑ دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی مانند ہو جائیں گے کہ جنہیں تند و تیز ہوائیں اڑا کر دور دور پھینکتی چلی جاتی ہیں۔ منظر کی اسی مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قیامت کو "اَلْقَارِعَةُ" "دکھڑ کھڑانے والی" کہا گیا ہے۔ تاکہ وہ عکس جو اس کے الفاظ سے ابھرتا ہے اور وہ آواز جو اس کے جملہ حروف سے نکلتی ہے اس منظر کے عین مطابق ہو جس میں لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی مثل فضا میں منتشر ہوں گے۔

اَلْقَارِعَةُ ـــــ یہ کلمہ شروع کلام میں بغیر خبر اور بغیر تمیز کے استعمال ہوا ہے تاکہ بات آگے بڑھنے سے پہلے اس کا عکس اور اس کی آواز عالمِ تخیل میں ابھرے ـــــ پھر اس کے بعد استفہام و استعجاب کے انداز میں ـــــ مَا الْقَارِعَةُ ؟ (وہ کھڑ کھڑانے والی کیا چیز ہے؟) ـــــ کہہ کر خوف کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعد ازاں اس کے جواب میں مخاطب کی لاعلمی پر روشنی ڈالنے کے لیے باندازِ انکار دوبارہ سوال کیا گیا ہے:۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ؟ (اور آپ کیا جانیں کہ وہ کھڑ کھڑانے والی کیا چیز ہے؟) ـــــ اس طرح جب نفسِ انسانی پر خوف و جہالت اور حیرت و لاعلمی کی فضا محیط ہو جاتی ہے اور جب اس کی خاموشی اور صبر انتہائی آخری درجے میں پہنچ جاتا ہے تو اس کی لاعلمی اور حیرت دور کرنے کے لیے جواب دیا جاتا ہے لیکن یہ جواب بھی بجائے خود انتہائی دہشت اثر ہے ـــــ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ ۝ ـــــ (وہ دن جس دن لوگ اضطراب اور پریشانی کی وجہ سے پروانہ وار ادھر ادھر پھر رہے ہوں گے۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اس طرح ہوا میں اڑتے اڑتے پھریں گے جس طرح رنگ دار دھنی ہوئی اون۔)

بعد ازاں طریقۂ تجسیم کے تحت ـــــ جس کا استعمال قرآن میں مناظر کی عکاسی کے لیے کثرت سے ہوا ہے ـــــ پروانوں کی مانند بکھرے ہوئے لوگوں کے حقیقی اعمال کے وزن کے لیے محشر میں محسوس ہونے والی میزانیں نصب کر دی گئی ہیں فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (جن کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے) یہاں صرف عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (دل پسند عیش) کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات سے تعرض نہیں کیا گیا لیکن دوسری طرف وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ (اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے ان کا

ٹھکانا "ہاویہ" ہوگا-) — کا منظر ہے۔ یہاں ھَاوِیَة" کی تفصیل بھی بیان کر دی گئی ہے — اور قرآن میں جنت کی تصاویر کے مقابلے میں دوزخ کی تصاویر تفصیلات کے لحاظ سے عموماً جامع تر ہیں۔ کیونکہ ان کی طوالت و جامعیت ہی سب سے بڑھ کر شعورِ انسانی پر اثر ڈالنے والی اور روح کو گناہوں کی آلائش سے پاک رکھنے والی ہے — اُمُّهٗ یعنی اس کا ٹھکانا۔ میرے خیال میں یہاں اس لفظ کے استعمال میں ایک خاص نکتہ مضمر ہے جو لفظ کے ظاہری مفہوم سے متبادر ہے یعنی "ٹھکانے" کو "آغوشِ مادر" سے تشبیہ دی ہے۔ اور "آغوشِ مادر" کی پستی سے "آغوشِ جہنم" کی پستی مراد لی ہے۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہی ہے جیسے کہ میزان کا ایک پلڑا ہلکا ہو کر اوپر اٹھ جائے یا کسی کی مسندِ فرازِ کوہ سے گر کر دامنِ کوہ کی تہہ میں پہنچ جائے۔ ان دونوں کے درمیان ایک طرح کی خیالی ہم آہنگی سی جھلکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے گو یا یہ بلندی پستی میں ان دونوں کے درمیان تقابل بالعکس ہے

چونکہ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ کی تعبیر میں ابہام ہے اس سے پہلے اس کا کہیں ذکر نہیں — اور اس ابہام سے بھی ایک نامعلوم چیز کا ذکر کر کے ہولناکی کو بڑھانا مقصود ہے — اس لیے اس کے بعد اظہارِ لاعلمی کے لیے سوال کیا گیا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ (آپ کیا جانیں کہ یہ کیا ہے؟) پھر اس کے جواب میں خود ہی وضاحت کر دی گئی ہے: نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ (یہ دہکتی ہوئی آگ ہے)

یہ عذاب کے طویل تر بیان کا ایک انداز ہے جو ادبی اصول اور دینی مقاصد کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ یہاں منظر کو اندازِ بیان میں طوالت کے ذریعے طول دیا گیا ہے — اور کسی منظر کو طول دے کر پیش کرنے کا یہ طریقہ ادبی نقطۂ نظر سے بڑا مقبول اور مؤثر ہے۔ کیونکہ قوتِ متخیلہ کے سامنے کسی منظر کا کچھ دیر تک ٹھہرے رہنا حس کے لیے سب سے بڑھ کر مؤثر اور روح کے لیے سب سے بڑھ کر لطف انگیز اور عبرت آموز ہے۔ اس طرح یہاں دونوں مقاصد پورے ہوتے ہیں فنی بھی اور دینی بھی۔ قرآن میں منظر کی عکاسی کا یہ انداز مستقل ہے۔

جائے قرار کہاں ہے؟

سورۂ قیامہ[1] میں قیامت کے تین منظر یوں پیش کیے گئے ہیں:-

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ	پس جب دیدے پتھرا جائیں گے اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند سورج ملا کر ایک کر دیئے جائیں گے اس وقت یہی انسان کہے گا "کہاں بھاگ کر جاؤں؟"

[1] نزول کے لحاظ سے یہ ۳۱ ویں سورت ہے۔

الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝

(القیامۃ ۷ - ۱۵)

ہرگز نہیں، وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی، اُس روز تیرے رب ہی کے سامنے جاکر ٹھہرنا ہوگا۔ اُس روز انسان کو اُس کا اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔

۲ — كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (القیامۃ ۲۰-۲۵)

۲- ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔ اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے اور کچھ چہرے اداس ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ برتاؤ ہونے والا ہے۔

۳ — كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ۝ وَلَٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ۝

(القیامۃ ۲۶ - ۳۳)

۳- ہرگز نہیں، جب جان حلق تک پہنچ جائیگی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنیوالا اور آدمی سمجھ لے گا کہ یہ دنیا سے جدائی کا وقت ہے، اور پنڈلی سے پنڈلی جُڑ جائے گی، وہ دن ہوگا تیرے رب کی طرف روانگی کا۔ مگر اس نے نہ سچ مانا اور نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور پلٹ گیا، پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا۔

پہلا منظر قیامت کی ہولناکی کا منظر ہے۔ جس میں حواس انسانی، مظاہر قدرت، نفس انسانی سب برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ اس وقت آنکھیں چُندھیا جائیں گی۔ چاند گہنا جائے گا۔ سورج اور چاند ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کے بعد اکٹھے ہو جائیں گے۔ پورا نظام عالم اسی طرح درہم برہم ہو جائے گا جس طرح اس کا ذکر سورہ تکویر میں ہوا ہے۔ اور عین حیرت و استعجاب اور اضطراب و انقلاب کے عالم میں خوف زدہ انسان بلبلا اٹھے گا: ہائے! جائے قرار کہاں ہے؟" لیکن افسوس اس وقت اس کے لیے کہیں بھی جائے پناہ ہوگی نہ جائے قرار۔ اس وقت قرار و سکون کی جگہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ جبکہ اس دن انسان کو ان نیکیوں سے جو وہ کر کے ساتھ لایا ہوگا اور ان نیکیوں سے جو کیے بغیر وہ چھوڑ آیا ہوگا سب سے آگاہ کیا جائے گا۔ جبکہ اس کے حیلے بہانے قبول نہیں

کیے جائیں گے جبکہ وہ بذاتِ خود اپنے اعمال و افعال پر شاہد عادل ہو گا۔

اس منظر میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ کلام کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور موسیقی کی دھنیں غرضیکہ ہر چیز سریع الوقوع اور مختصر ہے۔ حتّیٰ کہ تیزی سے گزرنے والے مناظر اور محاسبۂ اعمال کا عمل سب میں سرعت و اختصار ہے۔ سرعت و اختصار کے لحاظ سے ان سب میں کامل ہم آہنگی موجود ہے۔ ہر ایک چیز کو قصداً اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہ تو دراصل اس شخص کے سوال کا جواب ہے جس نے اس دنیا میں بڑے لمبے دعوے باندھ رکھے ہیں، جو قیامت کے بارے میں تمسخر کے انداز میں پوچھتا ہے "روزِ قیامت کب ہو گا" اسے آناً فاناً فیصلہ کُن جواب دیا گیا ہے جس میں کوئی ڈھیل اور مہلت نہیں۔ حتّیٰ کہ نظم و ترتیب کی ہم آہنگی اور الفاظ کی آوازوں میں بھی کوئی خلا یا وقفہ نہیں بَرِقَ الْبَصَرُ (آنکھ چندھیا گئی) وَخَسَفَ الْقَمَرُ (چاند گہنا گیا) اَیْنَ الْمَفَرُّ ؟ (جائے فرار کہاں ہے) كَلَّا لَا وَزَرَ (ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ نہیں) ....

رہا دوسرا منظر، تو یہ پہلے کا تتمّہ ہے۔ رسول کو اس بات کا حکم کہ جو کچھ اس کی طرف وحی ہو رہا ہے اس کو دہرانے کے لیے اپنی زبان تیزی سے نہ ہلائے، اس کے بھول جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ یہ بطور جملہ معترضہ کے ہے ـــــ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ..... (جلدی سے یاد کرنے کے لیے اپنی زبان تیزی سے نہ ہلائیں کیونکہ اس کا جمع کرنا اور اسے پڑھ کر سنانا ہمارا کام ہے) یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات مذکورۃ الصدر آیات سے بالکل متصل وارد ہوئے ہیں ان کے بعد ان لوگوں کو خطاب ہے جو قیامت کے بارے میں اس انداز سے پوچھ گچھ کرتے ہیں کہ گویا وہ آنے والی نہیں! كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ .... (ہرگز نہیں! قیامت کے نہ آنے کا کوئی سوال نہیں ـــــ بلکہ تم خود ہی دنیا کے اس وقتی فائدے کے خواہش مند ہو اور آخرت کے دیر بعد ملنے والے اجر سے غافل ہو ـــــ اور آخرت!) ـــــ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے ....)

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہاں تصاویر کا حس و ادراک پر ایک خاص اثر ہے۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ پہلا منظر تیزی سے گزرنے والا ہے اور اس کی محض جھلک نظر آتی ہے اس کے بعد حکم ہوتا ہے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ الخ اس کے بعد دنیا کا ذکر اَلْعَاجِلَةَ کے نام سے ہوا ہے۔ حس و ادراک کے لحاظ سے یہ ایک نہایت لطیف سی ہم آہنگی ہے۔ جس کے بعد عجلت و سرعت

کے الفاظ، عجلت و سرعت کی موسیقی! اور عجلت و سُرعت کے مناظر آتے ہیں جو ایک دوسری کے بعد آنے والی ان آیات کے ساتھ ساتھ قاری اور سامع کی حس پر یکے بعد دیگرے اثر انداز ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس کے بعد دُوسرا منظر آتا ہے جو پہلے کا ہی تتمّہ ہے۔ اس میں ہمیں جنت کی تصویر بھی نظر آتی ہے اور دوزخ کی بھی۔ گویا دونوں شعورِ انسانی پر نقش ہونے والے روحانی عکس ہیں جن کے نقوش چہروں پر مرتسم ہوتے اور کئی شکلوں میں اُبھرتے ہیں۔ ایک طرف وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (کچھ چہرے بارونق ہوں گے اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے) کا نظارہ ہے یہ چہرے اہلِ جنت کے ہوں گے۔ دوسری طرف وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ (اور کچھ چہرے اُداس ہوں گے جو خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سختی ہونے والی ہے) کا منظر ہے۔ گویا یہ محض پُریاس ہی نہ ہوں گے بلکہ ان کے دل کو ہر آن اس بات کا کھٹکا بھی لگا ہوگا کہ ان پہ کوئی ایسی افتاد پڑنے والی ہے جو ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔ دل کا یہ کھٹکا بجائے خود فی الواقع عذاب آ جانے سے زیادہ تلخ اور تکلیف دہ ہے۔

تیسرا منظر حالتِ نزع کا منظر ہے۔ اس سے متصل ہی قیامت کے روز دوبارہ جی اٹھنے کی تصویر ہے۔ گویا ان دونوں میں کوئی حدِ فاصل نہیں۔ اس منظر کی تصویر ایک خاص ڈھنگ سے کھینچی گئی ہے۔ وہ یہ کہ آنے والی موت کا منظر اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ جیسے وہ سر پہ موجود ہو۔ اور زندگی —— موجودہ زندگی —— کا تذکرہ اس طرح کہ جیسے وہ قصّۂ پارینہ ہو ...!

یہ شخص جس کی ٹانگیں خوف و دہشت یا بیماری اور رنج کی وجہ سے ایک دوسری سے لپٹ گئی ہوں جس کی جان ہنسلی تک پہنچ گئی ہو جو دوسروں سے بے بسی میں پوچھ رہا ہو کہ کون ہے جو اس کو جھاڑ دے اور اسے اس مصیبت سے نجات دے؟ اور جسے یہ یقین ہو چلا ہو کہ وہ اس دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر ہوگی اور اس کے حاشیۂ خیال میں ایک دوسری —— وہ حق کی تکذیب کرتا اس سے منہ موڑتا اور کبر و نخوت کے ساتھ اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ جاتا تھا —— دنیوی زندگی کا یہ طرزِ عمل حاشیۂ خیال میں اور آخرت کا بُرا انجام آنکھوں کے سامنے! اسی حال میں جبکہ یہ دونوں صورتیں آگے پیچھے ہو کر اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہی ہوتی ہیں وہ اچانک اپنے آپ کو آخرت میں موجود پاتا ہے۔ حتّٰی کہ اس کے لیے مزید کسی قسم کی تفصیل طلب کرنے کی کوئی مہلت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اس وقت ساری

فضا صرف ایک ہی آواز سے گونج رہی ہوتی ہے ـــــ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣالْمَسَاقُ ـــــ اس روز ـــــ سب کو ـــــ تیرے رب ہی کی طرف چل کر جانا ہے ۔

مشاہد کا اس انداز میں پیش کرنا کہ جس میں اس طرح کی تقدیم و تاخیر اور فجائت و سرعت ہو دینی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ مؤثر اور فنی نقطۂ نظر سے کسی منظر کو نگاہوں کے سامنے زندہ و جاوید رکھنے کے لیے بہت اہم ہے ۔ قرآن کے اندازِ تصویر کشی میں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی موجود ہیں ۔

غیبت و طعنہ زنی اور غضبِ الٰہی

قرآن مجید میں غیبت کرنے والوں اور طعنہ دینے والوں کا حشر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

(الھمزۃ[1] ۱ - ۹)

تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے ، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا ۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا ہرگز نہیں ، وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائیگا ۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ ؟ اللہ کی آگ ، خوب بھڑکائی ہوئی ، جو دلوں تک پہنچے گی ۔ وہ اُن پر ڈھانک کر بند کر دی جائیگی (اس حالت میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہونگے ۔

یہ عذاب کی مادی اور نفسیاتی تصویر ہے بالفاظِ دیگر یہ دوزخ کی حسّی اور روحانی تصویر ہے اس میں جرم ، طریقۂ جزا اور اندازِ عقوبت کا باہم تقابل ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۔ یہ عیب گیر طعنہ زن کی تصویر ہے جسے لوگوں کا مذاق اڑانے ، ان کی عیب گیری کرنے اور ان کی پگڑیاں اچھالنے میں مزہ آتا ہے ۔ وہ مال و دولت جمع کرتا ہے اور اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ یہ مال و دولت ہمیشہ کے لیے اس کی کفالت کرے گا ۔ یہ ایک ایسے متکبر مسخرے کی تصویر ہے جسے اپنی مالی طاقت کا گھمنڈ ہو ۔ دوسری طرف اس کے مقابلے میں اس راندۂ درگاہ مردود کی تصویر ہے جسے کمال بے اعتنائی سے حطمہ میں پھینک دیا گیا ہے ـــــ حطمہ جو اپنے اندر گرنے والی ہر چیز کو پارہ پارہ کر کے تباہ و برباد کر دیتی ہے ـــــ وہ اس کے جاہ و حشمت اور غرور و تکبر کو ملیا میٹ کر دے گی ۔ یہ وہ آتش جہنم ہے جس کے شعلوں کی لپٹیں اس کے دل تک پہنچیں گی ـــــ وہ دل جو غیبت و عیب گیری اور طعن و تشنیع کا اصل منبع اور غرور و تکبر اور تمسخر و استہزاء کا مخزن ہے ـــــ وہ آتش جہنم اسے گھیر لے گی ،

---

[1] نزول کے لحاظ سے ۳۲ ویں سورت ہے ؎

جس میں اس کے سارے ٹھٹھول، اس کی بڑائی اور اس کا تکبر و غرور سب کچھ مجسم ہو جائے گا۔ اس خستہ حال راندۂ درگاہ مردود و مبغوض کی تباہی و بربادی کی کامل تصویر یہ ہے کہ دوزخ کی یہ آگ اس کے چاروں طرف بند ہوگی۔ نہ تو کسی کو اس کے ہالے سے باہر نکلنے کا یارا ہوگا نہ کسی کو اس کے اندر والے کی بابت کچھ پوچھنے کی ہمت؛ اس آگ میں وہ عمودی شکل میں اس طرح بندھا ہوگا جس طرح جانور بیڑیوں سے بندھے ہوتے ہیں!

سورۃ پر ایک نظر ڈالیے تو اکثر الفاظ کی آواز میں تشدید ہے۔ ملاحظہ ہو:

"وَيْلٌ لِكُلِّ ——— الَّذِي ——— عَدَّدَهُ ——— كَلَّا ——— لَيُنْبَذَنَّ ——— تَطَّلِعُ ——— مُمَدَّدَةٍ ———" اس تشدید نے الفاظ کی آواز میں ایک گونج اور لب و لہجہ میں سختی سی پیدا کر دی ہے۔ پھر مدعائے کلام میں مختلف اسالیب سے تاکید پیدا کی گئی ہے۔ مثلاً"

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ﴿٧﴾ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ (ہرگز نہیں! اسے یقیناً حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور آپ کیا جانیں وہ حطمہ کیا چیز ہے؟ وہ غضبِ الٰہی کی بھڑکائی ہوئی ایک آگ ہے جو (جسموں کو لگتے ہی) دلوں تک سرایت کر جائے گی اور ان پر چاروں طرف سے بند کر دی جائے گی)

اس میں بعد کا فقرہ پہلے والے کی تاکید ہے۔ سورۃ کا مجموعی اندازِ بیان بھی تہدید آمیز ہے ایک ایک آیت پر غور فرمائیں؛ وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ ﴿١﴾ ——— كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ——— الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ——— چنانچہ ہر آیت میں پہلی آیت کی نسبت تہدید کا رنگ غالب ہوتا جاتا ہے۔

اسی طرح سارے منظر میں تصویری تناسق کا رنگ بھی موجود ہے۔ جو "عیب گیر" و "طعنہ زن" کے فعل سے پوری پوری موافقت رکھتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ" اس کا مال و دولت ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ اور وہ اسی طرح سدا عیش و عشرت کرتا رہے گا۔!"

دلیلِ وقوعِ آخرت اور انجامِ نیک و بد

قرآن نظامِ کائنات سے وقوعِ آخرت پر دلائل دیتے ہوئے آخرت میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے انجام کا نقشہ ان آیات میں کھینچتا ہے:

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ﴿١﴾ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ﴿٢﴾ وَالنَّاشِرَاتِ قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں پھر

نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ
نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾
وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا
الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ
الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ
فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ
فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ
نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا
فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا
ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ
كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا یُؤْذَنُ
لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا
یَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ
كَیْدٌ فَكِیْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ
الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾
كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَیْلٌ
یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا
لَا یَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾
فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

(المرسلات ۱ تا ۵۰)[له]

طوفانی رفتار سے چلتی ہیں اور (بادلوں کو) اٹھا کر
پھیلاتی ہیں۔ پھر (ان کو) پھاڑ کر جدا کرتی ہیں پھر
(دلوں میں خدا کی) یاد ڈالتی ہیں، عذر کے طور پر یا
ڈراوے کے طور پر، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا
ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر جب
ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائیگا
اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے' اور رسولوں کی
حاضری کا وقت آ پہنچے گا (اس روز وہ چیز واقع ہو
جائے گی) کس روز کے لیے یہ کام اٹھا رکھا گیا
ہے؟ فیصلے کے روز کے لیے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ
وہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ تباہی ہے اس دن
جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک
نہیں کیا؟ پھر انہی کے پیچھے ہم بعد والوں کو چلتا
کریں گے۔ مجرموں کے ساتھ ہم یہی کچھ کیا کرتے
ہیں۔ تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے
لیے۔ کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں
کیا اور ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ
ٹھہرائے رکھا؟ تو دیکھو، ہم اس پر قادر تھے، پس
ہم بہت اچھی قدرت رکھنے والے ہیں۔ تباہی ہے
اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے زمین
کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا، زندوں کے لیے
بھی اور مُردوں کے لیے بھی' اور اس میں بلند و بالا
پہاڑ جمائے' اور تمہیں میٹھا پانی پلایا؟ تباہی ہے
اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ چلو اب اسی
چیز کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو اس

له نزول کے لحاظ سے یہ تینتیسویں (۳۳) سورت ہے۔

سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، نہ ٹھنڈک پہنچانے والا اور نہ آگ کی لپٹ سے بچانے والا۔ وہ آگ محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی (جو اُچھلتی ہوئی یوں محسوس ہوں گی) گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ یہ وہ دن ہے جس میں وہ نہ کچھ بولیں گے اور نہ انہیں موقعہ دیا جائے گا کہ کوئی عذر پیش کریں۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ یہ فیصلے کا دن ہے ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی چال تم چل سکتے ہو تو میرے مقابلہ میں چل دیکھو۔ تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ متقی لوگ آج سایوں اور چشموں میں ہیں اور جو پھل وہ چاہیں (اُن کے لیے حاضر ہیں) کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ کھا لو اور مزے کر لو تھوڑے دن۔ حقیقت میں تم لوگ مجرم ہو۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے آگے جھکو تو نہیں جھکتے۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے اب اس (قرآن) کے بعد اور کونسا کلام ایسا ہو سکتا ہے جس پر یہ ایمان لائیں۔ (المرسلات)

اس سورت میں — جب اسے سورۃ الرحمٰن اور سورۃ القمر (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو — کلام میں ایک خاص نظم و ترتیب نظر آتی ہے۔ اس میں عالمِ آخرت اور عالمِ حاضر کا کامل امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ دنیا و آخرت کے مناظر ملے جلے بیان ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کے نزدیک حیات بعد الممات کا تصور محال ہے اور مرنے کے بعد خدا کے حضور اعمال کی جواب دہی کا عقیدہ جن کی عقل میں نہیں سماتا ان کے سامنے ایسی نشانیاں رکھی گئی ہیں جو خالقِ کائنات کی قدرت کاملہ اور نعمت بالغہ کی شہادت دیتی ہیں اور اُن کے لیے اس دنیا کے ایسے مناظر پیش کیے گئے ہیں جو وقوعِ آخرت پر دلیل محکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی عبادت اور ڈھٹائی کا عالم یہ ہے کہ وہ اس کا انکار اور اس کی تکذیب کیے چلے جا رہے ہیں جس طرح اس دنیا میں موجود بے شمار نشانیاں وقوعِ آخرت پر

براہانِ وجدانی کے طور پر پیش کی گئی ہیں اسی طرح اس نظمِ کلام میں آخرت کی تصاویر براہانِ وجدانی کے طور پر پیش کی گئی ہیں جن کا اثر انسان کے ضمیر اور ادراک پر پڑتا ہے۔ دنیا و آخرت کے مناظر میں ایسا امتزاج ہے کہ ہم دونوں طرح کے مناظر کو ایک دوسرے سے علیٰحدہ نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ یہ بھی اور وہ بھی، دونوں قسم کے مناظر، ایک ہی جگہ ایک ہی مقصد کے لیے پیش ہو رہے ہیں۔ اور وہ ہے وجدان کا اطمینان!۔

سورت کا آغاز قسم سے ہوتا ہے

قسم اور مقسم علیہ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ (قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے چلتی ہیں پھر زور پکڑ کر آندھی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ پھر بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور ان کے ٹکڑے کرتی ہیں۔ پھر ذِکر (بارش) نازل کرتی ہیں۔ عذر کے طور پر یا ڈرانے کے لیے!) یہاں ان اشیاء کے ذِکر سے مقصود ان کی ماہیت بیان کرنا نہیں بلکہ ان کے اوصاف بیان کرنا ہے۔ یہ سب اشیاء روزمرہ کی عام اشیاء ہیں۔ مرسلات (تیز چلنے والی ہوائیں، تیز رفتار گھوڑے، اور سبک رفتار فرشتے) جان پہچان کے لحاظ سے بالکل عام ہیں۔ اسی طرح عاصفات (تند و تیز چلنے والی) اپنی اوضاع مختلفہ کے لحاظ سے عام ہیں۔ یہ اپنے آثار کو اٹھا کر منتشر کرنے والی، اشیاء کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی اور ان کی ہیئتوں کو جدا جدا کرنے والی، بارش کو عذر کے طور پر یا ڈرانے کی خاطر نازل کرنے والی ہیں۔ یہ "مرسلات" ہیں کیا؟ یہاں ابہام بھی ہے اور عموم بھی۔ دونوں سے ہولناکی پیدا کرنا مقصود ہے۔ کتبِ تفاسیر میں مفسرین کی مختلف آراء ملتی ہیں۔ بعض کے نزدیک ان سے مراد ملائکہ کے گروہ ہیں۔ بعض کے نزدیک آیاتِ قرآنی یا ارواحِ بشری ہیں اور بعض کے نزدیک تند و تیز ہوائیں۔

میرا خیال ہے کہ "مرسلات" کا ذِکر مبہم انداز ہی میں آیا ہے۔ تاکہ ان پر اسی طرح ابہام کا پردہ پڑا رہے کہ جن کی کُنہ اور اصلیت سے تو ہم بے خبر رہیں۔ البتہ ان کی صفات و علامات ہمارے پیشِ نظر ہوں۔ اور ہمارے حس و ادراک پر ان کا اثر سحر کی مانند ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ "مرسلات" ایسی مخفی قوتیں ہیں جن کے ظاہری آثار تو نظر آتے ہیں لیکن ان کی اصل حقیقت دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے آثار ان کیفیات کے رہینِ منت ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں یہی حقیقت اس مخفی قوتِ قاہرہ کی دلیل ہے جو روزِ قیامت کی مالک ہے۔

ہمہ گیر انقلابِ عالم اور انبیاء کی شہادت

ان قوتوں کی قسم کھا کر اس بات کی شہادت دی گئی ہے کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو گی — اس کے بعد کائنات کی منظر کشی شروع ہوتی ہے۔ قدرت کے تمام مظاہر ایک ہمہ گیر انقلاب سے دوچار ہیں۔ اجرامِ فلکی تہ و بالا ہو رہے ہیں۔ تارے ماند پڑ گئے ہیں نہ ان میں نور ہے نہ روشنی۔ آسمان پھٹ گیا ہے۔ اس میں بڑے بڑے شگاف اور دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ پہاڑ پاش پاش ہو گئے ہیں۔ نہ ان میں کششِ ثقل باقی رہی ہے نہ جمود و صلابت۔ ہر سُو ایک قیامت برپا ہے۔ وعدے کی وہ گھڑی آن پہنچی ہے جبکہ رسول دربارِ الٰہی میں حاضر ہو کر یہ شہادت دینے والے ہیں کہ ہم نے نوعِ انسانی کو ہدایاتِ ربانی پہنچا دی تھیں۔ اور اپنی طرف سے انہیں اللہ کے راستے پر بلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وعدے کی یہی گھڑی فیصلے کا وہ دن ہے جو اس وقت برپا ہے۔ یہ بہت ہی ہولناک دن ہے۔ اس دن اُن لوگوں کے لیے سخت تباہی ہے جو خدا، اس کے رسولوں اور یومِ آخرت کو جھٹلاتے ہیں۔

دنیا و آخرت میں منکرینِ حق کی تباہی

مناظرِ قیامت میں جب ایک منظر ختم ہوتا ہے تو اس کا اختتام حق کے جھٹلانے والوں کی تباہی پر ہوتا ہے پھر دنیا کا کوئی منظر شروع ہو جاتا ہے اور اس میں اس بات پر آخری دلیل دی جاتی ہے کہ حق کی تکذیب کرنے والوں کو عبرت ناک سزا دینے پر قادرِ مطلق کو پوری قدرت اور زبردست قوت حاصل ہے حتیٰ کہ قیامت سے پہلے بھی سزا دینے پر وہ پوری طرح قادر ہے " أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ — کیا ہم نے پچھلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا ہے اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کو ہلاکت کے گڑھے میں نہیں پھینکا ہے ؟" ہاں! کیوں نہیں ؟ ایسا ضرور ہوا ہے — كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٨﴾ — ہم دنیا و آخرت میں مجرموں کا یہی حشر کرتے ہیں یُوں آخرت کے جھٹلانے والوں کے لیے تباہی و بربادی یقینی ہے۔

تخلیقِ انسانی کے مراحل

اب تیسرا منظر شروع ہوتا ہے۔ یہ گویا ابتدائے آفرینش سے تخلیقِ انسانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس ہستی نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتی ہے۔ جس ہستی نے انسان کو پہلی بار وجود بخشا ہے وہ اسے دوبارہ بھی عالمِ ہست میں لا سکتی ہے اور جس ذاتِ یکتا نے تخلیقِ کائنات کا ہر مرحلہ ایک نظم و ترتیب اور حکمت و دانائی سے سر انجام دیا ہے وہ تخلیقِ انسان کو بلا حکمت و بے مقصد

کیسے چھوڑ سکتی ہے؟ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (کیا ہم نے تم کو ایک حقیر قطرۂ پانی سے نہیں پیدا کیا؟ پھر اس پانی کو ایک وقتِ مقرر کے لیے ایک مستقر میں ٹھہرایا۔ پھر ہم نے ٹھیک ٹھیک اس کا وقت مقرر کیا ہم کیسے اچھے مقدار مقرر کرنے والے ہیں!) ہاں کیوں نہیں! بالکل درست ہے! اسی لیے اس حقیقت کی تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔

دنیوی زندگی اور سامانِ عبرت اس کے بعد چوتھا منظر شروع ہوتا ہے۔ اس میں اس زمین کا منظر پیش کیا گیا ہے جو برتن کی طرح اپنے اندر سب کچھ سمیٹے ہوئے ہے — زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی — یعنی زندگی میں بھی اس میں انسان کی بقائے حیات کا سامان موجود ہے اور مرنے کے بعد بھی اجزائے جسم انسانی کو وہ اپنے اندر محفوظ رکھنے والی ہے کہ وہ ضائع نہیں ہونے پائیں گے۔ وہ زمین جس میں بلند و بالا پہاڑ اور میٹھا پانی ہے۔ کیا اس عظیم الشان کارنامۂ تخلیق و نظامِ بقاء میں کوئی ایسا سامانِ عبرت نہیں جو ان کے شرحِ صدر کا باعث اور ذریعۂ ایمان ہو؟ کیوں نہیں! یقیناً اس میں سامانِ عبرت موجود ہے۔ لیکن اتنا بڑا سامانِ عبرت موجود ہونے کے باوجود جو لوگ حقیقت کو جھٹلاتے ہیں ان کے لیے تباہی کا سامان مقدر ہو چکا ہے۔

جب یہ تصویر ان مناظر کو لیے ہوئے آخری مرحلے میں پہنچتی ہے جو دنیا میں اُن کی آنکھوں کے سامنے انجام پذیر ہوتے ہیں — یعنی گزرنے والی نسلوں کے موت و حیات کا منظر ہے جو عین آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتا نظر آتا ہے، حیاتِ انسانی کا منظر ہے جس میں انسانی زندگی کا آغاز حقیر قطرۂ پانی سے ہوتا ہے اور ایک طے شدہ نظام کے تحت وہ نشو و نما پاتی ہے، پھر زمین کا منظر ہے جو انسانوں کو زندگی کی حالت میں سامانِ زیست اور مرنے کے بعد اپنے اندر جائے حفاظت مہیا کرتی ہے۔ جس میں بڑے بڑے اونچے اور مضبوط پہاڑ کھڑے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور پانی کی ندیاں سیاہ ناگوں کی طرح بل کھاتی بہہ رہی ہیں — اور یہ سب کچھ دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

مکذبینِ حق اور آتشِ جہنم جب یہ سارا منظر دنیا میں ان کی نگاہوں کے سامنے گزرتے ہوئے اپنے انجام کو پہنچتا ہے تو حق کی تکذیب کرنے والے لوگوں کو یوں ڈانٹ پلاتے اور سرزنش کرتے ہوئے میدانِ آخرت کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے

—— اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (چلو تم اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے)۔ لو وہ دیکھو! وہ حقیقت اب تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے! یوم آخرت کی تصویر کشی کے لیے قرآن نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ یعنی اسے ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ گویا وہ دن آنکھوں کے سامنے موجود ہے —— " اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ —— " (چلو تم اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں) یہ جہنم کے دھوئیں کا سایہ ہے۔ ایسا سایہ جو نہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہے، نہ آگ سے بچانے والا۔ یہ ایسا سایہ ہے جس میں نہ صرف یہ کہ کوئی راحت و آسودگی نہیں بلکہ جس سے گلا گھٹتا ہے۔ سایے کا نام تو اسے محض اس لیے دیا گیا ہے کہ کلامِ الٰہی —— اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ —— چلو تم اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے —— میں جو سرزنش کی جا رہی ہے، اس کا اثر دیر پا ہے۔ یہ سایہ! یہ آرام و آسودگی؟ —— یہ تو محض ایک تمنا اور آرزو ہوگی۔ قبل اس کے کہ ان کے دل میں اس کا گزر ہو وہ اس میں گھٹن اور تکلیف محسوس کریں گے۔ وہ دیکھنے میں سایہ تو ضرور ہوگا لیکن اس میں راحت و آسودگی نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی —— " پس چلو تم اس کی طرف " —— یہاں " اس " کے نام کی بھی چنداں حاجت نہیں۔ محض اشارہ کافی ہے۔ کیونکہ تم سب اسے اچھی طرح جانتے ہو —— ہاں! وہ تو آگ کے شرارے ہیں —— گویا وہ بہت بڑا مضبوط درخت ہے جس کی جلتی ہوئی لکڑی سے شعلے نکل رہے ہیں۔ اور وہ آگ کی چنگاریاں پھینک رہی ہے۔ کتنا ہولناک منظر ہے یہ! شرارہ —— آگ کی یہ " چھوٹی " سی چنگاری —— اور پوری جلتی ہوئی پوری کی چنگاریوں کا شمار؟ —— بے حساب ——۔ غرضیکہ ان بے شمار چنگاریوں کی مجموعی ضخامت بڑی ہولناک ہے ضخامت میں پہلی تشبیہ کے بعد دوسری تشبیہ مزید تاکید کے لیے ہے: " كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (گویا وہ سفید رسیاں ہیں) یعنی وہ جہاز کی موٹی رسیوں کی مانند ہیں۔ عین اس گھڑی جبکہ حواس انسانی اس ہولناک منظر میں گم ہو جاتے ہیں یوں وعید سنائی جاتی ہے اور برے انجام سے یوں چوکنا کیا جاتا ہے —— وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ —— (اس دن حق کو جھٹلانے والوں کے لیے تباہی و بربادی ہے)۔

قیامت کی ہیبت ناکی اور پوری نوعِ انسانی جھربلب جہنم کی صورت میں اس محسوس مادی ہولناکی کا نظارہ پیش کرنے کے بعد نفسیاتی خوف و دہشت پیدا کی گئی ہے جس سے منظر مقصد کے لحاظ سے درجۂ کمال کو پہنچ

جاتا ہے۔ انسانی حس اس مادی اور نفسیاتی خوف و دہشت میں پوری طرح مستغرق ہو جاتی ہے اور دل کی گہرائی میں یہ بات پوری طرح اتر جاتی ہے کہ " هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (یہ وہ دن ہے جس میں مجرم لوگ بول نہیں سکیں گے نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی) یہ ہیبت ناک بے بسی، وہ بے چارگی جس میں دم مارنے کی مجال نہ ہو اور یہ وحشت انگیز سکوت و خاموشی، جس کی مہر کوئی عذر معذرت نہ توڑ سکے اس کے دبیز پردوں میں ہولناکی ہی ہولناکی ہے۔ یہ ایک ایسا وقت ہے جبکہ توبہ و انابت کی گھڑیاں گزر چکی ہیں۔ ہر سو یاس و قنوطیت اور سکوت و بے چارگی کا عالم طاری ہے۔ اور یہ کوس خداوندی گونج رہا ہے :- " وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ —— هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ : " یہ دراصل " فیصلے " کا دن ہے۔ عذرات پیش کرنے کا دن نہیں " جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ آج ہم نے تمہیں بھی اور تم سے پہلوں کو بھی یک جا جمع کر دیا ہے۔ ہر ایک کا بدلہ چکانے میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی —— فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ آخرت کے اس انجام سے بچ نکلنے کی کوئی چال تم چل سکتے ہو تو چل لو۔ اور کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔—— اُف! کوئی کیا کر سکے گا —؟ ایک تکلیف دہ سرزنش کے جواب میں مطلق خاموشی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ ہر شخص مہر بلب ٹکٹکی باندھے کھڑا ہو گا۔

جنّت میں اہلِ ایمان کی ضیافت

بنی نوع انسان کے اس حاضر مجمع عام کے سامنے جب اس طرح کی تنبیہہ و سرزنش کا دور ختم ہو گا تو متقی اور پرہیزگار لوگوں کی چھانٹی کا عمل شروع ہو جائے گا —— مجرمین کے اس تکلیف دہ منظر کے برعکس ان کا حال یہ ہو گا کہ وہ ٹھنڈے اور گھنے سایے میں بہاریں لوٹ رہے ہوں گے ——

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ —— یہ سایے حقیقی سایے ہوں گے " تین شاخے " سایے نہیں ہوں گے کہ جو نہ ٹھنڈک پہنچائیں اور نہ آگ ہی سے بچائیں۔ آب خنک کے چشمے بہہ رہے ہوں گے اور وہ آگ کی لپٹوں سے کوسوں دور ان چشموں میں بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ ان کی پسند کے پھلوں سے ان کی تواضع ہو گی —— وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ——

اس سے بھی بڑھ کر ان کی وہ عزت و تکریم ہو گی جس کی عظمت و تقدیس سب کے سامنے سب کے کانوں میں ان الفاظ میں گونج رہی ہو گی —— كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (جو نیکیاں تم دنیا میں کرتے رہے ان کے بدلے میں آج مزے سے کھاؤ اور پیو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں) اس اعلیٰ و ارفع عشق اور صاحب

عظمتِ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے یہ تکریم اور یہ عزت افزائی! سبحان اللہ! اس کا کیا کہنا!۔ نافرمانوں کے لیے محض دُنیا رہے حق کے جھٹلانے والے! سو ان کے لیے اس روز تباہی و بربادی ہے۔ ارشاد ہوگا كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ "اے مجرمو! اس دنیا میں تھوڑا سا چر چُگ لو۔ بہر حال تم سرکش و نافرمان ہو تمہیں وہ عزت و تکریم ہرگز نصیب نہیں ہوگی جو نیکوکاروں اور خدا سے ڈرنے والوں کی تم دیکھ رہے ہو۔۔۔ یہاں یکے بعد دیگرے دو فقروں میں دنیا و آخرت کا ذکر ایک ہی جگہ آیا ہے پیشِ نظر وہ مناظر میں یوں لگتا ہے جیسے دنیا و آخرت دونوں نگاہوں کے سامنے موجود ہیں۔ اگرچہ ان میں سے ایک کی آمد صدیوں کے بعد ہوئی ہو۔ خطاب کا رُخ آخرت میں یہاں پرہیزگاروں کی طرف ہے وہاں دنیا میں اس کا رُخ منکرین و مکذبینِ حق کی طرف ہے۔ گویا انہیں یوں کہا جا رہا ہے "اب دونوں گروہوں کے کھلے کھلے فرق کا مشاہدہ کر لو۔" پھر مکذبین کی بابت ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ (جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی بندگی میں جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے) حالاں کہ وہ اس وقت اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھتے ہیں اور اپنے کانوں سے وہ سب کچھ سنتے ہیں جو کچھ متقین و مکذبین سے کہا جا رہا ہے! فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے) ہائے! اس مشاہدہ کے بعد اب وہ کس دلیل کے منتظر ہیں!۔

کسی منظر کا اس انداز میں پیش کرنا بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن یہ اندازِ بیان انسان کے حس پر گہرا اثر ڈالنے والا اور دل کی گہرائی میں زیادہ اترنے والا ہے۔ کلامِ الٰہی کا قاری و سامع اس طرح منظر میں پوری طرح محو ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کلامِ الٰہی کے پیش کردہ مناظر میں حرکت بھی موجود ہے اور وہ مجسم بھی نظر آتے ہیں۔ اُن پر تینوں زمانے (ماضی، حال اور مستقبل) وارد ہوتے ہیں۔ اور آن کی آن میں آنکھوں کے سامنے پردۂ عدم میں چلے جاتے ہیں۔

پیشیٔ آخرت اور اتمامِ حجت

قبروں سے نکلنے کے بعد انسان کس طرح دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام کے بیان کردہ حقائق کس طرح ٹھوس حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے۔ فیصلے سے پہلے کس طرح اتمامِ حجت کر دیا جائے گا اور امن و سلامتی اور انعام و اکرام سے کون

لوگ بہرہ ور ہوں گے یہ منظر قرآن کے الفاظ میں یوں ہے :-

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ ؕ اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَىَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِىَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

(سورۃ قٓ[1] ۱۹ - ۳۵)

پھر دیکھو، وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور پھر صور پھونکا گیا۔ "یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اس حال میں آ گیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔ اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا، ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا۔ سو آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔ اس کے ساتھی نے عرض کیا "یہ جو میری سپردگی میں تھا حاضر ہے۔" حکم دیا گیا: "پھینک دو جہنم میں ہر کٹے کافر کو جو حق سے عناد رکھتا تھا خیر کو روکنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔ شک میں پڑا ہوا تھا اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ ڈال دو اسے سخت عذاب میں۔" اس کے ساتھی نے عرض کیا "خداوندا میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔" جواب میں ارشاد ہوا۔ "میرے حضور جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی انجامِ بد سے خبردار کر چکا تھا۔ میرے ہاں بات پلٹی نہیں جاتی۔ اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم توڑنے والا ہوں۔ وہ دن جبکہ ہم جہنم سے پوچھیں گے "کیا تو بھر گئی؟" اور وہ کہے گی "کیا اور کچھ ہے؟" اور جنت متقین کے قریب لے آئی جائے گی، جو کچھ بھی دور نہ ہو گی۔ ارشاد ہوگا "یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے والا اور بڑی نگہداشت کرنے والا تھا، جو بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا۔ اور جو دل گرویدہ لیے ہوئے آیا ہے۔" داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ" وہ دن حیاتِ ابدی کا دن ہو گا۔ وہاں ان کے لیے وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے۔ اور ہمارے پاس اس سے زیادہ بھی بہت کچھ

---

[1] نزول کے لحاظ سے یہ ۳۴ویں سورت ہے۔

ان کے لیے ہے؟

اس منظر کا آغاز دنیا میں اور اس کا انجام آخرت میں ہوتا ہے۔ یہاں دنیا اور آخرت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ نہ دونوں کا درمیانی فاصلہ کسی طرح دُور ہے۔ سورۃ ق ساری کی ساری زندگی بعد موت کے وہ حالات بیان کرتی ہے جنہیں خدا کے سرکش باغی اور کافر لوگ بڑی شدت سے جھٹلاتے ہیں ——— بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۝ ——— (بلکہ ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہُوا کہ ایک خبردار کرنے والا خود انہی میں سے ان کے پاس آگیا۔ پھر منکرین کہنے لگے "یہ تو عجیب بات ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بعید ہے۔")

پوری کائنات نشأۃ ثانیہ پہ ایک دلیل ہے

اس تکذیب کے جواب میں منکرینِ آخرت کے سامنے کائنات کی وہ تصاویر لا کر رکھ دی گئی ہیں جن کا مشاہدہ وہ دنیا کی زندگی میں کر چکے ہیں:

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

(سورۃ ق ۶ - ۱۱)

اچھا تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اُسے بنایا اور آراستہ کیا؟ اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اُگا دیں۔ یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا، پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کر دیے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بر تہ لگتے ہیں۔ یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا۔ اس پانی سے ہم ایک مُردہ زمین کو زندگی بخش دیتے ہیں (مرے ہوئے انسانوں کا زمین سے) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔

(سُورۃ ق - ۶ - ۱۱)

یوں جب تخلیقِ عالم، زمین میں نباتات کی بالیدگی اور آسمان سے برسنے والے پانی

سے مُردہ زمین میں دوبارہ روئیدگی نمودار ہوجانے کا یہ منظر ختم ہوتا ہے — اور یہ سب کے سب وہ مناظر ہیں جن کا انسان دنیا کی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں اور ان میں پوشیدہ اس گہری اور مُنہ بولتی دلیل سے بے اعتنائی اور غفلت کے ساتھ گزر جاتے ہیں جو ہر چیز کو دوبارہ زندہ کرنے اور زمین سے نکال باہر کرنے پر خدا کی قدرت ظاہر کرتی ہے — تو فرمان ہوتا ہے "كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ!" — زمین سے مرے ہوئے انسانوں کا نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔

بعدازاں اُن سے پہلے کے منکرینِ حق اور مکذّبینِ آخرت — قوم عاد و فرعون، قوم لوط، اصحاب ایکہ اور قوم تُبّع — کی تاریخ فلم کی طرح نگاہوں کے سامنے آنی شروع ہوجاتی ہے۔ ان کی کش مکشِ حیات کا یہ ذکر اختصار سے ہوتا ہے۔ دوبارہ زندہ کرنے اور قبروں سے مُردوں کو نکال باہر کرنے پر خدا کی قدرت کی ان کھُلی کھُلی نشانیوں کے بعد ان شواہد کا بیان ہے جن سے تباہی و بربادی اور ہلاکت خیزی پر اس کی قدرت ظاہر ہوتی ہے

دنیوی زندگی کی ایک ایک حرکت کا ریکارڈ

موت و حیات کے اس نقشے کے بعد کلامِ الٰہی اس بات کی تصویر پیش کرتا ہے کہ کس طرح خالقِ کائنات نے مرنے کے بعد انسانوں کے حساب کتاب کی تیاری کے لیے ابھی سے دنیا کی اس زندگی ہی میں مخلوقات کی نگرانی اور ان کے ہر ہر قول و فعل کے ریکارڈ کرنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾

(سورۃ قٓ ١٦-١٨)

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (اور ہمارے اس براہِ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اُس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔

اس سے اندازہ ہُوا کہ انسان کو یونہی شُتر بے مُہار نہیں چھوڑ دیا گیا۔ بلکہ اس کے تمام اعمال کا باقاعدہ حساب رکھا جا رہا ہے۔ ہر انسان پر دو فرشتے موجود ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور اس کا کوئی قول و فعل ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا

قرآن کے اندازِ بیان میں جس طرح میزانِ عدل و انصاف کو اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو مجسم صورت میں پیش کیا گیا ہے، بالکل اسی طرح انسان کے جملہ اعمال کا ریکارڈ مرتب کرنے اور اس کے اوپر ہمہ وقت نگرانی رکھنے کی یہ مجسم صورت ہے۔ یہ چیز اس طرزِ تصویر کشی کے ساتھ لگا کھاتی ہے۔ جسے قوتِ حاسّہ محسوس کرتی اور قوتِ متخیلہ جس کا احاطہ کرتی ہے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ (سورۃ قٓ ۱۹-۲۰)

پھر دیکھو، وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی۔ یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور پھر صُور پھونکا گیا" یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔

سلطانِ عالم کے دربار میں پیشی

اس کے بعد ہماری نگاہیں سامنے میدانِ حشر کی طرف اٹھتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کے ساتھ ایک اس کو پیچھے سے ہانکے چلا جا رہا ہے۔ اور ایک اس پر گواہی دینے کی خاطر چلا آ رہا ہے۔ ہر شخص! ـــــ ہاں ہر وہ شخص جس کی زندگی بھر کی کارگزاریوں کا حساب لیا جانے والا ہے اور جس کے جملہ اعمال، جس کی تمام حرکات و سکنات، جس کی نیتوں اور جس کے دل کے وسوسوں تک کا باقاعدہ ریکارڈ مرتب کیا گیا ہے ـــــ بس اب کیا ہے؟ ہر شخص آ گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ دو نگران بھی ہیں۔ یہ دیکھئے! اب اسے مخاطب کر کے یوں جھنجھوڑا جا رہا ہے اور یوں سرزنش کی جا رہی ہے: لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ (اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا۔ اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے) گویا آج وہ سب کچھ اسے کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے جس پر دنیا میں غفلت و ہٹ دھرمی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

پھر ایک ساتھی آگے بڑھتا ہے ـــــ قرآن کی دوسری سورتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ساتھی" شیطان ہے جو دنیا میں ہر گمراہ اور نافرمان کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ اور اُسے گمراہی کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ اگرچہ قیامت کے روز اس کے گناہوں کی ذمہ داری سے برأت کا اظہار کرے گا۔ اور اس پر گواہی دے گا ـــــ یہ ساتھی آگے بڑھ کر کہتا ہے۔ اس بندے کے جو حالات میرے علم میں ہیں وہ پیشِ خدمت ہیں: هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ (یہ جو کچھ میرے پاس تھا حاضر ہے) اس وقت بارگاہِ خداوندی

سے حکم صادر ہوگا۔ وہ حکم جسے ٹالنے کی کسی میں ہمّت نہ ہوگی! اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ (ڈال دو جہنم میں ہر کٹّے کافر کو جو حق سے عناد رکھتا تھا خیر کو روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔ شک میں پڑا ہوا تھا اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ ڈال دو اسے سخت عذاب میں۔) پھر دنیوی زندگی میں اس کا ساتھی شیطان آگے بڑھتا ہے اور اسے گمراہی کی طرف ورغلانے کے الزام سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ —— (خداوندا! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا، بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا) لیکن بارگاہِ الٰہی سے فوراً خاموش رہنے کا حکم ہوتا ہے کہ یہ دن لڑنے جھگڑنے کا نہیں ہے لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۔۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ —— (میری بارگاہ میں جھگڑا مت کرو، میں نے تمہیں پہلے ہی انجامِ بد سے خبردار کر دیا تھا۔ یہاں میری بات پلٹی نہیں جا سکتی) اور جو کچھ ریکارڈ میں موجود ہے اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا نہ میں اپنے بندوں پر ظلم ہی کرنے والا ہوں —— وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ یہاں تو ہر شخص کو اپنے کئے کی سزا مل کر رہے گی۔

قیامت کے روز دوزخ کی تکرار یہاں تک مشہد ایک سین اور باہمی مکالمے پر منحصر ہے جو گنہگار کے دوزخ میں ڈالے جانے پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد دوزخ کا منظر بھی اسی طرح پیش کیا جاتا ہے گویا وہ بھی زندہ کردار کی حیثیت میں اس مکالمے میں شریک ہے اور اپنی ہولناکی کی داستان خود اپنی زبانی بیان کرتی ہے۔ اس طرح استعراضی طرزِ بیان سے مشہد کے کرداروں اور اس کی دوسری جزئیات کے درمیان باہم پورا پورا تناسق و تطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس اندازِ بیان میں جب تک باہمی گفت گو جاری رہتی ہے منظر میں پیش کردہ جملہ حاضرین کے ساتھ ساتھ جہنم سے بھی کلام جاری رہتا ہے۔ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ (وہ دن جس دن ہم جہنم سے کہیں گے "کیا تو بھر گئی؟" اور وہ جواب میں کہے گی "کیا اور کچھ ہے؟") اس سوال و جواب سے عالمِ خیال میں اس گفتگو کے پس منظر میں منظر کا وہ عکس ابھرتا ہوا نظر آتا ہے جس میں اس کی واضح تصویر جھلکتی دکھائی دیتی ہے —— گویا جہنم کا منہ کھلا ہے اور انسانوں کے جسم ایندھن کی طرح اس میں جھونکے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اس میں انسانی ایندھن کے انبار لگ گئے

ہیں۔ اور جہنم کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے "کیا تو بھر گئی؟" اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ وہ فی الواقع بھر چکی ہے لیکن جو کچھ اُس میں جھونکا گیا ہے وہ سب کچھ اس نے بھسم کر لیا ہے۔ اس کی آگ بھڑک رہی ہے اور وہ منہ پھاڑے مزید ایندھن کا تقاضا کر رہی ہے ــــــــــــــ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ؟ ــــــــ

جنّت اہلِ ایمان کے قریب ہوگی

عین اس وقت جب کہ لوگوں کی نگاہیں اس خوفناک منظر پر لگی ہوں گی۔ دوسری جانب جنّت ان لوگوں کے بالکل نزدیک کر دی گئی ہوگی جو اپنی زندگی خدا سے ڈر کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارنے والے ہوں گے۔ وہاں ان کی ایسی عزّت و تکریم ہوگی اور ایسی محسوس نعمائے جنّت سے بہرہ ور ہوں گے جن کے بیان میں ادبی چاشنی کا رس گھول دیا گیا ہے۔ چنانچہ ملائے اعلیٰ سے یہ ندائے سکون پرور سماعت نواز ہوگی۔ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاۗءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ (اور جنّت متقین کے بالکل نزدیک لا کر رکھ دی گئی ہے۔ جو کچھ بھی دور نہیں۔ (ارشاد ہوگا) یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہر اس شخص کے لیے ہے جو بہت رجوع کرنے والا اور بڑی نگہداشت کرنے والا تھا۔ جو دنیا میں بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا اور جو یہاں دل گرویدہ لیے ہوئے آیا ہے۔ داخل ہو جاؤ جنّت میں سلامتی کے ساتھ" ــــ وہ دن حیاتِ ابدی کا دن ہے) پھر نعمتِ ابدی سے لطف اندوز ہونے والوں پر اظہارِ خوشنودی اور ازدیادِ نعمت کی خاطر از راہِ عنایت خصوصی ارشاد ہوگا" لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ (ان کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ تمنّا کریں (ہاں! ہاں! کیوں نہیں!) اور ہمارے پاس تو ان کے لیے اس سے بھی زیادہ بہت کچھ ہے!)۔

یہ منظر بولتا چالتا متحرک منظر ہے۔ جس میں تمام حرکات و سکنات متواتر محسوس و مجسّم صورت میں نظر آتی چلی جاتی ہیں اور کرداروں کی باہمی گفتگو اس میں زندگی اور حرارت کی لہر دوڑاتی چلی جاتی ہے۔ یہی نہیں اس باہمی گفتگو کا سرا جہنم تک جا پہنچتا ہے۔ یہ گفتگو ہماروں طرف سے مُردوں کے نکل کھڑے ہونے کے منظر میں پوری پوری یکسانی اور تطابق پیدا کر دیتی ہے۔

یہ منظر چونکہ وجدان اور دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کرنے والا ہے، اس

لیے اپنے مقصد کو نہایت خوبی کے ساتھ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور کلاسیکی اعتبار سے اب ذہ کے وسیع میدان میں یوں بے روک ٹوک آگے بڑھتا ہے کہ غرض و غایت کی حد بندیاں بھی اس کی جولانی کو محدود نہیں کر سکتیں۔

تخلیقِ انسان اور وقوعِ آخرت

انسان کی پیدائش کی حقیقت کیا ہے؟ صُلبِ انسانی سے ٹپکنے والی ایک بُوند! وہ ہستی جو اس بُوند سے انسان کو پیدا کرنے پہ قادر ہے وہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً ہے! سورۃ "الطارق"[1] میں یہ حقیقت بڑے بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣ إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝٤ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧ إِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝١١ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝١٢ إِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤ إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝١٥ وَّأَكِيْدُ كَيْدًا ۝١٦ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝١٧

(الطارق ۱-۱۷)

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور تم کیا جانو کہ وہ رات کو نمودار ہونے والا کیا ہے؟ چمکتا ہوا تارا۔ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو۔ پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یقیناً وہ (خالق) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا۔ قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی اور (نباتات اُگتے وقت) پھٹ جانے والی زمین کی، یہ ایک جچی تلی بات ہے ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ کچھ چالیں چل رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔ پس چھوڑ دو اے نبیؐ ان کافروں کو اک ذرا کی ذرا ان کے حال پہ چھوڑ دو۔

یہاں روزِ آخرت کی تصویر مادی کی بجائے معنوی اور خیالی ہے۔ جس میں یہاں خاطر دل پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیے جائیں گے۔ اس دن نہ تو خود انسان کے اندر کوئی طاقت اُسے عذابِ الٰہی سے بچانے والی ہوگی۔ نہ کوئی دوسرا اس کا حامی و ناصر ہوگا۔ اس کے دل

---

[1] نزول کے لحاظ سے ۳۶ ویں سورت ہے۔ اس سے پہلی سورت البلد میں قیامت کا کوئی منظر بیان نہیں ہوا۔

کا بھید کھلا ہوگا - اور وہ خود عاجزی و بے بسی کا شکار بالکل بے یار و مددگار ہوگا۔ تصویر میں ایک مناسب فضا اور موزوں ماحول کے اندر، تصویر کی اہمیت نمایاں کرنے کے لیے پرواز تخیل اور مرکزی تصویر کے گرد پھیلے ہوئے تمام کرداروں کے درمیان گہرا ربط و تعلق موجود ہے۔

تاریکی میں روشن تارا

سورۃ کا آغاز قسم سے ہوتا ہے۔ قسم آسمان اور رات کو نمودار ہونے والے کی ہے۔ یہ رات کو نمودار ہونے والا مجہول الحال اور بے پتہ ہے۔ اس کی اہمیت جتاتے ہوئے اور اس سے اظہارِ بے خبری کرتے ہوئے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ (اور آپ کیا جانیں کہ وہ رات کو نمودار ہونے والا کیا ہے) پھر خود ہی جواب دیا جاتا ہے "النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (وہ روشن و تاباں تارا ہے) جو رات کی تاریکی میں طلوع ہوتا ہے۔ جس کی کرنیں تاریکی میں سے جھلملاتی ہوئی ابھرتی اور جس کی تابانی سے تاریکی کی گھٹائیں چھٹتی ہیں۔ گویا علیم و خبیر ذات اس تارے کی قسم کھاتی ہے جو تاریکی میں جگمگاتا ہے اور جس کی شعاعیں تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی پھیلتی ہیں ۔ وہ قادرِ مطلق اس بات پر قسم کھاتا ہے کہ ہر نفسِ انسانی پر ایک نگران و نگہبان مقرر ہے۔ اگرچہ یہ نفسِ انسانی پوشیدہ اور مخفی ہے لیکن یہ نگران و نگہبان اس تک رسائی حاصل کرتا اور اس کے دل کے بھیدوں نیز اس میں پیدا ہونے والے تمام وسوسوں کو ریکارڈ کرتا ہے۔ اور اس وقت ان کا پردہ چاک کرتا ہے جبکہ ہر حقیقت کھول کر رکھ دی جائے گی۔ اس نگران کو رات کے وقت نمودار ہونے والے روشن تارے کے ساتھ کیسی حسین تشبیہ دی ہے۔ اس پہلو سے لفظی تصویر کا پروازِ تخیل کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے۔

انسان کی ابتدا

اب ہم تصویر کے دوسرے پہلوؤں کو لیتے ہیں:-

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (پس انسان کو اپنی حقیقتِ پیدائش پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ آخر وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ اچھل کر نکلنے والے اس قطرۂ پانی (نطفہ) سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور عورت کی پسلیوں سے نکلتا ہے) اچھل کر نکلنے والا پانی کا یہ قطرہ طبیعتِ انسانی کے اندر نامعلوم اندھیاروں سے اس طرح پھوٹ نکلتا ہے جس طرح روشنی کی شعاعیں تاریکی کے شکم سے پھوٹ نکلتی ہیں۔ وہ ذاتِ حق جو اس قطرے کو رحمِ مادر میں منتقل کرتی ہے وہی ہستی اسے اُس روز واپس لوٹانے پر بھی پوری طرح قادر ہے جس روز سینوں کے راز ظاہر کر دیے جائیں گے۔

گویا رحمِ مادر میں منتقل کرنے اور واپس لوٹانے کے درمیان ہیئت و حرکت کے لحاظ سے تطابق و تناسق کے مختلف پہلوؤں میں سے یہ ایک پہلو ہے ـــــ اور آگے چلئے۔

بارش اور روئیدگی ـــــ ایک دلیل

ہم دیکھتے ہیں کہ کلام قسم کی ایک اور شہادت لیے آگے بڑھتا ہے۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (قسم ہے آسمان کی جو موسلا دھار بارش لاتا ہے اور زمین کی جو نباتات کی روئیدگی سے پھوٹ جاتی ہے۔ بے شک وہ قرآن تو قول فیصل ہے وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے۔)

"الرجع" موسلا دھار بارش اور "الصدع" نباتات کی روئیدگی سے زمین کا پھوٹ جانا ہے۔

یہاں بھی ہمیں گزشتہ مناظر کے ساتھ گہرے ربط و تعلق کے کئی پہلو نظر آتے ہیں موسلا دھار برسنے والی بارش اور روئیدگی سے زمین کا پھٹ جانا دونوں اپنی ہیئت و حرکت میں ایک لحاظ سے اس روشن تارے کی مانند ہیں جو تاریکی کو چیر کر ابھرتا ہے۔ دوسری طرف یہ اس اچھلنے والے پانی کی طرح ہیں جو مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور عورت کی پسلیوں سے نکلتا ہے۔ نیز اس رحم کی مانند جس کا منہ بچے کی پیدائش سے کھل جاتا ہے۔ جیسے نباتات کی روئیدگی سے زمین پھٹ جاتی ہے۔ گویا ان کے پیچھے ایک ایسی قوت پوشیدہ و مخفی ہے جس کے سبب دونوں کا منہ حیاتِ نومولود کی خاطر کھل جاتا ہے۔

پھر باہمی ربط کا ایک اور پہلو بھی ہے۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (نہ اس میں طاقت ہوگی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا) ــــ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ــــ (قسم ہے آسمان کی جو موسلا دھار بارش برساتا ہے اور زمین کی جو نباتات کی روئیدگی سے پھوٹ جاتی ہے)۔

"رجع" اور "صدع" میں تندی و تیزی اور چاک ہونے کا مفہوم ہے۔ اولاً معنی کے لحاظ سے۔ ثانیاً اس موسیقی کے لحاظ سے جو حسِ انسانی پہ تندی و تیزی اور شکست و ریخت کے معنوی اثرات ڈالتی ہے، پہلی آیت میں انسان کے حق میں قوت و مددگار کی نفی کرکے اور دوسری میں مقسم بہ کی تندی و تیزی کو خالق ارض و سما کے حق میں اثباتِ قوت و اختیارِ فیصلہ کی دلیل بنا کر دونوں کے درمیان گہرا ربط و تعلق پیدا کیا گیا ہے۔

اسی طرح تصویر اور تخیل کے درمیان مختلف پہلوؤں سے نیز منظر کی علیحدہ علیحدہ جزئیات اور الگ الگ اکائیوں کے درمیان ہر پہلو سے کامل تطابق و تناسق موجود ہے۔ نیز منظر کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے والی موسیقی اور تصویر میں ایسی ہم آہنگی موجود ہے جو پوری فضائے بسیط میں جاری و ساری ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ یہ سب کچھ قرآن کی جملہ سورتوں میں صرف چند سطروں اور محض چند فقروں تک ہی محدود ہے اس سے زیادہ نہیں

کٹھن دن اور تلخ گھڑی

محشر کا دن بڑا کٹھن اور قیامت کی گھڑی بڑی سخت اور تلخ ہوگی۔

(۱) ——————— وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

(القمر[1] ۴-۸)

ان لوگوں کے سامنے (پچھلی قوموں کے) وہ حالات آچکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رکھنے کے لیے کافی سامانِ عبرت ہے۔ اور ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے۔ مگر تنبیہات ان پر کارگر نہیں ہوتیں پس اے نبی! ان سے رُخ پھیر لو۔ جس روز پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ لوگ سہمی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے اور وہی منکرین (جو دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے۔) اس وقت کہیں گے کہ یہ تو بڑا کٹھن دن ہے۔

(۲) سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝

القمر (۴۵-۵۰)

۲۔ عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے۔ اور وہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ساعت ہے۔ یہ مجرم لوگ درحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اور ان کی عقل ماری گئی ہے۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب چکھو جہنم کی لپیٹ کا مزا۔ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکاتے وہ عمل میں آجاتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

---

[1] بہ لحاظ نزول ۳۷ ویں سورت ہے۔

فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ (القمر ۵۴-۵۵) نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ سچی عزت کی جگہ بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔

انشقاقِ قمر اور منکرینِ حق

اس سورت میں قیامت کے دو منظر ہیں جنہیں وہی عمومی مقصد باہم مربوط کیئے ہوئے ہے جو ساری سورت میں مرکزی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ دیکھیئے ہم ان لوگوں کے سامنے کھڑے ہیں جو ان حادثاتِ عظیم کو جھٹلاتے ہیں جو قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کا بیّن ثبوت ہیں

وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿۲﴾

اور چاند پھٹ گیا مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے۔ کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں "یہ تو چلتا ہوا جادو ہے"۔

ہمیں نہیں معلوم کہ چاند کیسے پھٹا اور کب پھٹا، لیکن قرآن اس کے ساتھ جس واقعہ کے ملپیش آنے کا ذکر کرتا ہے تاریخ میں اس پر کفار کے کسی اعتراض کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ لہذا ہمارے لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ ایک فلکیاتی حادثہ ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ جو قوم کو اس حال میں پیش آیا کہ اس پر ان کو کوئی اعتراض نہ تھا وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ قبل ازیں ان کو ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں کی سرگزشت اور اسی دنیا میں ان پر نازل ہونے والے تباہ کن عذاب کی خبر ہو چکی ہوتی ہے ——

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِيۡهِ مُزۡدَجَرٌ ﴿۴﴾ —— ان کے سامنے پچھلی قوموں کے وہ حالات آچکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رکھنے کے لیے کافی سامانِ عبرت ہے —— چنانچہ اس سورت میں قوم نوحؑ، عاد، ثمود، قوم لوطؑ اور آل فرعون سب کے جستہ جستہ حالات بیان کیے گیے ہیں۔ خدا و رسول اور روزِ آخرت کے انکار کی پاداش میں ان میں سے ہر ایک پر دردناک عذاب نازل ہوا۔ اور اسی دنیا میں انہیں عبرت ناک سزا ملی۔ قرآن کے اندازِ بیان میں ایسا عجیب طرز ادا ہے کہ ہر دو قصوں کے درمیان خدا کے غیظ و غضب اور ناراضگی کے اظہار کے لیے بار بار یہ الفاظ دہرائے جاتے ہیں —— فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ (دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات! ——) الفاظ کی یہ تکرار بالکل اسی انداز میں ہے جس طرح اس سے پہلے سورۃ المرسلات میں مکذبینِ آخرت کے بُرے انجام کی توثیق اور انہیں اس سے ڈرانے کے لیے بار بار یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں ——

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ۔ اس روز تباہی ہے مکذبینِ حق کے لیے "۔

انشقاقِ قمر کا ذکر کرنے کے بعد پہلا منظر پیش کیا گیا ہے جس طرح منکرینِ حق کے ذکر کے بعد دوسرا منظر پیش کیا گیا ہے سوال ہوتا ہے ـــــ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ ـــــ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ ؟ ـــــ کیا تمہارے کفار کچھ ان لوگوں سے بہتر ہیں ؟ یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے ؟ یا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ "ہم ایک مضبوط جتھا ہیں اپنا بچاؤ کرلیں گے" ؟ ـــــ پھر خود ہی اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نہیں ! نہیں ! ایسا ہرگز نہیں ! سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ـــــ عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

پہلا منظر مختصر ہے اور تیزی سے گزر جاتا ہے

مُردوں کے گروہ میدانِ حشر میں

نظم و ترتیب میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ـــــ قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا ـــــ کے ساتھ بھی مربوط ہے اور پوری سورت میں موجود موسیقی کے ساتھ بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس کے جملہ کردار تیزی کے ساتھ نزدیک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ٹھوس اور متحرک بھی ہیں اور اپنی علامات و حرکات میں کامل بھی ہیں۔ یہ کردار آنِ واحد میں قبروں سے نکلنے والے گروہوں کے گروہ ہیں۔ گویا یہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔ عالمِ خیال میں ٹڈیوں کے اس منظر سے قبروں سے نکلنے والے مُردوں کے منظر کو متصور کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ بلانے والے کی طرف بھاگے چلے جارہے ہیں بغیر یہ جانے کہ وہ کیوں بلا رہا ہے ؟ اور کدھر بلا رہا ہے ؟ ـــــ وہ انہیں سخت ناگوار چیز کی طرف بلا رہا ہوگا جس کا انہیں سان گمان بھی نہیں ہوگا ۔ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ـــــ ان کی نگاہیں پھٹی ہوں گی یہ گویا ان کی وہ آخری علامت ہے جہاں جاکر منظر کی پوری تصویر مکمل ہوجاتی ہے۔ عین اس عالم میں جبکہ وہ گروہ در گروہ قبروں سے نکل رہے ہوں گے۔ مارے خوف کے ان کی نگاہیں پھٹی ہوں گی اور خوف و دہشت میں بیچارے بھاگے جارہے ہوں گے۔ کفار ہڑبڑا کر کہیں گے ـــــ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ ـــــ "ہائے یہ تو بڑا کٹھن دن ہے"

ان چند مختصر سے فقروں کے بعد منظر کی آخر وہ کون سی چیز باقی رہ گئی ہے

جس کی عکاسی نہ ہوئی ہو۔ سامعین کے ذہنوں میں اس ناگوار دن کا تصور قطعیت کے ساتھ آگیا ہے۔ وہ دن کیا ہے؟ ـــ بس ہر طرف تصویریں ہی تصویریں ہیں ـــ ان کی تصویریں نہیں، بلکہ وہ خود ـــ قبروں سے اٹھائے جا رہے ہیں۔ ان میں وحشت ناک زندگی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ جس کا اثر ہر زندہ انسان کے دل پہ پڑ رہا ہے۔

دنیا میں قیامت خیز طوفان اور آخرت کی گھڑی

دوسرا منظر حسی اور خیالی عذاب نیز حسی اور خیالی جنت کی تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ تصویر دوسرے منظر کی طرح پہلے منظر کے بعد متصلاً آتی ہے دنیا میں انہوں نے جو عذاب دیکھا ہوگا آخرت کے دن قیامت کی گھڑی اس سے کہیں بڑھ کر پُرصعوبت اور تلخ گھڑی ہوگی اس کی خبر اُن کو ان منکرین حق کی طرف سے مل چکی ہوگی جو کسی قیامت خیز طوفان کا شکار ہوئے یا خوفناک گرج یا بادِ صرصر یا کڑکدار بجلی سے ہلاک ہوئے یا تلاطم خیز سمندر کی موجوں میں غرقاب ہوئے۔ غرضیکہ قیامت کی گھڑی ان سب سے بڑھ کر مصیبت اور سختی کی گھڑی ہوگی۔ مجرم لوگ سخت غلط فہمی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ غلط فہمی اور گمراہی کی حالت میں ان کی عقلوں اور روحوں کو سزا ملے گی۔ پاگل پن اور دیوانگی کی حالت میں ان کی کھالیں اور جسم داغے جائیں گے۔ غرضیکہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو منہ کے بل درشتی اور حقارت کے ساتھ آگ پہ گھسیٹے جائیں گے اور ـــ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴿٤٨﴾ ـــ (لو اب چکھو مزا جہنم کی لپٹ کا!) کہہ کر انہیں روحانی اذیت پہنچائی جائے گی۔ ارشاد ہوگا "بس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا مزا چکھو۔

ہم نے انسانوں کو دنیا میں یونہی بے مقصد پیدا نہیں کیا ـــ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴿٤٩﴾ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے ـــ اس کی تخلیق کے پیچھے ایک حکمت اور مقصد کارفرما ہے ـــ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴿٥٠﴾ ـــ ہمارے حکم کو عمل میں آتے آنکھ جھپکنے سے زیادہ دیر نہیں لگتی۔ جیسے ایک لمحے کے اندر دریا پھٹ گیا۔ یا جیسے فرعون کی پکڑ ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ تھی جس وقت مجرمین کو آگ میں گھسیٹا جا رہا ہوگا، حیرت و پریشانی میں مبتلا ہوں گے تو ذلت و رسوائی کا سامنا کر رہے ہوں گے۔ اس کے برعکس اہلِ ایمان کا حال یہ ہوگا کہ باغوں اور

نہروں میں عیش و آرام سے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ اور بڑے صاحب اقتدار بادشاہ کے قرب میں حقیقی عزت کے مقام پر اطمینان و اعزاز حاصل کریں گے سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا جو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود ان مناظر اور چلتی پھرتی ان تصویروں سے نصیحت حاصل کرے؟

فرمانبرداروں اور نافرمانوں کی قیام گاہیں

سورۃ صٓ[1] میں متقین اور سرکش و باغی لوگوں کی قیام گاہوں کا منظر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

سورۃ ص ۴۹ - ۶۴)

"اور متقی لوگوں کے لیے یقیناً بہترین ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ رہنے والی جنتیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ خوب خوب فواکہ اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔ اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن بیویاں ہوں گی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ یہ تو ہے متقیوں کا انجام اور سرکشوں کے لیے بدترین ٹھکانا ہے "جہنم" جس میں وہ جھلسے جائیں گے۔ بہت ہی بری قیام گاہ! یہ ہے ان کے لیے، پس وہ مزا چکھیں کھولتے ہوئے پانی اور پیپ لہو اور اسی قسم کی دوسری تلخیوں کا (وہ جہنم کی طرف اپنے پیروؤں کو آتے دیکھ کر آپس میں کہیں گے) "یہ ایک لشکر تمہارے پاس گھسا چلا آ رہا ہے" "کوئی خوش آمدید ان کے لیے نہیں ہے۔ یہ آگ میں جھلسنے والے ہیں۔" وہ ان کو جواب دیں گے "نہیں بلکہ تم ہی جھلسے جا رہے ہو۔ کوئی خیر مقدم تمہارے لیے نہیں۔ تم ہی تو یہ انجام ہمارے آگے لائے ہو۔ کیسی بری ہے یہ جائے قرار"۔ پھر وہ کہیں گے " اے ہمارے رب جس نے ہمیں اس انجام کو پہنچانے کا بندوبست کیا اس کو دوزخ کا دہرا عذاب دے۔" اور وہ آپس میں کہیں گے "کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو کہیں

---

[1] یہ ۳۸ ویں سورت ہے۔

نہیں دیکھتے جنھیں ہم دنیا میں بُرا سمجھتے تھے؟ ہم نے یونہی ان کا مذاق بنا لیا تھا یا وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہیں؟ بے شک یہ بات سچی ہے، اہلِ دوزخ میں یہی کچھ جھگڑے ہونے والے ہیں۔"

مشہد کا آغاز ایک دوسرے کے متقابل دو مناظر سے ہوتا ہے۔ یہ تقابل کُل میں بھی ہے اور اجزاء میں بھی، ظاہری علامات میں بھی ہے اور ہیئات میں بھی۔ چنانچہ ایک طرف متقین کا منظر ہے جن کے لیے بہترین جائے قیام ہے اور دوسری طرف سرکشوں اور باغیوں کا منظر ہے جن کے لیے انتہائی بُرا ٹھکانا ہے۔

جنتیوں کے لیے نعمتیں پہلے گروہ کے لیے باغات ہیں جن کے دروازے ہر وقت اُن پر کھلے ہیں تاکہ وہ بے روک ٹوک آ جا سکیں۔ ان باغات میں ان کی راحت و آرام کے لیے گاؤ تکیوں اور لذیذ ماکولات و مشروبات کا انتظام ہے مزید برآں ان کے عیش و آرام کے لیے نوجوان حسین ہم سن بیویاں ہیں جو شرم و حیا کی ایسی پیکر ہیں کہ جن کی نگاہِ التفات پُرکشش شخصیت کے مالک غیر مردوں کے حُسنِ دلربا کی طرف کبھی نہیں اٹھتی۔ یہ ساز و سامان دائمی ہے جو کبھی بھی ختم ہونے والا نہیں جس پر کہنگی اور بوسیدگی کے آثار نہیں آنے والے۔

دوزخیوں کے لیے پیپ رہے دوسرے لوگ تو اُن کے لیے بھی ایک ٹھکانا ہے لیکن اس میں راحت و آسودگی کا نام تک نہیں۔ یہ ٹھکانا جہنم ہے۔ کتنی بُری ہے یہ جائے قیام! وہاں اُن کی تواضع کے لیے پانی ہے کھولتا ہوا اور کھانا ہے قے آور، جس سے اہلِ دوزخ کی اندرونی رطوبتیں کچ لہو اور پیپ بن بن کر بہہ رہی ہیں۔ غرضیکہ ان کے لیے اس عذاب کی اور کئی صورتیں بھی ہیں۔ جنھیں قرآن میں "ازواج" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا اس عذاب کی اس سے بھی کئی گنا زیادہ شکلیں ہیں۔ اس لفظ میں اہلِ جنت کی شرمیلی نگاہوں والی "ازواج" کے ساتھ لفظی مشاکلت بھی موجود ہے۔ اگرچہ یہاں لفظ "ازواج" میں زوجیت کا وہ مفہوم نہیں جو شوہر کے مقابلے میں بیوی کے لیے لفظ "ازواج" میں مضمر ہے۔ اہلِ دوزخ کے لیے اس لفظ کے استعمال میں ان کا محض استہزاء اور تنبیہہ مقصود ہے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کی قیام گاہ "جنت" کے بالمقابل "جہنم" کو "مہاد" کہہ کر تلمیحاً استہزاء کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مشہد کی تکمیل تیسرے منظر

سے ہوتی ہے جسے کرداروں کی باہمی گفتگو انہیں زندگی بخشتی اور ناظرین کے سامنے ممثل کرتی ہے۔

دنیا میں یار دوزخ میں ناواقف لیجئے اب ہم دوزخ والوں کے ایک دوسرے گروہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ ایک دوسرے کے یارانِ غار تھے اور ان میں آپس میں گاڑھی چھنتی تھی۔ لیکن آج یہ ایک دوسرے کو برُے ناموں سے یاد کر رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو پہچانتے تک نہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض نے بعض کو گمراہی کا راستہ خود دکھلایا اور بعض کو دنیا میں اہل ایمان پر غلبہ حاصل تھا۔ اور جنت کے بارے میں ان کے عقیدے کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

بُرے انجام کے ذمہ دار تم ہو نہ کہ ہم لیجئے یہ دیکھئے! دوزخیوں کے مزید کئی گروہ دوزخ میں گھسے چلے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھئے۔ یہ پہلا گروہ ہے جسے دوسرے گروہ کے گھس آنے کی خبر دی گئی ہے —— هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ —— دلو دیکھو! یہ ایک گروہ ہے جو تمہارے پاس دوزخ میں گھسا چلا آ رہا ہے، — معلوم ہے ان کا جواب کیا ہے؟ ان کا جواب یہ ہے —— لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ —— (ان کے لیے کوئی "خوش آمدید" نہیں اس لیے کہ یہ لوگ تو آگ میں پڑنے والے ہیں) تو کیا یوں ذلت اٹھا کر وہ خاموش ہو گئے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں! وہ تو پلٹ کر یہ جواب دے رہے ہیں —— قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ —— (نہیں بلکہ آگ میں جھلسنے والے تم ہو تمہارا کوئی استقبال نہیں۔ ہمارے برُے انجام کے اصل ذمہ دار تم ہی تو ہو۔ کتنا برُا ہے تمہارا یہ ٹھکانا!) — بس اب کیا ہے۔ سب یک زبان ہو کر ایک ہی دُہائی دے رہے ہیں —— رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ —— (اے ہمارے رب! جس نے ہمیں اس انجام کو پہنچانے کا بندوبست کیا اس کو دوزخ کا دُہرا عذاب دے) —

اس کے بعد پھر کیا؟ یہ لوگ اپنے اردگرد چاروں طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ انہیں اپنے اندر وہ اہلِ ایمان نظر نہیں آ رہے جو دنیا میں اُن کے زیرِدست تھے جنہیں یہ برُا جانا کرتے تھے اور جنت کے بارے میں ان کے عقیدے اور ان کی آرزوؤں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ سو آج یہ انہیں دوزخ میں ان کے ساتھ داخل ہوتے نہیں

دیکھ رہے اور کہہ رہے ہیں ـــ مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ (کیا بات ہے، اہیں وہ لوگ نظر نہیں آرہے جنہیں ہم دنیا میں بُرا سمجھتے تھے؟ ہم نے یونہی ان کا مذاق بنا لیا تھا یا وہ یہیں کہیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں؟) ـــ نہیں نہیں! ارے کم بختو! وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ ذرا باغہائے نعیم ابدی کی طرف نگاہ اٹھا کر تو دیکھو وہ تمہیں وہاں گاؤ تکیے لگائے عیش و آرام میں بیٹھے نظر آئیں گے ـــ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝ ـــ (بیشک یہ بات بالکل سچی ہے کہ اہلِ دوزخ کے درمیان یہ تو تکار ہونے والی ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ گویا ہم اس وقت اپنی آنکھوں کے سامنے یہ جھگڑا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ ہر شخص اپنے نہاں خانۂ دل میں منظر کی اس واقعاتی کیفیت کو محسوس کرتا ہے۔ اس سے وہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرتا اور اگر اس دائمی عذاب سے بچنا ممکن ہو تو اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ کہیں وہ خود اس میں گر کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال لے۔

جنّت دوزخ اور اعراف کی زندگی

منکرینِ حق نزع کے وقت کس طرح اپنے کفر و انکار کا اعتراف کریں گے۔ دوزخ میں ان کا داخلہ کس طرح ہوگا۔ دوزخ میں وہ کس حال میں ہوں گے۔ ان کے مقابلے میں اہلِ حق کے ساتھ کیا بیتے گی۔ جنت و دوزخ کے درمیان اعراف میں کچھ لوگ کس حال میں ہوں گے۔ تینوں گروہ آپس میں کیا گفتگو کریں گے۔ یہ پورے حالات سورۃ اعراف میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کی پیش کردہ تصویر یہ ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ

اے بنی آدم! یاد رکھو اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویے کی اصلاح کرلے گا۔ اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، اور ان کے مقابلہ میں سرکشی برتیں گے وہی

شَهِدُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ
ادْخُلُوا فِيْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ
حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ
لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا
مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ
فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا
تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ
غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ
اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا
مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَ
مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاۗءَتْ
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ
اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا
رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ
قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ
كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ
اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا
يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ
جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ
اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ
لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ
النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاۗءِ
اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

اہلِ دوزخ ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
ظاہر ہے کہ اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا
جو بالکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب
کرے یا اللہ کی سچی آیات کو جھٹلاتے۔ ایسے
لوگ اپنے نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتے
رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے گی
جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں
قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے اس وقت
وہ ان سے پوچھیں گے کہ بتاؤ اب کہاں ہیں
تمہارے وہ معبود جن کو تم خدا کے بجائے
پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ "سب ہم سے
گم ہو گئے۔" اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں
گے کہ ہم واقعی منکرِ حق تھے۔ اللہ فرمائیگا جاؤ
تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ جس میں
تم سے پہلے گزرے ہوئے گروہ جن و انس
جا چکے ہیں۔ ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا
تو اپنے پیش رو گروہ پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا
حتیٰ کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے، تو
ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے حق میں کہے گا
کہ اے رب! یہ لوگ تھے جنہوں نے ہم کو گمراہ
کیا لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔ جواب
میں ارشاد ہوگا، ہر ایک کے لیے دوہرا ہی
عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔ اور پہلا
گروہ دوسرے گروہ سے کہے گا کہ (اگر ہم
قابلِ الزام تھے) تو تمہی کو ہم پر کون سی فضیلت
حاصل تھی، اب اپنی کمائی کے نتیجہ میں عذاب
کا مزا چکھو۔ یقین جانو! جن لوگوں نے ہماری
آیات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں سرکشی
کی ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے
ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ ان کا جنت میں
جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾

(الاعراف[1] ۳۵ - ۵۱)

سے اونٹ کا گزرنا۔ مجرموں کو ہمارے ہاں ایسا ہی بدلہ ملا کرتا ہے ان کے لیے تو جہنم کا بچھونا ہوگا اور جہنم ہی کا اوڑھنا۔ یہ ہے وہ جزا جو ہم ظالموں کو دیا کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کیے ہیں ـــ اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ـــ وہ اہلِ جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کچھ کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ "تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا۔ ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول واقعی حق ہی لے کر آئے تھے۔" اس وقت ندا آئے گی کہ "یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہے تھے۔" پھر یہ جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے "ہم نے ان سارے وعدوں کو ٹھیک پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیے تھے۔ کیا تم نے بھی ان وعدوں کو ٹھیک پایا جو تمہارے رب نے کیے تھے؟" وہ جواب دیں گے "ہاں" تب ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ "خدا کی لعنت ان ظالموں پر جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور آخرت کے منکر تھے۔" ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہوگی جس کی بلندیوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ "سلامتی ہو تم پر۔" یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہیں اور جب اُن کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے "اے رب! ہمیں ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو۔" پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ "دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمہارے جتھے تمہارے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔ اور کیا یہ اہلِ جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ بھی نہ دے گا؟ (آج انہی سے کہا گیا کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں، تمہارے لیے نہ خوف ہے نہ رنج۔" اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو۔ وہ جواب دیں گے کہ "اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرینِ حق پر

---

[1] الاعراف بلحاظ نزول ۳۹ ویں سورت ہے۔

حرام کردی ہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنا لیا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے۔ اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔" (الاعراف ۳۵-۵۱)

خدا کے نافرمانوں پر جنت حرام ہوگی

شاید یہ منظر قیامت کے طویل ترین مناظر میں سے ہے جس میں ایک ہی تسلسل کے ساتھ پیش آنے والے مناظر اور مختلف النوع مکالمے سب سے زیادہ جمع ہو گئے ہیں سورۃ کے شروع میں ان مناظر سے پہلے حضرت آدمؑ کی پیدائش اور شیطان کے دھوکے میں آکر حضرت آدم و حوا کے جنت سے نکلنے کا قصہ بیان ہوا ہے اور اللہ کی طرف سے بنی نوع انسان کو یہ تنبیہہ بھی کی گئی ہے کہ وہ شیطان سے بچے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ انہیں اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے ان کے والدین (آدم و حوا) کو فتنے میں مبتلا کر کے جنت سے نکلوایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اس بات سے بھی پوری طرح آگاہ کر دیا ہے کہ وہ ان کی طرف اپنے رسول بھیجے گا جو انہیں اس کی آیات و احکام پڑھ کر سنائیں گے جیسا کہ شروع میں نقل کردہ آیات سے ہم نے یہ بات ثابت کی ہے —— اس کے بعد قیامت کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ گویا جس پر بھی یہ قیامت گزرے گی اسے ان حالات سے سابقہ پیش آئیگا جن کی خبر ان رسولوں نے دی ہے۔ جو لوگ شیطان کی پیروی اور رسولوں کی تکذیب کریں گے ان کا جنت میں لوٹ کر جانا حرام ہوگا وہ اسی طرح فتنے میں مبتلا ہوں گے جس طرح شیطان نے ان کے والدین آدم و حوا کو جنت سے نکلوا کر انہیں فتنے میں مبتلا کیا! اور جو لوگ شیطان کی پیروی سے انکار کر کے خدا کے رسولوں کی اطاعت اختیار کر لیں گے انہیں جنت میں لوٹا دیا جائے گا۔ ملاءِ اعلیٰ سے ندا آئے گی "یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو۔ یہ تمہیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہے تھے۔" گویا گھر سے ہجرت کر جانے والے اپنے گھر کو لوٹ آئے ہیں یا انھوں نے غریب الوطنی کے ایام گزارنے کے بعد اپنے وطن —— دارِ نعیم —— کو مراجعت کی ہے۔

آغازِ زندگی، جنت —— انجامِ زندگی، جنت

قصہ آدم جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے، اور بعد میں آنے والے مناظرِ قیامت میں بڑا گہرا ربط اور فنی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ قصہ آدم کی ابتدا جنت میں ملائکہ کے اس

منظر سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اطاعتِ الٰہی کے معاملے میں آزمائش میں ڈال کر جنت سے نکلوا دیا ــــ جیسا کہ سورت میں قصۂ آدم میں اس کا ذکر ہوا ہے ــــ اسی طرح اس کی انتہا بھی جنت میں یومِ آخرت میں ملائکہ کے منظر پر ہوتی ہے۔ گویا ابتدا و انتہا دونوں ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ دنیوی زندگی پاٹ رہی ہے دونوں کی حیثیت کتابِ ہستی کے مناظرِ زندگی سے پُر دو صفحات سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان دونوں کے درمیان میدانِ محشر میں پیشی کا وہ منظر ہے جو آغاز و انجام کے عین وسط میں دونوں انتہاؤں سے پوری طرح مربوط و متطابق ہے

کلامِ الٰہی مناظرِ قیامت پر ایسی عجیب روشنی ڈالتا ہے جس میں شعر جیسی تخلیقِ انسانی سے کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ ایسا ادبی قالب اختیار کرتا ہے جس کے سامنے انسانی شعر کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ غرضیکہ کلامِ الٰہی میں ادبی حسن و جمال کے جملہ اوصاف و محاسن جمع ہیں۔ اب آیئے ذرا اس نظارے اور اس کے عجیب و غریب مناظر پر نگاہ ڈالیے :۔

عالمِ برزخ کے احوال لیجئے ہمارے سامنے وہ منظر ہے جس میں سب کی پیشی دربارِ الٰہی میں ہو رہی ہے ــــ یہ دنیا و آخرت کے درمیان عالمِ برزخ ہے ــــ ان لوگوں کی پیشی ہو رہی ہے۔ جنہوں نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا اس کی آیات کی تکذیب کی ــــ ان کے پروردگار کے وہ فرستادے حاضر ہیں جو ان کے لیے پیغامِ موت لاتے اور ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ خدا کے ان فرستادوں اور ان کے درمیان باہم گفتگو جاری ہے۔" اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؟" ــــ "بتاؤ اب کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم خدا کے بجائے پکارتے تھے ؟ ــــ گویا تمہارے وہ الٰہ کہاں ہیں مشکلاتِ زندگی میں جن کا دامن تم دنیا میں تھاما کرتے تھے اور جن کی وجہ سے تم خالقِ حقیقی کے بارے میں آزمائش میں پڑے رہے ؟ اس فیصلہ کن گھڑی میں جس میں تمہاری شمعِ حیات گل کی جا رہی ہے وہ کہاں ہیں ؟ اس وقت تمہیں اپنی موت سے بچانے والا کوئی نہیں نظر آ رہا ؟ کوئی نہیں جو تمہاری زندگی کی حفاظت کا ضامن بن سکے ؟ اس سوال کا اس وقت ایک ہی جواب ہو گا۔ جو ہر طرح کی مغالطہ انگیزی سے مبرّا اور بالکل اٹل ہو گا۔ وہ کہیں گے " ضَلُّوْا عَنَّا " (وہ ہم سے گم ہو گئے) ــــ وہ ہم سے غائب ہو گئے نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ نہ ہی انہوں نے مڑ کر ہماری خبر لی ہے۔ اُف ! کتنے پریشان حال ہیں یہ لوگ کہ انہیں ان کے

خدا بھی سیدھی راہ نہیں دکھاتے اور نہ اس فیصلہ کن گھڑی میں وہ ان کی مدد ہی کو پہنچتے ہیں!
کتنا بُرا حال ہے ان خداؤں کا بھی کہ وہ خود بھی اس آڑے وقت میں اپنے پرستاروں کی
مشکل کشائی کے لیے آگے نہیں بڑھتے! آج یہ عالم ہے کہ نہ ان میں کوئی لڑائی ہے نہ جھگڑا
ہے۔ اپنے اوپر خود گواہی دے رہے ہیں کہ حقیقتہً کفر کی روش تو انہوں نے خود اختیار کر
رکھی تھی۔ اس میں کسی کا کیا قصور! ـــــ وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝

ذاتِ حق کا فیصلہ

جب دربارِ الٰہی میں حاضری کا یہ منظر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے اس کے بعد کا دوزخ والا منظر شروع ہو جاتا ہے
ـــ اور عدالتِ الٰہی میں اس حاضری اور دوبارہ جی اٹھنے کا درمیانی وقفہ یوں لپیٹ دیا جاتا
ہے کہ گویا ان حاضر ہونے والے مجرموں کو خود ان کے اپنے گھر سے پکڑ کر دوزخ میں ڈالا
جا رہا ہے۔ ذاتِ حق کہہ رہی ہے: ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ
فِي النَّارِ (جاؤ تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے گروہِ جن و
انس جا چکے ہیں) ـــ جنوں اور انسانوں میں سے تم اپنے ساتھیوں سے جا ملو۔ کیا ابلیس
وہ شخص نہیں جس نے اپنے پروردگارِ حقیقی کی نافرمانی کی۔ کیا یہ وہی نہیں جس نے آدم اور اس کی
بیوی کو جنت سے نکلوایا اور اولادِ آدم میں سے خدا کے باغیوں کو دھوکے میں ڈالا؟ پس تم
سب ـــ نافرمانی میں پہل کرنے والے اور بعد میں ان کی پیروی کرنے والے سب کے
سب ـــ اب جہنم کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔

ایک دوسرے پر لعنت ملامت

دنیا میں ان گروہوں کی ایسی گاڑھی چھنتی تھی کہ ہر بعد میں آنے والا گروہ اپنے پیشروؤں کی
پیروی کرتا اور جس کی پیروی کی جاتی وہ پیروی کرنے والے کی راہنمائی کرتا۔ آج ہم دیکھتے
ہیں کہ ان کے سینے ایک دوسرے کے خلاف کس طرح بغض و عناد سے بھرے پڑے
ہیں اور کس طرح وہ ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے ہیں۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ
أُخْتَهَا (جب ایک گروہ اس میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے ساتھی گروہ پر لعنت بھیجتا
ہے) اُف! کتنا برا انجام ہے ان کا کہ بھائی بھائی پر لعنت بھیج رہا ہے! ـــ
حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا (یہاں تک کہ جب سب کے سب اس میں جمع ہو جائیں گے)
ـــ اور جب بعد میں آنے والے پہلوں سے جا ملیں گے اور دور و نزدیک کے

سب ساتھی جمع ہو جائیں گے۔ تو ان میں لڑائی جھگڑا اور تو تکار شروع ہو جائے گی۔ بعد میں آنے والے اپنے پیشروؤں کے بارے میں کہیں گے "— رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۛ — (اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ پس انہیں دوزخ کا دوہرا عذاب دو۔) گویا یہ ایک اندوہ ناک مذاق کی ابتدا ہے۔ اس کے بعد ان کے اُن دلی دوستوں اور یاروں کا پردہ چاک ہو گا جو دشمنوں کی طرح ایک دوسرے سے لاعلمی ظاہر کریں گے۔ ایک دوسرے پہ تہمتیں دھریں گے اور ایک دوسرے کے لیے اپنے پروردگار سے بدترین جزا کا مطالبہ کریں گے — اپنے اس پروردگار سے جس کے وجود کا دنیا میں وہ خود انکار کیا کرتے تھے — عجیب انقلاب ہو گا۔ آج وہ اسی سے دعائیں مانگ رہے ہوں گے! جواب میں مانگنے والوں کو قبولیتِ دعا کی تسلی دی جائے گی۔ مگر یہ "تسلی" استہزا آمیز اور یہ قبولیت بڑی کربناک ہو گی! قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ (فرمان ہو گا! تسلی رکھو ہر ایک کے لیے دوہرا عذاب ہے لیکن تمہیں اس حقیقت کا علم نہیں)۔ گھبراؤ نہیں تسلی رکھو! تمہیں بھی اور انہیں بھی وہ دوہرا عذاب ملنے والا ہے جس کا تم خود مطالبہ کر رہے ہو! جونہی مانگنے والوں کی پکار کا جواب سنیں گے، مانگنے والوں پہ پڑنے والی منہ مانگی افتاد پر خوشی محسوس کریں گے اور کہیں گے" نہ تم ہم سے کسی طرح فائق ہو کہ اس مصیبت سے نجات پا جاؤ نہ ہم ہی تم سے زیادہ اس عذاب کے مستحق ہیں۔ کہ یہ صرف ہم ہی کو ملے۔ اس معاملے میں ہم سب برابر ہیں — وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ — (پہلا گروہ بعد میں آنے والے گروہ سے کہے گا تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ وہ اعمال جو تم دنیا میں کرتے رہے ان کے بدلے اب دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو)۔

اہلِ دوزخ پر جنت کے دروازے بند ہوں گے اس طرح دردناک استہزاء کا یہ پہلو اپنی انتہا کو جا پہنچتا ہے۔ جس سے اس بُرے انجام کی مزید تاکید و توثیق ہوتی ہے جو بالکل اٹل ہے۔ جس میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ یہ پہلو قیامت کے اس پہلو سے قبل بیان کیا گیا ہے جس میں مومنین صالحین کو "جنات نعیم" میں قیام کرتے دکھایا گیا ہے — اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ـــــــ (یقین جانو! جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی۔ ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ ان کا جنت میں جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے سے موٹے رسّے[1] کا گزرنا) اس عجیب و غریب منظر کے سامنے عالمِ خیال میں ذرا ٹھٹک جائیے۔ چھوٹی سی سوئی کے ناکے کے سامنے بہت بڑا موٹا رسّہ ہے۔ جب سوئی کا یہ تنگ سا ناکہ کھل کر اتنا فراخ ہو جائیگا کہ اس میں سے موٹا رسّہ آسانی سے گزر سکے۔ اس وقت ان مکذبینِ حق کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے کہ یہ ان میں سے گزر کر "جنّات نعیم" میں داخل ہو جائیں البتہ اب نیز اس وقت تک جب تک کہ موٹا رسّہ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے وہ دوزخ میں رہیں گے جس میں وہ سب کے سب ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے ـــــ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ـــــ (مجرموں کو ہم یوں ہی بدلہ دیتے ہیں)۔ پھر آپ کے سامنے ان کی یہ تصویر ہوتی ہے ـــــ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (ان کے لیے جہنم کا بچھونا ہوگا اور جہنم ہی کا اوڑھنا)۔ ان کے لیے آگ کا فرش ہوگا جسے استہزاءً "مہاد" کہا گیا ہے ـــــ وہ گہوارہ نہ جس میں بستر بچھا ہے جو نہ نرم و گداز اور نہ آرام دہ و راحت بخش ہے ـــــ آگ ہی کا پردہ انہیں اوپر سے ڈھانکے ہوگا۔ ظالموں کو ہم یہی بدلہ دیتے ہیں ـــــ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ

اہلِ ایمان کی باہمی کدورت ختم ہو جائے گی

اب ذرا دوسری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھئے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ـــــ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے زندگی میں نیکی کی روش اختیار کی، ان کی ہمت و طاقت کی حدود مقرر کر دی گئی ہیں لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ـــــ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے ـــــ ایسے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

---

[1] اکثر مفسّرین و مترجمین نے "جمل" سے مراد اونٹ لی ہے لیکن مصنّف علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ مفہوم قرآن کے بیان میں اندازِ تصویر کشی سے بے جوڑ ہے۔ منظر کے مختلف اجزاء اور ماحول کی مناسبت سے اونٹ اور سوئی کے ناکے کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اس کی بجائے اگر اس کا مفہوم موٹا رسّہ لیا جائے تو وہ زیادہ موزون ہے۔ کیونکہ باریک ناکے میں سے باریک دھاگے کی بجائے کسی بہت بڑے موٹے رسّے کا گزرنا ناممکن بھی ہے اور بے جوڑ بھی نہیں ہے۔

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ — (وہی لوگ اہلِ جنت ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے) — اہلِ جنت چونکہ شیطان کے نافرمان تھے۔ جس نے ان کے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا تھا، اس لیے جزاء کے طور پر انہیں اس کا وارث بنا دیا گیا۔ وہی اس کے مالک و مختار ہوں گے

جب یہ کافر اور مکذّبینِ حق دوزخ میں ایک دوسرے پر لعن طعن کر رہے ہوں گے اور آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اور اہلِ ایمان کو ایک دوسرے کا مخلص و سچا دوست دیکھ کر ان کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑک رہی ہو گی، اہلِ ایمان اور نیکوکار لوگ جنت میں باہم مخلص سگے بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ ان پر محبت و دوستی اور امن و سلامتی کی بارش ہو رہی ہو گی۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ — (اور ہم ان کے دلوں سے آپس کی کدورت نکال دیں گے) —

جنت میں اہلِ ایمان کی عزت افزائی

اور جب دوزخی اوپر سے اور نیچے سے آتشِ دوزخ میں جھلس رہے ہوں گے اہلِ جنت کے نیچے رحمت کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور جب وہ ایک دوسرے پر لعن طعن اور آپس کے جھگڑے میں مشغول ہوں گے۔ ان کی زبان سے حمد و سپاس باری تعالیٰ اور اعترافِ عجز و انکسار میں یہ کلمات جاری ہوں گے" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ "(شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں یہ راہِ حق دکھائی۔ اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ یقیناً ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے تھے) اور جب اہلِ دوزخ کو ان کی تحقیر و ملامت مزید کے لیے کہا جائے گا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ (زندگی میں جو کچھ تم نے کمایا اس کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو) ۔ اس وقت اہلِ ایمان کو ان کی زیادہ سے زیادہ عزت افزائی کے لیے یوں پکارا جائے گا وَنُوْدُوْا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ (تو یہ ہے وہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے بوجہ ان اعمال کے جو تم دنیا میں کرتے رہے تھے")

ہمارے رب کے وعدے سچے تھے

اس کے بعد منظر تسلسل کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ لیجیے ہم گزشتہ منظر سے متصل ایک منظر کے سامنے کھڑے ہیں۔ جنت میں اہلِ جنت اپنے اپنے

مقام پر فروکش ہو گئے ہیں اور اہلِ دوزخ نے بھی دوزخ میں اپنی اپنی جگہ ٹھکانا کر لیا ہے پہلا گروہ دوسروں کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے "۔ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ "۔۔۔ جو وعدے ہمارے رب نے ہم سے کیے تھے ہم نے انہیں سچ پایا کیا تمہارے رب نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سچ نکلے ؟۔۔۔ سوال میں بڑی کڑوی طنز ہے۔ اہلِ ایمان جس طرح وعدہ کے برحق ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں اسی طرح انہیں وعید کے برحق ہونے پر بھی کامل یقین ہے۔ لیکن اس یقین کے باوجود وہ سوال کرتے ہیں! دوسری طرف سے جواب ملتا ہے " نعم " (ہاں)" اس لیے کہ نہ انکار کی مجال ہے نہ استخارے کی کوئی گنجائش۔ عین اس وقت باہم بحث و تکرار ختم ہو جاتی ہے اور ایک منادی کرنے والا اعلان کرتا ہے " ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔"

اعراف والوں کا مشاہدہ

پھر جب نظر مناظر کی پیش کاری کے اس وسیع میدان کی طرف اٹھتی ہے تو ایک اور منظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ جنت و دوزخ کے درمیان "اعراف" کا منظر ہے۔ گویا یہ وہ مقام ہے جہاں سے جنت اور دوزخ والے علیحدہ علیحدہ راہیں اختیار کرتے ہیں اور ہر گروہ اپنے اپنے ٹھکانے کا رخ کرتا ہے اس مقام پر جو لوگ قیام پذیر ہیں وہ ادھر والوں کو بھی ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں اور ادھر والوں کو بھی۔ جدھر وہ جانے والے ہیں ادھر ہی وہ بھی رخ کیے کھڑے ہیں۔ ہر گروہ جب اپنی منزل کی جانب جانے لگتا ہے تو وہ انہیں حسبِ حال "تحقیر" یا "توقیر" کے ساتھ وداع کرتے ہیں۔

لو دیکھو وہ اہلِ جنت کی طرف رُخ کیے انہیں مرحبا اور سلام کا ہدیہ پیش کر رہے ہیں ادھر وہ اہلِ دوزخ کو لعنت ملامت کر رہے ہیں " کیا یہ وہی لوگ تو نہیں جنہیں تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ انہیں اللہ کی رحمت نصیب نہ ہوگی " دیکھو اب وہ کہاں ہیں ؟ جنت میں ان کا استقبال تحیۃ و سلام سے ہو رہا ہے!

دوزخیوں کی التجاء اور اس کا جواب

آخر میں ہمارے کانوں میں دوزخ سے نکلنے والی ایسی دلگیر صدا پڑتی ہے جس میں امیدِ تلطف، احساسِ ذلت و محرومی اور التجاء عطا و بخشش موجود ہے : وَ نَادَىٰ اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ ۔۔۔ دوزخی جنتیوں سے پکار کر کہیں گے " بھئی! تھوڑا سا پانی ہم پر بھی ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک،

دو"۔۔۔۔ ہاں، تو ذرا دوسری طرف سے جواب بھی سن لیجئے۔ جواب کیا ہے، بس معذرت اور یاددہانی! قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ "کہیں گے: اللہ نے کافروں پر دونوں چیزیں حرام کردی ہیں" گویا پہلے ذرا اپنے اندر جھانک کر تو دیکھو۔ دنیا میں تم نے انکارِ حق کیا۔ خدا کی نافرمانی پر ڈٹے رہے۔ اب کس منہ سے یہ التجائیں کررہے ہو۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم تمہاری مدد کریں۔ اب ذلت و محرومی تمہارا مقدر بن چکی ہے۔

بے سود اعترافِ حقیقت

جب قیامت کا طویل نقشہ اس طرح کے مؤثر اندازِ بیان کے ساتھ ختم ہوتا ہے تو اس کے بعد ایسا بیان شروع ہوتا ہے جو منظر کے آغاز سے گہری مناسبت رکھتا ہے جس میں اس دن کی یاد تازہ کرائی گئی ہے جس کے مناظر کا بیان گزر چکا ہے۔ جس میں اُن آیات کی تکذیب سے روکا گیا ہے جو خدا کے رسول بنی نوعِ انسان کی طرف لے کر آئے۔ جس سے ان آیات کی حقیقت نفس الامری واضح ہو جانے تک ان کے انتظار کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے ان آیات کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن واقعاتِ قیامت کا ان میں ذکر کیا گیا ہے وہ فی الواقع اسی طرح وقوع پذیر ہوں جس طرح انہیں پیش کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ حقیقت واضح ہو گی اس وقت نہ اصلاحِ احوال کی کوئی گنجائش ہوگی اور نہ انجامِ بد سے بچانے والا کوئی سفارشی ہی ہو گا۔

کیا وہ محض جنت و دوزخ کے بارے میں حقیقتِ حال کھل جانے کا انتظار نہیں کررہے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ جس دن حقیقتِ حال کھل جائے گی وہ لوگ جو قبل ازیں اسے بھلا چکے تھے پکار اٹھیں گے "ہاں، سچ ہے ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول حق لے کر آئے تھے لیکن افسوس! ہم نے اُن کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اب کوئی سفارش کرنے والا ہے جو ہماری سفارش کرے؟ یا پھر ہمیں واپس لوٹا دیا جائے؟ تاکہ جو اعمال ہم پہلے کرتے رہے تھے ان کے علاوہ اب دوسرے عمل کریں" انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ اور جو افترا انہوں نے باندھ رکھا تھا وہ سب ضائع ہو گیا۔

یہ ہے وہ اعترافِ حقیقت جو آنکھیں کھل جانے کے بعد وہ کریں گے لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

صُورِ اسرافیلؑ اور حشر کا سماں

قیامت کے روز حضرت اسرافیل علیہ السلام بحکم الٰہی تین بار صُور پھونکیں گے۔ پہلی بار پوری کائنات فنا ہو جائے گی دوسری بار پوری نوعِ انسانی دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکل کھڑی ہوگی اور تیسری بار صور پھونکنے پر سب لوگ دربارِ الٰہی میں محاسبۂ اعمال کے لیے حاضر ہو جائیں گے۔ سورۃ یٰسٓ میں یہ کیفیت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے :۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾

(یٰسٓ[1] ۴۸ - ۶۷)

یہ لوگ کہتے ہیں "کہ یہ قیامت کی دھمکی آخر کب پوری ہوگی؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو" دراصل یہ جس چیز کی راہ تک رہے ہیں وہ بس ایک دھماکہ ہے جو یکایک انہیں عین اس حالت میں دھر لے گا جب یہ (اپنے دنیوی معاملات میں) جھگڑ رہے ہوں گے اور اس وقت یہ وصیت تک نہ کر سکیں گے نہ اپنے گھروں کو پلٹ سکیں گے۔ پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گھبرا کر کہیں گے "ارے یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا کر کھڑا کیا؟" "یہ وہی چیز ہے جس کا خدا رحمان نے وعدہ کیا تھا" "اور رسولوں کی بات سچی تھی" ایک ہی زور کی آواز ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔ "آج کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائیگا اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے عمل تم کرتے تھے آج جنتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں، وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں۔ مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہیں۔ ہر قسم کی لذیذ چیزیں کھانے پینے کو ان کے لیے وہاں موجود ہیں جو کچھ وہ طلب کریں وہ ان کے لیے حاضر ہے۔ رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے۔ اور اے مجرمو! آج تم چھٹ کر الگ ہو جاؤ۔ آدم کے بچّو! کیا

---

[1] یہ ۴۱ ویں سورت ہے اس سے پہلے سورۃ جنّ نازل ہوئی لیکن اس میں قیامت کا ذکر محض اشارۃً ہوا ہے۔

میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی بندگی کرو یہ سیدھا راستہ ہے مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ وہی جہنم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا رہا تھا۔ جو کفر تم دنیا میں کرتے رہے ہو اس کی پاداش میں اب اس کا ایندھن بنو۔ آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔ ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مُوند دیں پھر یہ راستے کی طرف لپک کر دیکھیں، کہاں سے انہیں راستہ سجھائی دے گا؟ ہم چاہیں تو انہیں ان کی جگہ ہی پر اس طرح مسخ کر کے رکھ دیں کہ یہ نہ آگے چل سکیں نہ پیچھے پلٹ سکیں۔"

صُور کی پہلی آواز دینِ حق کی تکذیب کرنے والے پوچھتے ہیں :۔ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ —— اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کا دن کب آئے گا؟ —— ان کا جواب آنکھ جھپکنے میں تیزی سے گزر جانے والا یہ منظر ہے۔ یہ لو! یہ صور پھونکنے کی ایک آواز ہی تو ہے کہ دفعتہً وہ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے حالانکہ وہ اس وقت آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ اچانک ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ نہ تو اپنے اہل و عیال کو وصیت ہی کر پاتے ہیں اور نہ ان میں واپس ہی لوٹ کر آسکتے ہیں۔ بلکہ ان کے سامنے ان کے ہاتھوں ہی موت کا پیالہ پی لیتے ہیں۔ صور کی پہلی آواز کے بعد قیامت کا پہلا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝

صُور کی دوسری آواز پھر دوسری بار صور کی آواز گونجتی ہے۔ دفعتہً وہ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ خوف و دہشت کے عالم میں تیزی سے قدم بڑھاتے ایک دوسرے سے پوچھتے جا رہے ہیں —— مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ —— ہمیں ہماری قبروں سے کس نے نکال باہر کیا ہے؟ —— پھر آنکھیں مَلتے ہوئے فضائے بسیط میں گونجنے والی اس حقیقت کا اعتراف اور اس کی توثیق کرتے ہیں: هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ —— ہاں! یہ وہ دن ہے جس کا وعدہ رحمان نے کیا تھا اور جس کی تصدیق اس کے رسولوں نے کی تھی —— آج قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا سبب یہی ہے۔

صُور کی تیسری آواز پھر تیسری بار صور کی آواز گونجتی ہے :—— فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ —— ابھی فوراً وہ سب ہمارے حضور میں حاضر

ہونے والے ہیں ـــــ لو دیکھو! آنکھ جھپکنے میں پیشی کا بندوبست ہو گیا ہے۔ لوگوں کی قطاریں لگ گئی ہیں۔ سب کے سب مہربلب شہنشاہِ عالم کا اعلانِ عام کان لگا کر سن رہے ہیں۔ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ آج کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو گی دنیا میں تم جو عمل کرتے رہے تھے آج ان کی جزا دی جائے گی۔ ـــــ یہاں کسی ناانصافی کا کوئی سوال نہیں۔

مندرجہ بالا تینوں مناظر جس سرعت سے پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں اس میں اور اس جواب میں جو ظاہر و باہر" وعدے کے دن" کے بارے میں اہلِ تشکیک کو دیا گیا ہے کیسی موزونیت ہے ؟

ربِ رحیم کی طرف سے اہلِ جنت کا استقبال

اس کے بعد حسبِ وعدہ بنی نوعِ انسان کی اطاعت و نافرمانی کے لحاظ سے تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم اپنی نگاہ دائیں بائیں سے ہٹا لیتے ہیں لیجیے! اب ہم دائیں طرف نگاہ ڈالتے ہیں۔ یہ دیکھیے یہ اہلِ جنت ہیں۔ نعیم ابدی میں خوشی خوشی عیش و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ جنت کی گھنی چھاؤں میں چھپر کھٹ شاندار تختوں پر گاؤ تکیے لگا کر بیٹھے نسیمِ بہشت کے عطر بیز جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ قسم قسم کے پھلوں سے ان کی تواضع ہو رہی ہے۔ جو چاہیں حاضر ہے۔ کیوں نہ ہو! وہ ہر چیز کے مالک ہیں جو چاہیں مانگیں۔ سب کچھ اُن کا ہے۔ لذتِ کام و دہن سے بڑھ کر وہ عجب طرح کا روحانی کیف و سرور اس عزت و توقیر میں پا رہے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان کے استقبال میں کی گئی ہے ـــــ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ـــــ ربِ رحیم کی طرف سے ان پر سلام ہو ـــــ سبحان اللہ! کیا شان ہے جنت والوں کی! ربِ رحیم جنت کے دروازے پر کھڑے داخل ہونے والوں کو خود خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ کتنا قابلِ رشک و روح پرور ہے یہ نظارہ!

مجرموں کی چھانٹی

پھر ہم بائیں طرف نگاہ ڈالتے ہیں۔ یہ دیکھیے! یہ اہلِ دوزخ ہیں ڈانٹ ڈپٹ اور ذلت و رسوائی کا شکار بنے پڑے ہیں انہیں اہلِ ایمان سے علیحدہ کر دیا گیا ہے ـــــ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ـــــ اہلِ ایمان سے دُور ایک کونے میں ایک طرف ہو جاؤ۔ دنیا میں تم اہلِ ایمان سے سرفراز بنے پھرتے

تھے۔ آج سرفرازی ان کی ہے۔ یہ کوئی زیادتی نہیں ہے۔ اصل قصور تمہارا اپنا ہے۔ جس دن شیطان نے تمہارے باپ آدمؑ کو جنت سے نکلوایا تھا اس دن میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ "اے بنی آدم! شیطان کی بندگی نہ کرنا وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ بندگی صرف میری کرنا۔ کیونکہ میری بندگی ہی سیدھا راستہ ہے۔" لیکن تم نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ شیطان سے دور رہنے کی بجائے اس کی چالوں میں آگئے۔ حتیٰ کہ اس نے تمہاری بہت سی نسلیں گمراہ کر ڈالیں۔ کیا تمہارے بھیجے میں عقل نہ تھی؟ یقیناً نہ تمہارے پاس عقل تھی نہ دین! اب اپنے اعمال کی رسوا کن جزا پالو — هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ — یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ دنیا کی زندگی میں جو کفر تم کرتے رہے تھے اس کے سبب آج اس میں چلے چلو۔

ہاتھ اور پاؤں کی گواہی

جب یہ منظر ختم ہوتا ہے تو ایک دوسرا عجیب و غریب منظر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ لیجئے! یہ وہ کافر ہیں جن کے لبوں پر مہرِ سکوت لگا دی گئی ہے اب ان کی زبانیں بات نہیں کر سکتیں بلکہ اب ان کے ہاتھ اور پاؤں بول رہے ہیں اور ان کے زندگی بھر کے کرتوتوں پر گواہی دے رہے ہیں — اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ — واقعی کیسا عجیب و غریب منظر ہے! دل و دماغ اور قلب و روح کو کتنا متاثر کر رہا ہے — جب انسان اس منفرد قسم کی صورت حال سے دوچار ہوتا ہے اس کے اعضاءِ بدن ایک دوسرے سے الگ شخصیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر عضو دوسرے پر گواہی دیتا ہے۔ اور اس طرح پوری انسانی شخصیت مختلف اجزا اور وحدتوں میں تقسیم ہو جاتی ہے! — اُف! کتنا تعجب انگیز ہے یہ!

آنکھوں کی بینائی سلب ہو جائیگی

اسی اثنا میں جبکہ اس عجیب و غریب منظر کی دہشت ہم پر طاری ہے ہمارے حاشیۂ خیال میں ایک جنبش سی ہوتی ہے۔ یک لخت ایک دوسرا منظر ہمارے پردۂ تصور پہ آنمودار ہوتا ہے جسے ہم محض ایک معمولی سی بات سمجھتے ہیں لیکن عالمِ تصور میں یہ ایک واقعہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دیکھئے! یہ ایک گروہ ہے ان کی آنکھوں کی بینائی سلب کر لی گئی ہے اور انہیں راستے پہ آگے بڑھنے کے لیے یونہی کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ نہ انہیں کچھ سجھائی دے رہا ہے نہ وہ ٹٹول کر ہی راستہ ڈھونڈ پاتے ہیں۔ بس اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارتے

بگ ٹٹ دوڑے جا رہے ہیں۔ آخر انہیں کیسے سجھائی دے؟ — وَلَوْ نَشَاۤءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ۝۶۶ ———

مجرم پتھر کی مورتیاں بن جائیں گے

لیجئے ابھی ہم اپنے خیال میں اس منظر کے نظارے میں محو ہیں اور ان اندھوں کی حرکات دیکھ رہے ہیں — اور وہ بینائی سے محروم ٹامک ٹوئیے مارتے بگ ٹٹ دوڑے جا رہے ہیں — کہ اچانک ایک اشارہ ہوتا ہے اور دفعتہً ان کی حرکات بند ہو جاتی ہیں۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر یوں جامد و ساکن ہو جاتے ہیں جیسے پتھر کی مورتیاں۔ نہ چلتے ہیں نہ پھرتے۔ حالانکہ پل بھر پہلے وہ بینائی سے محروم ہونے کے بعد بھی ڈگمگاتے لڑکھڑاتے دوڑ رہے تھے!

کیوں نہیں؟ واقعہ کی عکاسی مخبرِ حقیقی خود کر رہا ہے:

وَلَوْ نَشَاۤءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ۝۶۷

نزولِ ملائکہ اور قیامِ قیامت

منکرینِ حق اس بات کا اصرار اور تقاضا کرتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور خدا کا رسول برحق ہے تو کیوں نہیں خدا کے فرشتے آکر انہیں اس سے آگاہ کر دیتے۔ جواب میں انہیں بتایا گیا ہے کہ جس روز اس مقصد کے لیے فرشتے نازل ہوں گے اس روز تو سرے سے فیصلہ ہی ہو جائے گا اور منکرینِ حق اپنے برے انجام کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش! وہ اس انجام کو دیکھنے سے پہلے فنا ہو گئے ہوتے لیکن اس وقت موت کا آنا ناممکن ہو گا۔ اس کے بعد ان پر کیا گزرے گی۔ قرآن اس کی تصویر یوں کھینچتا ہے:-

۱۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۤءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۤءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۚ

"اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اُس گھڑی کو جھٹلا چکے ہیں اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے وہ جب دُور سے ان کو دیکھے گی تو یہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے۔ اور جب یہ دست و پا بستہ اس میں ایک تنگ

كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ
أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾
قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن
دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ
نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُم
بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَ
مَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

(الفرقان ۱۱-۱۹)

جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے (اس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ) آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کو پکارو۔ ان سے پوچھو، یہ انجام اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے۔ اور وہی دن ہوگا جبکہ (تمہارا رب) ان کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلا لے گا جنہیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں۔ پھر وہ ان سے پوچھے گا "کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟" وہ عرض کریں گے "پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں۔ مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے" یوں جھٹلا دیں گے وہ (تمہارے معبود) تمہاری ان باتوں کو جو آج تم کہہ رہے ہو۔ پھر نہ تم اپنی شامت کو ٹال سکو گے نہ کہیں سے مدد پا سکو گے اور جو بھی تم میں سے ظلم کرے اسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

۲- قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ
عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي
أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ
لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾
وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴿٢٣﴾
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿٢٤﴾
وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنزِيلًا ﴿٢٥﴾
الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ
يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾
يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ
أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ

"جو لوگ ہمارے حضور پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں "کیوں نہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے جائیں یا پھر ہم اپنے رب کو دیکھیں۔ بڑا گھمنڈ لے بیٹھے یہ اپنے نفس میں اور حد سے گزر گئے یہ اپنی سرکشی میں۔ جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے کسی بشارت کا دن نہ ہوگا، چیخ اٹھیں گے کہ پناہ بخدا! اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اُڑا دیں گے۔ بس وہی لوگ جنت کے مستحق ہیں اس دن اچھی جگہ ٹھہریں گے، اور دوپہر گزارنے کو

الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (الفرقان ۲۱-۲۹) مقام پائیں گے۔ آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل اس روز نمودار ہو گا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اتار دیئے جائیں گے۔ اس روز حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی اور وہ منکرین کے لیے بڑا سخت دن ہو گا۔ ظالم انسان اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا "کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکائے میں آ کر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی۔ شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا"

۳- اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا (الفرقان ۳۴)

جو لوگ اوندھے منہ جہنم کی طرف دھکیلے جانے والے ہیں ان کا موقف بہت برا اور ان کی راہ حد درجہ غلط ہے۔

۱۔ تشخیص سے ہماری مراد ان اشیاء، معانی اور نفسیاتی کیفیات کو جامۂ حیات سے آراستہ کرنا اور جاندار جسم کی صورت میں پیش کرنا ہے جن میں جسمانی یا حیوانی زندگی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ فنی کمال قرآن میں اکثر مقامات میں موجود ہے اور حسن و خوبی کے اعتبار سے ان مقامات پر جنہیں تصویر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا ہے[۱]۔ یہ کمال غیر ذی روح اشیاء میں زندگی ڈالتا ہے جس سے وہ ایسے متحرک جسموں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو زندوں سے لین دین کرتے اور ان کے جواب میں حس و حرکت اور زندگی کی ہر علامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آگ کا بھبھکنا اور گھورنا

جن مناظر کو ہماری قوتِ متخیلہ محفوظ کر سکتی ہے ان میں سے ایک اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ یہ دیکھیے! یہ سامنے بھڑکتی ہوئی آگ کا منظر ہے جس میں زندگی کی رو سرایت کیے ہوئے ہے۔ جب یہ آگ نگاہ اٹھاتی ہے تو اس کی نظریں قیامت کی گھڑی کو جھٹلانے والوں پر پڑتی ہیں — اور وہ انہیں دور سے دیکھ رہی ہوتی ہے — جب وہ انہیں دور سے گھورتی ہے تو وہ اس کے غیظ و غضب اور جوش و غصہ کی آوازیں سنتے ہیں — اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا (۱۲) — گویا یہ ان پر مارے غصے کے بھڑک رہی ہے اس کے بھبکنے کی آوازیں اوپر اٹھ رہی ہیں اور یہ انہیں بھون ڈالنے کے انتظار میں

---

[۱] - یہ نزول کے لحاظ سے ۴۲ ویں سورت ہے۔

[۲] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے علامہ شہیدؒ کی کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" کی فصل "التخییل الحسی والتجسیم" کی طرف رجوع کریں۔

ہے۔ کیوں نہ ہو؟ غضب کے مارے تو بھبھک رہی ہے اور انتقام کی خاطر تو جل رہی ہے۔ اور وہ اسی کی طرف راہ ناپتے بڑھ رہے ہیں! — اُف! کتنا ہولناک اور کتنا حیرت انگیز منظر ہے! اور انتظار کی گھڑیاں؟ — ہائے افسوس! کتنی گراں ہیں یہ انتظار کی گھڑیاں!

مر کے بھی چین نہ پایا تو.....

وَإِذَآ أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا — (اور جب وہ دست و پا بستہ اس میں کسی تنگ جگہ میں ٹھونسے جاتے ہیں تو اس وقت وہ اپنی موت کو پکارنے لگتے ہیں) لیجئے وہ اپنے بدترین انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ یہ انجام جوش انتقام میں بھڑکتی ہوئی ڈھیروں آگ ہے جو ان کی تباہی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ بس وہ تباہی کے دہانے پر آگئے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں کہ انہیں یونہی کھلا چھوڑ دیا گیا ہو کہ وہ باآسانی اس کا مقابلہ کریں مگر وہ انہیں گرا لے یا یہ کہ اسے ختم کرنے کے لیے وہ چاروں طرف سے اس پر پل پڑیں لیکن مغلوب ہو کر رہ جائیں۔ نہیں۔ ایسا نہیں۔ بلکہ انہیں زبردستی اس حال میں اس میں ٹھونس دیا گیا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ انہیں ایک تنگ جگہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ دست و پا بستہ ہونے کے ساتھ جگہ کی تنگی ان کے لیے مزید تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اس مصیبت سے نجات کے لیے اپنی موت کو پکارے جا رہے ہیں۔ شاید سمجھ رہے ہیں کہ اب موت آئے گی تو وہ اس مصیبت سے چھوٹ جائیں گے۔ لیکن آج موت تو محض ایک تمنا اور آرزو ہے جو کبھی پوری نہ ہوگی البتہ اس ناقابل برداشت تکلیف سے نجات کے لیے واحد چارۂ کار بس یہی ایک آرزو تو ہے۔ لیجئے اب انہیں اپنی پکار کا جواب مل گیا ہے (— جس میں استہزاء، تلخی اور نجات سے قطعی مایوسی کے سوا اور کچھ نہیں —) لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا — (آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کو پکارو) جاؤ کم بختو! ایک بار ہی نہیں کئی کئی بار مر کر بھی دیکھ لو انجام یہی بھڑکتی ہوئی آگ ہے! اس سے اب کوئی مفر نہیں! ہائے؟ بے بسی! یاس ہی یاس! ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

کیا جنّت بہتر ہے یا دوزخ

دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ اور اس میں پڑنے والے مکذّبینِ حق کا پورا نقشہ کھینچنے کے بعد جب پورے منظر کا تاثر اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے بات کا رخ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑ جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ان سے پوچھو، یہ انجام اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خداترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے واجب الادا وعدہ ہے۔ بے شک جنت بہتر ہے! بھلا اس ناقابلِ برداشت مصیبت کا جنت کے ساتھ کیا مقابلہ! تمہیں پورا اختیار ہے دونوں میں سے جسے چاہو لے لو! یہ تمہاری اپنی پسند ہے۔

معبودانِ باطل اور ان کے پجاریوں کی پیشی

موقع و محل کے مطابق سلسلۂ کلام کی اس مختصر سی تبدیلی کے بعد عذاب کا ایک دوسرا منظر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا منظر ہے جو قیامت کی تکذیب کرتے اور خدائی میں اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ آج انہیں بھی یہاں لاکر جمع کر لیا گیا ہے اور ان کے ان معبودانِ باطل کو بھی لا حاضر کیا گیا ہے جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔ دیکھئے! اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کرنے والے اور جن کی بندگی کی جاتی تھی سب کے سب خدائے واحد و قہار کے دربار میں ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہیں۔ یہاں کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ ہیبت و جلالِ باری سے سب کے سب ساکت و صامت کھڑے فیصلے کے منتظر ہیں۔ ربِ ذوالجلال ان معبودانِ باطل کو مخاطب کرکے پوچھتے ہیں "کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟"

تباہی کا باعث دنیا کا عیش ہے

اللہ تعالیٰ خود عالمُ الغیب والشّہادۃ ہے۔ وہ خود جانتا ہے کہ گمراہی کے ذمّے دار کون ہیں؟ معبودانِ باطل یا وہ خود؟ لیکن ایسے عالم میں جبکہ پوری کائنات دربارِ الٰہی میں حاضر ہے یہ سوال بڑا ہیبت ناک ہے۔ یہ دراصل اتمامِ حجت ہے۔ آج یہاں کوئی حقیقت چھپائی نہیں جاسکتی۔ ہر حقیقت بے نقاب ہے اور سب کے سامنے ہے۔ چنانچہ یہ

معبودانِ باطل پورے عجز و انکسار کے ساتھ خدائے واحد و قہار کے حضور اس کفر و ضلالت سے اپنی برّیت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں اور اس کی ساری ذمے داری ان جاہل و ہٹ دھرم منکرینِ حق پر ڈالتے ہیں جو انہیں پوجتے رہے تھے۔ سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ بار الٰہا! ان کی گمراہی میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ نے ان کو اور ان کے بڑوں کو دنیوی زندگی میں مال و دولت کی فراوانی عطا کی۔ یہ دنیا کے عیش و عشرت میں مگن ہو کر آپ کی اُس نصیحت کو بھول گئے جو آپ کے رسول ان کے پاس لائے جس کے نتیجے میں اب یہ شامت آئی ہے کہ تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

بعد ازاں ان جاہل و ہٹ دھرم منکرین کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے:

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ —— لو دیکھ لو! انہوں نے تمہاری ان باتوں کی تردید کر دی ہے جو تم اپنی صفائی میں کہہ رہے تھے۔ سُن لو! ابدی عذاب اب تمہیں مل کر ہی رہے گا۔ نہ کوئی طاقت اسے ٹال سکتی ہے نہ تمہاری مدد ہی کر سکتی ہے تمہاری تباہی اور بربادی یقینی ہے ——

ظالم کے لیے عذاب ہے عین اس وقت جبکہ ہم عرصۂ خیال میں اس طویل منظر کے کرداروں کا مشاہدہ کرتے ان کے سوال و جواب سُن رہے ہوتے ہیں۔ سیاقِ کلام ہمیں ان کرداروں کے ساتھ دنیا میں اس طرح منتقل کر دیتا ہے کہ منظر کا یہ نقشہ ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہو پاتا اور اچانک یہ وعید ہمارے کانوں میں گونجنے لگتی ہے جو دنیا میں اُنہیں سنائی گئی تھی۔ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ —— جو بھی تم میں سے ظلم کرنے والا ہو گا ہم اسے سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے —— ہیبت ناک منظر کا مشاہدہ اور اس وعید کی اچانک گونج ہمارے ذہنوں پر چنداں گراں نہیں گزرتی۔ قرآن میں یہ طرزِ بیان بہت زیادہ ہے۔ کہیں ایک تیز جھپکی میں دنیا و آخرت اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کہیں جنت و دوزخ۔ اور کہیں ایک ہی پیرایۂ بیان میں تشویق و تنبیہہ جمع ہو جاتے ہیں اس لیے قرآن بُرے انجام سے ڈراتے اور اچھے انجام کا شوق دلانے کے لیے یہ مناظر بیان کر کے انسان کے دل و دماغ کو جھنجھوڑتا ہے۔

فرشتوں کا ظہور آفتِ ناگہانی ہو گا بعض کفار رسولِ خدا کو جھٹلانے کے لیے یہ دلیل دیتے

تھے کہ یہ ایک انسان ہی تو ہے جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ آخر ایک انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ رسالت کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تو کسی مافوق البشر ہستی کا مبعوث ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا کوئی اور ہستی ـــــ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا۔
ان کا یہ مطالبہ کہ ہدایت لے کر ان کے پاس فرشتے آئیں یا اللہ میاں ان سے بنفسِ نفیس بات کرے یہ تو ان کی بہت بڑی تعلّی اور بہت بڑی سرکشی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس دن ان کی تجویز پر عمل ہوگا اس روز فرشتوں کو دیکھ کر انہیں کوئی خوشی نہ ہوگی ـــــ
یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ ـــــ کیونکہ وہ دن تو پھر فیصلے کا دن ہی ہوگا۔ اس روز مجرموں کو کسی اچھے انجام کی بشارت نہیں دی جائے گی بلکہ ان کے کرتوتوں پر انہیں سزا دی جائے گی۔ اُف، کتنی ناگہانی ہوگی یہ آفت! کاش ان کی تجویز پر عمل نہ ہوتا! اس روز وہ فرشتوں کو دیکھ کر چیخ اٹھیں گے "پناہ بخدا! بچاؤ، ہٹاؤ!" ـــــ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝
کسی شر یا دشمن سے بچنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ محاورہ وہ دنیا میں اپنے دشمنوں کو دور ہٹانے اور ان کی زیادتی سے بچنے کے لیے بولا کرتے تھے۔ قیامت کے روز جب آفتِ ناگہانی ان پر ٹوٹ پڑے گی تو فرشتوں کو دیکھ کر بے اختیار حیرت و استعجاب میں یہ کلمات ان کی زبان سے نکل جائیں گے۔ لیکن آج وہ ہیں کہاں کہ جہاں سے نکل بھاگنے کی وہ دہائی دے رہے ہیں؟

کیا دھرا سب خاک میں

آج اُن کی یہ چیخ و پکار کسی کام نہ آئے گی بلکہ دنیا میں انہوں نے جو کچھ کیا دھرا تھا سب غبار کی طرح اڑا دیا جائے گا۔
وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝ ـــــ یوں پل بھر میں ہم اپنے خیال میں مجسّم صورت میں، قدموں کا آگے بڑھنا، عملوں کا چن کر اوپر پھینکنا اور فضا میں غبار کا اڑنا دیکھتے ہیں۔ اور یوں ان کی زندگی بھر کا کیا دھرا ہماری آنکھوں کے سامنے غبار بن کر اڑ جاتا ہے۔

جنت بہترین جائے قرار ہے

یہاں پہنچ کر موقع و محل کے مطابق کلام کا رخ ایک بار پھر اہلِ جنت کی طرف مڑ جاتا ہے ـــــ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا۝ ـــــ مجرمین کے برعکس اہلِ جنت کو نہایت اچھی "جائے قرار" نصیب ہوگی ـــــ "جائے قرار" اس لحاظ سے کہ مجرمین کے غبار

کی طرح اُڑتے ہوئے اعمال ـــــ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ـــــ کے ہلکا پن کے مقابلے میں اہلِ جنت کے ہاں "قرار" اور ٹھہراؤ ہوگا ـــــ "جائے قرار" اس معنی میں بھی کہ عذاب دیکھ کر مجرمین کی جزع فزع کے مقابلے میں اہلِ جنت اطمینان و سکونِ قلب سے سرشار ہوں گے ۔ نیز انہیں "جنت" کے گھنے سایوں میں عیش و آرام سے دوپہر گزارنے کیلئے نہایت عمدہ جگہ ملے گی۔

فرشتوں کا نزول قیامت ہی کو ہوگا

کفار کی یہ خواہش اور تقاضا تھا کہ اللہ اور اس کے فرشتے سیاہ بادلوں میں سے چتر لگائے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوں تو وہ ایمان لے آئیں ۔ یہ عقیدہ انہوں نے اسرائیلی روایات سے لیا تھا جن میں یہ تصور کیا گیا ہے کہ خدا لوگوں کے سامنے بادلوں میں سے جلوہ نما ہوتا ہے ۔ قرآن پلٹ کر اس منظر کی عکاسی کرتے ہوتے ان کے سامنے اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ جس روز بادلوں میں سے فرشتے اتریں گے اس روز حقیقی بادشاہی خدائے رحمان ہی کی ہوگی ـــــ يَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ۝ اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ لِلرَّحۡمٰنِ‌ؕ بھلا اس روز ایمان لانے کا کیا سوال ہوگا! یہ وہی فیصلے کا دن تو ہوگا جس کا وہ انکار کرتے رہے ہوں گے ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی دن کافروں کے لیے سخت ترین دن ہوگا ـــــ وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡـكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ۝ ـــــ لیکن وائے بدبختی! دوسری طرف یہی وہ دن ہوگا جس کا وہ خود تقاضا کرتے رہے ہوں گے! ـــــ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةُ ـــــ

کاش! رسول کا ساتھی ہوتا!

آگے بڑھتے ہیں تو عرصۂ خیال پر ایک منفرد قسم کا منظر نمودار ہوتا ہے جس میں ندامت و شرمساری کا جذبہ ابھار آگیا ہے ۔ قرآن اس منظر کو قدرے طوالت سے پیش کرتا ہے ۔ سامع کو یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ کبھی ختم نہ ہو ۔ منظر میں ایسے ظالم کی تصویر پیش کی گئی ہے جو احساسِ ندامت اور تاسّف کی وجہ سے اپنے دونوں ہاتھوں کو چباتا ہے ۔ شدّتِ تاسف و ندامت میں پکار اٹھتا ہے "کاش! میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا ۔ ہائے میری کم بختی! کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا ۔ اس کے بہکائے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی ۔ شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا" ۔ اس کے چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے سو حسرت و تاسف کے عالم میں لمبے لمبے سانس بھرنے لگتا ہے ۔ ہچکیوں کی آواز

ابھرتی ہے۔ ناظرین خود بھی منظر سے متاثر ہو کر احساسِ ندامت میں پوری طرح شریک ہو جاتے ہیں۔ منظر میں طوالت اختیار کرنے کا مقصد بھی یہی ہے۔ قرآن کے اندازِ بیان میں ادبی و فنی تناسق کے چند پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہ بھی ہے۔

دوزخی دوزخ میں اوندھے ڈالے جائیں گے سورۃ میں یہ لعد کی آیات جہنم میں جمع ہونے والوں کا ایسا نقشہ پیش کرتی ہیں جس میں روحانی اذیت اور جسمانی عذاب دونوں موجود ہیں — اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ — جو لوگ جہنم میں دھکیلے جا رہے ہیں وہ منہ کے بل اوندھے کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ جسمانی طور پر یہ بڑی ناپسندیدہ سی صورت ہے۔ جس سے صرف متقی لوگ ہی بچے رہیں گے۔ چونکہ یہ بہت برا ٹھکانا ہے اس لیے اس میں روح کی اذیت کا سامان بھی موجود ہے یعنی ذلت و رسوائی — اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا

اہلِ ایمان کا شکر و سپاس اور اہلِ دوزخ کی چیخ و پکار

جنت میں اہلِ ایمان اپنے اعمال کی بہتر جزا پا کر سکھ چین محسوس کریں گے، اس کے برعکس اہلِ دوزخ جہنم میں دردناک عذاب دیکھ کر چیخیں گے، چلائیں گے۔ دوبارہ حیاتِ دنیوی میں رہ کر اعمالِ صالحہ کرنے کی دہائی دیں گے اور موت کی تمنا کریں گے لیکن وہاں سے نہ تو دوبارہ حیاتِ دنیوی میں آنا ممکن ہو گا نہ موت ہی نصیب ہو گی۔ سورۃ فاطر کی یہ آیات اس کیفیت کی پوری پوری عکاسی کرتی ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ

(اہلِ ایمان کے لیے) ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا۔ وہاں ان کا لباس ریشم ہو گا اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا۔ اب یہاں نہ ہمیں کوئی مشقت پیش

نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ۖ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ۝

(فاطر ۳۳-۳۷)

آتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کا قصہ پاک کر دیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ ان کے لیے جہنم کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر اس شخص کو جو کفر کرنے والا ہو۔ وہ وہاں چیخ چیخ کر کہیں گے کہ "اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال لے۔ تاکہ ہم نیک عمل کریں ان اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے رہے تھے۔" (انہیں جواب دیا جائے گا) "کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا؟ اور تمہارے پاس متنبہ کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مزا چکھو۔ ظالموں کا اب یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔" (فاطر ۳۳-۳۷)

قرآن کے عام دستور کے مطابق اس سورت میں بھی دو منظر پیش کیے گئے ہیں۔ ایک جنت میں انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہونے والوں کا دوسرا دوزخ میں سزا پانے والوں کا دونوں منظر باہمی تقابل میں انسان کے دل و دماغ پر مختلف اثر ڈالتے ہیں۔ لیکن دونوں کا ہدف ایک ہی ہے۔

جنت رنج و غم سے پاک ہوگی

پہلا منظر جنت والوں کا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جنت میں نعمتِ ابدی کی نوعیت دو طرح کی ہوگی ایک مادی ہوگی اور دوسری روحانی۔ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے انہیں موتی جڑے سونے کے کنگن اور ریشمی لباس پہنائے جائیں گے۔ سونے چاندی کے زیورات اور ریشمی لباس وہ مادی سامانِ زندگی ہے جو اکثر لوگوں کے جذبۂ عیش پسندی کی تسکین کرتا ہے۔ یہ مادی نعمت ہے جسے ہم ہاتھ لگا کر دیکھ سکتے ہیں۔ دوسری طرف جب وہ جنت میں مادی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوں گے تو دنیوی زندگی کی کلفتوں سے نجات پاکر بڑی مسرت محسوس کریں گے اور خدا کا شکر ادا کریں گے ——— "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ"۔ گویا اُنہیں رضائے الٰہی نصیب ہوگی جو اطمینان اور سکونِ قلب سے عبارت ہے۔ یہ روحانی نعمت ہے۔ جسے ہم محسوس تو کر سکتے ہیں لیکن ہاتھ لگا کر دیکھ نہیں سکتے ——— دنیوی زندگی میں چونکہ انسان کچھ نہ کچھ دکھ اور تکلیف ضرور اٹھاتا ہے اس لیے "دنیا کو جنت کی ابدی راحت کے مقابلے میں "حزن" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس قیامت کے روز کا دکھ بہت بڑے غم کا موجب ہوگا۔

---

[۱] نزول کے لحاظ سے ۴۳ ویں سورت ہے۔

جنّت میں سُکھ چَین ہو گا آخرت میں راحت و آرام پا کر وہ اعتراف کریں گے کہ اُن کے پروردگار نے ان کی لغزشوں کو معاف کر دیا اور اتنا بڑا اجر دیے کہ ان کے اعمالِ صالحہ کو قبول کر لیا ہے۔ اور انہیں قیام کرنے اور زندگی سُکھ چَین سے بسر کرنے کے لیے "جائے قیام" عطا کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا اپنے پروردگار پر کوئی حق نہیں تھا۔ بلکہ یہ محض اس کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرُۨ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ــــ اب یہاں نہ تو تکان محسوس ہوتی ہے نہ اور کسی قسم کا کوئی دکھ درد۔ بلکہ یہاں ہر طرح کا عیش و آرام اور اطمینان و سکون موجود ہے ــــ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ــــ

جنّت عمدہ "جائے قیام" ہے عالمِ تصور میں پورا ماحول ایسا محسوس ہوتا ہے جس میں ہر طرف آسودگی، راحت اور عیش ہے۔ قرآن نے اس منظر کے بیان کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ اس راحت بخش ماحول اور وقت کے عین مطابق ہیں۔ حتّیٰ کہ الحُزْن (جس کے حرف ز پر جزم ہے) کی بجائے الحَزَن ــــ (جس کے حرف ز پر زبر ہے) استعمال کیا ہے۔ پہلے لفظ میں ز ساکن ہونے کی وجہ سے تلفظ کے وقت آواز میں ٹھہراؤ اور ثقل ہوتا ہے۔ جس سے "حزن" کا احساس بڑھ جاتا ہے لیکن دوسرے میں زبر کی وجہ سے تلفظ کے وقت آواز میں سہولت اور ہلکا پن محسوس ہوتا ہے جس سے "حزن" کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں الجنتہ کی جگہ دار المقامۃ (جائے قیام) استعمال کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں قیام مقصود ہو وہاں قیام کی جملہ آسائشوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ جو محض لفظ جنّۃ کے استعمال سے تصوّر میں نہیں آسکتیں۔ اسی طرح لفظ الحَزَن اور دار المقامۃ کا استعمال اس بات کا از خود تقاضا کرتا ہے کہ وہاں کسی قسم کا دکھ درد یا تکان انسان کے نزدیک بھی پھٹکنے نہ پائیں۔ چنانچہ الفاظ سے پیدا ہونے والی موسیقی بڑی تیز، پُرسکون اور پُرکیف ہے اور ماحول کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔

دوزخ میں قلق و اضطراب ہو گا بعد ازاں ہم دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں! پوری فضا بے چَینی، بے قراری اور قلق و اضطراب کی تصویر بنی ہوئی ہے ــــ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے۔ یوں سمجھیے کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ حتّٰی کہ موت سے جو راحت مل سکتی ہے یہاں وہ بھی میسر نہیں ہے۔ کیوں ہو؟ یہاں تو ہر سرکش و نافرمان کی یہی جزا ہے — كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ۝

پھر یہاں بے شمار خطروں اور اندیشوں کی وجہ سے، مختلف سمتوں سے اور مختلف آوازوں میں پیدا ہونے والی ایک سخت کریہہ اور خوفناک چیخ و پکار ہمارے کانوں میں پڑتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی چیخ و پکار ہے جو دوزخ میں پھینک دیے گئے ہیں — وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا۔ لفظ " يَصْطَرِخُوْنَ " کے تلفظ سے پیدا ہونے والی آواز بذاتِ خود وہ ساری کیفیت پیدا کرتی ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس کرخت چیخ و پکار سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں "اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس عذاب سے نکال لے۔ اب ہم نیک عمل کریں گے اور ان اعمال کے نزدیک بھی نہ پھٹکیں گے جو ہم پہلے کرتے رہے ہیں — رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ" — یہ التجاء درحقیقت ان کی ندامت، اعترافِ گناہ اور توبہ کی علامت ہے۔ لیکن اب وقت گزر جانے کے بعد ندامت و انابت سے کیا حاصل؟ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ دوزخ کی التجا کے جواب میں انہیں سخت سرزنش آمیز دوٹوک جواب ملتا ہے — اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ — کیا ہم نے تمہیں زندگی کی مہلت نہیں عطا کی تھی کہ جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن تم نے اس مہلت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ حالانکہ نصیحت کے لیے یہ مہلت کافی تھی۔ پھر کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا بھی نہیں آیا جو تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا؟ — وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ؟ — (استفہام میں اقرار ہے) ہاں! یقیناً آیا تھا۔ کیا کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ مہلتِ حیات کے ساتھ بُرے انجام سے ڈرانے والے کی آمد ڈرانے اور خبردار کرنے کی حجت پوری کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر تم نے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی اور بُرے انجام سے نہیں بچے تو اب عذاب کا مزا چکھو۔ نصیحت نہ لے کر تم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور ایسا ظلم کرنے والوں کا تو کوئی بھی مددگار نہیں ہے — فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۝

یہ دونوں باہم متقابل تصویریں ہیں۔ ایک طرف امن و راحت ہے اور دوسری طرف قلق و اضطراب۔ ایک طرف نغمۂ شکر و دعا ہے اور دوسری طرف غوغائے چیخ و پکار

ایک طرف عنایت بے پایاں اور تکریم ہے اور دوسری طرف کمال بے اعتنائی اور سرزنش ایک طرف نرم میٹھی اور رسیلی آواز ہے اور دوسری طرف سخت بھونڈی اور درشت آواز۔ یوں تقابل بھی کمال درجے کا ہے اور جملہ کلیات و جزئیات میں تناسق بھی کمال درجے کا۔ یہ قرآن کے بلیغ و بدیع اندازِ بیان کا ایک نادر نمونہ ہے جس میں بیک وقت ایک ہی مقام میں تقابل بھی ہے اور تناسق بھی ؛

دوزخیوں کا جمگھٹا اور اہلِ جنت کا وفد

ایک طرف دوزخ کے گرد دوزخیوں کا جمگھٹا لگا ہوگا اور انہیں چن چن کر اس میں پھینکا جا رہا ہوگا۔ دوسری طرف اہلِ جنت شاہی وفد کی صورت میں دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور نہایت پرسکون ماحول میں صبح و شام ان کی ضیافت ہوگی۔

۱۔ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

(مریم[1] ۶۱ - ۶۳)

۱۔ (ان کے لیے) ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے در پردہ وعدہ کر رکھا ہے اور یقیناً یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا ہے۔ وہاں وہ کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے جو کچھ بھی سنیں گے ٹھیک ہی سنیں گے۔ ان کا رزق انہیں پیہم صبح و شام ملتا رہے گا۔ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار رہا ہے۔

۲ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

(مریم ۶۸ - ۷۲)

۲ ۔۔۔۔۔ تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے۔ پھر جہنم کے گرد لا کر انہیں گھٹنوں کے بل گرا دیں گے۔ پھر ہر گروہ میں سے ہر اس شخص کو چھانٹ لیں گے جو رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش بنا ہوا تھا۔ پھر ہم یہ جانتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے بڑھ کر جہنم میں جھونکے جانے کا مستحق ہے۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو بچا لیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے۔ اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

---

[1] نزول کے لحاظ سے یہ ۴۴ ویں سورت ہے ؛

۳۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم ۸۵-۸۷)

وہ دن آنے والا ہے جب متقی لوگوں کو ہم مہمانوں کی طرح رحمان کے حضور پیش کریں گے۔ اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے اس وقت لوگ کوئی سفارش لانے پر قادر نہ ہوں گے۔ بجز اُس کے جس نے رحمان کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا ہو۔ (مریم ۸۵-۸۷)

۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم - ۹۶)

۴۔ یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔

جنّت کا پاکیزہ ماحول

۱۔ یہ جنّت کی تصویر ہے۔ جس میں پُرامن و پُرسکون ماحول اور پُرکیف و منضبط زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہاں کوئی بیہودہ فضول اور گندی بات نہیں ہے۔ نہ یہاں کوئی دنگا فساد اور شور وشغب ہے۔ اس پرکیف و خوش کن ماحول کی مناسبت سے یہاں ایک ہی بات دیکھی اور سُنی جا سکتی ہے اور وہ ہے "سلامتی کی آواز" یعنی ہر طرف گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت، فتنہ و فساد شرارت، بدزبانی اور فحش کلامی سے پاک بات۔ یہاں رزق کی ذمہ داری رب رحیم پر ہے اس نے پہلے سے اس کی ضمانت دے رکھی ہے، حصولِ رزق کے لیے یہاں کسی مطالبے اور تگ و دو کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ یہ چیز اس ماحول میں زیب دیتی ہے یہاں تو دو وقت کا کھانا اس میزبان کے ذمے ہے جس نے اس باغ کا وارث اپنے ان بندوں کو بنایا ہے جو پرہیزگار اور ہر وقت اس کی نافرمانی سے ڈرتے رہنے والے ہیں

دوزخی گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیئے جائینگے

۲۔ سلسلۂ کلام میں یہ دوسرا منظر منکرینِ قیامت کے سوال کے جواب میں پیش کیا گیا ہے وہ کہتے تھے کہ "کیا انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اٹھایا جائیگا؟" وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا؟ —— اس سوال کے جواب میں تہدید آمیز لہجے میں اعلان کیا گیا ہے " فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ —— تیرے رب کی قسم! ہم ضرور انہیں قیامت کے روز جمع کریں گے۔ لیکن وہ وہاں اکیلے ہرگز نہیں ہوں گے بلکہ ان کے ساتھ وہاں ان کے وہ شیاطین بھی جمع کر لیے جائیں گے۔ جن کی دنیا میں یہ پیروی کرتے

لسیے ہوں گے۔ اگرچہ دنیا میں ان کا باہمی تعلق پیشواؤں اور پیروؤں کا یا دوساتھیوں کا تھا دربارِ الٰہی میں دونوں برابر ایک ہی سطح پر ہوں گے۔ اس کے بعد دوزخ کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ دوزخی ذلت اور خوف کی حالت میں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں گھسیٹ گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے جا رہے ہیں۔ جو بغاوت وسرکشی میں بڑھے ہوئے اور زیادہ زور آور ہیں انہیں چن چن کر جہنم میں پہلے پھینکا جارہا ہے۔ الفاظِ قرآن میں "تشدید" ان کے گھسیٹے جانے کی عکاسی کرتی ہے۔ "تشدید" کی ادائیگی کے ساتھ ہی تصور میں ان کے گھسٹ کر پھینکے جانے کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مومنین عین موقعہ پر کھڑے دوزخیوں کے گھسیٹ گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے جانے کا منظر دیکھتے ہیں۔ وہ دنیا میں اس روز کے برے انجام سے ڈرتے رہے تھے اس لیے کامیابی کے ساتھ صحیح وسالم اس مقام سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن مجرمین جہنم میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے رہ جاتے ہیں۔

جنتیوں کا وفد دربارِ الٰہی میں

۳۔ بعدازاں سلسلۂ کلام مندرجہ بالا دونوں گروہوں کا ایک دوسرا مختصر سا منظر پیش کرتا ہے اور دونوں گروہوں کا تقابل آناً فاناً ہوجاتا ہے۔ مومن سب کے سب اکٹھے شاہی وفد کی شکل میں عزت ووقار کے ساتھ رحمان کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہ رحمان کی طرف رُخ کیے ہوئے ہیں فضلِ باری اور رحمتِ ایزدی ان کا استقبال کرتی ہے۔ دوسری طرف مجرم لوگ پیاسے جانوروں کے ریوڑ کی صورت میں جہنم کی طرف جاتے ہیں۔ ان کا رخ جہنم کی طرف ہے۔ جہنم کے شعلے اور اس کی لپٹیں ان کے استقبال میں ہیں۔ آج وہ اپنی کوئی سفارش لانے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ آج سفارش بھی صرف اُسی کی چل سکتی ہے جس نے دنیا میں ایسے نیک اعمال کیے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نیکی شمار ہوتے ہوں اور جن کی مقبولیت کا اس نے وعدہ کیا ہو۔

اہلِ ایمان خدا کے محبوب ہوں گے

۴۔ اسی منظر کے متصل آگے اہلِ ایمان کو دی جانے والی ایک خاص نعمت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

—— اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ —— یقیناً جو لوگ

ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں۔ عنقریب رحمان ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔" یہ ایک لطیف روحانی نعمت کا ذکر ہے۔ جس میں خصوصیت کی حامل خدائے رحمان اور اس کے نیک بندوں کے ایک گروہ کے درمیان اعلیٰ ترین محبت کا وجود ہے۔ اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت یہ نعمت بذاتِ خود ایسی نعمت ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

دربارِ الٰہی اور ہُو کا عالم

جب قیامت برپا ہوگی تو ایک صُور پھونکا جائے گا۔ پورا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا حتیٰ کہ بلند و بالا پہاڑ ریت کے ذرّوں کی مانند فضا میں اُڑ جائیں گے۔ کرۂ ارضی ایک چٹیل میدان بن کر رہ جائے گا۔ ہر سُو ہُو کا عالم ہوگا۔ پوری بنی نوعِ انسان دربارِ الٰہی میں حاضر ہوگی۔ اپنے اپنے عملوں کی جزا پا کر نافرمان جہنم میں اور فرماں بردار جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ کلامِ الٰہی نے تاریخِ کائنات کا یہ مرحلہ سورۃ طٰہٰ[1] میں تین مختلف مناظر میں پیش کیا ہے ملاحظہ ہو:

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ ﴿٧٦﴾

(سورۃ طٰہٰ ۷۴ - ۷۶)

حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ جیئے گا نہ مرے گا۔ اور جو اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں سدا بہار باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔

يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ

اس دن جبکہ صُور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس حال میں گھیر لائیں گے کہ ان کی آنکھیں دہشت کے مارے پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ دنیا میں مشکل ہی سے تم نے کوئی دس دن گزارے ہوں گے ــ ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہوں گے (ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ) اس وقت ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ محتاط اندازہ لگانے والا ہوگا وہ کہے گا کہ نہیں، تمہاری دنیا کی زندگی بس ایک دن کی زندگی تھی۔ یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر اس دن یہ پہاڑ

---

[1] بہ لحاظ نزول ۴۵ ویں سورت ہے۔

لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝

(سورۃ طٰہٰ ۱۰۲ - ۱۱۲)

کہاں چلے جائیں گے؟ کہو کہ میرا رب ان کو دھول بنا کر اُڑا دے گا اور زمین کو ایسا چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں تم کوئی بَل اور سلوٹ نہ دیکھو گے ــــ اس روز سب لوگ مُنادی کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے کوئی ذرا اکڑ نہ دکھا سکے گا اور آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی: ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے ۔ اس روز شفاعت کارگر نہ ہو گی الا یہ کہ کسی کو رحمٰن اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے ــــ وہ لوگوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے ۔ اور دوسروں کو اس کا پورا علم نہیں ہے ــــ لوگوں کے سر اس حیّ و قیوم کے آگے جھک جائیں گے ۔ نامراد ہو گا جو اس وقت کسی ظلم کا بارِ گناہ اٹھائے ہوئے ہو اور کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہ ہو گا اس شخص کو جو نیک عمل کرے اور اُس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝

(طٰہٰ ۱۲۳ - ۱۲۶)

اور فرمایا "تم دونوں فریق، یعنی انسان اور شیطان، یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے ۔ اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا اور جو میرے "ذکر" (درسِ نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہو گی اور قیامت کے روز ہم اُسے اندھا اٹھائیں گے" ــ وہ کہے گا "پروردگار! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا یہاں مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟" اللہ تعالیٰ فرمائے گا "ہاں، اسی طرح تو ہماری آیات کو، جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں تو نے بھلا دیا تھا ۔ اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے" ــــ

مجرم کیلئے جہنم، اہلِ ایمان کے لیے سدا بہار باغ

اس سورت کے پہلے مشہد میں عذاب کا وہ منظر دکھایا گیا ہے جس کا ذکر قبل ازیں سورت الاعلیٰ کے بیان میں گزر چکا ہے ۔ اس عذاب کی کرب ناک کیفیت یہ ہے کہ "نہ اس میں آدمی مرے گا اور نہ جیئے گا" ۔ لیکن یہاں اس سے قبل جس کیفیت کا ذکر ہے یعنی ــــ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ــــ (بے شک جو شخص اپنے رب کے حضور مجرم کی حیثیت میں پیش ہو گا اس کے لیے جہنم ہے ــــ ایسی جہنم کہ جس میں نہ آدمی مرے گا نہ جیئے گا) ــــ اس چیز کا سورت الاعلیٰ میں ذکر نہیں ہے ۔ ذرا چشمِ تصور کو وا کیجیے اور دیکھیے! یہ پیشی! کسی اور

کے حضور میں نہیں اپنے "رب" کے حضور میں ہو رہی ہے! اور کس حالت میں ہو رہی ہے؟ "مجرم" کی حیثیت میں! اور مجرم کی سزا کیا ہے؟ جہنم! کتنی زبردست دھمکی ہے! پھر اس کے ساتھ ہی مؤمنین صالحین کا ذکر ان الفاظ میں ہے "یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بلند درجات مخصوص ہیں ان کے لیے سدابہار باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان باغات میں ان کا قیام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہ ان لوگوں کی جزا ہے جنہوں نے اپنی زندگی گناہوں اور نافرمانیوں سے پاک کرلی۔" سبحان اللہ! کتنا عجیب تقابل ہے! مجرمین جہنم میں کہ جس میں نہ مریں نہ جئیں۔ اور اہل ایمان سدابہار باغات میں، جہاں کا قیام دائمی! اگرچہ بنیادی طور پر اس کیفیت کا ذکر سورت الاعلیٰ میں آچکا ہے، یہاں اسے نئے سیاق میں دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ اس نئے سیاق وسباق نے منظر کی پوری فضا اور اس کے دائرۂ اثر کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

گنہگاروں کی پیشی اور ان کی ہڑبڑاہٹ

دوسرا منظر بالکل نیا ہے۔ یہ دیکھئے! مجرم وگنہ گار لوگ دربارِ الٰہی میں حاضر ہو رہے ہیں۔ خوف و دہشت نیز غم اور تکلیف کے باعث ان کا خون خشک ہو گیا ہے۔ اور ان کے چہرے[1] نیلے پڑ گئے ہیں۔ میدانِ حشر میں ہر سُو چھائی ہوئی خوفناک ہیبت اور ذاتِ باری کے رعب وجلال کے باعث بات اونچی نہیں کرسکتے۔ آپس میں چپکے چپکے کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ کیا کانا پھوسی کر رہے ہیں؟ —— کچھ دن قبروں میں رہنے کی وجہ سے جہاں وہ مُردہ حالت میں پڑے رہے تھے اور مرورِ زمانہ کے شعور سے قطعی محروم ہو چکے تھے —— وہ آپس میں قیافے لگا رہے ہیں کہ قبر[2] میں وہ کتنے دن ٹھہرے؟ —— آج انہیں کچھ یوں خیال آرہا ہے کہ "شاید ہم کوئی دس دن سے

---

[1] اصل میں لفظ "زُرْقًا" استعمال ہُوا ہے جو اَزْرَق کی جمع ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ لوگ خود ازرق (سفیدی مائل نیلگوں) ہو جائیں گے کیونکہ خوف ودہشت کے مارے ان کا خون خشک ہو جائے گا اور ان کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ گویا ان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں نے اس لفظ کو ازرق العین (کرنجی آنکھوں والے) کے معنی میں لیا ہے اور وہ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ شدتِ ہول سے ان کے دیدے پتھرا جائیں گے۔ جب کسی شخص کی آنکھ بے نور ہو جاتی ہے تو اُس کے حدقۂ چشم کا رنگ سفید پڑ جاتا ہے۔" (تفہیم القرآن) محترم مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے ترجمہ میں دوسرے معنی لیے ہیں اور مصنف مرحوم نے پہلے معنی۔ ان کے نزدیک ازرق الوجوہ (نیلگوں چہرے والے) موقع ومحل کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے۔

[2] محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ کا ترجمہ کرتے وقت ان کی اس قیاس آرائی کو دنیوی زندگی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مُصنّف مرحوم اسے

(باقی ص ۱۷۰ پر)

زیادہ نہیں ٹھہرے۔" ان میں سے جو زیادہ صائب الرائے ہے کہتا ہے "نہیں بھئی! دس دن کہاں؟ تم تو ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔" خوف و پریشانی میں ان کے جاہلوں اور عالموں کی ایک جیسی عقل ماری ہوئی ہے۔ بلکہ ان کے عالم اور سمجھ دار اس جہالت میں ان کے جاہلوں سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ پکار اٹھتے ہیں "نہیں، بھئی! تم ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔" بہرحال یہ ناگہانی حالت کسی ایسے ہی شخص کی ہو سکتی ہے جو اچانک نیند سے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور دیکھے کہ ارد گرد کے جملہ حالات بدل چکے ہیں وہ یہ نہ جانتا ہو کہ کتنی مدت سوئے پڑے گزر گئی ہے اور خوف و دہشت کے عالم میں ہڑبڑا کر محض اندازے اور قیافے کے سہارے کوئی فیصلہ کرنے لگ جائے۔

جلالِ باری، ہُو کا عالم اور گُنہ گار

جس ہولناک مصیبت کا سامنا ان لوگوں کو درپیش ہے اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے بڑے بڑے مضبوط اور بلند و بالا پہاڑوں پر نگاہ ڈالیں کہ کس طرح دھول بنا کر اڑا دیے گئے ہیں اور زمین اب ایسا چٹیل میدان بن کر رہ گئی ہے کہ اس میں اب نہ کوئی بل رہ گیا ہے اور نہ کوئی سلوٹ۔ کسی قسم کا نشیب و فراز اب باقی نہیں رہا۔ اس ہمہ گیر تباہی کے بعد جس کے نتیجے میں بڑے بڑے پہاڑ تک خاک میں اُڑ گئے ہوں اور ہر چیز پیوندِ خاک ہو گئی ہو یوں لگتا ہے جیسے اتنا زبردست طوفان اب قدرے رُک گیا ہے۔ فضا پُرسکون ہو گئی ہے۔ شورِ قیامت تھم گیا ہے۔ اور ہر چیز پر خاموشی طاری ہے۔ وہ خداوندِ عالم کے دربار میں حاضری کے لیے بلانے والے منادی کی پکار سن رہے ہیں اور نہایت خاموشی، یک سوئی اور انکساری کے ساتھ بلا چون و چرا اس پر لبیک کہے اس کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں —— ان کی عاجزی اور انقیاد کا اندازہ قرآن کے ان الفاظ سے ہو رہا ہے "—— يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۚ —— (سب منادی کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے۔ کوئی ذرا اکڑ نہ دکھا سکے گا) یہ الفاظ ماحول اور پہاڑوں کے اس منظر کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتے ہیں۔ جس میں ان کی بلند و بالا چوٹیاں پیوندِ خاک

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۹) قبر کی زندگی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ دونوں مفہوم درست ہیں، چنانچہ مولانا محترم تفہیم القرآن میں اس آیت پر تشریحی نوٹ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ "موت کے بعد سے اس وقت تک تم کو مشکل ہی سے دس دن گزرے ہوں گے۔" قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز لوگ اپنی دنیوی زندگی کے متعلق بھی یہ اندازہ لگائیں گے کہ وہ بہت تھوڑی تھی اور موت سے لے کر قیامت تک جو وقت گزرا ہو گا اس کے متعلق بھی ان کے اندازے کچھ ایسے ہی ہوں گے . . . . " الخ

ہو جانے کے بعد سطح زمین پر ذرہ بھر نشیب و فراز باقی نہیں رہا ہے۔ اُف! یہ خوفناک خاموشی پوری فضا پر محیط اور یہ ہمہ گیر وحشت ناک سکون پورے ماحول پر طاری ہے! ـــــ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ـــــ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ـــــ اُف! خوف ـــ خاموشی ـــ سکون ـــ بے بسی ـــ ہر سو ہُو کا عالم طاری ہے۔ سنسناہٹ ہی کلام، خاموشی ہی سوال اور بے بسی ہی غالب ہے! سب کے سر ہائے نیاز خم اور ذات حی و قیوم کا پُر ہیبت جلال سب پر طاری۔ آج ہر کھلی اور چھپی چیز کا پورا پورا علم اسی سلطانِ مقتدر کے پاس ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ آج اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈال سکے آج سفارش بھی صرف اسی کی چلے جس کو اذن باری ہو۔ ظالم اپنے ظلم کا بارِ گناہ اٹھائے اپنی نامرادی کا مُنہ تک رہے ہیں اور اہلِ ایمان کسی ظلم اور حق تلفی کے اندیشے سے محفوظ و بے خطر پوری طرح مطمئن ہیں۔

ہدایت سے رُوگردانی اور اس کا انجام اس کے بعد ہمارے سامنے تیسری تصویر آتی ہے۔ جس میں آدم علیہ السلام اور شیطان کے جنت سے نکلنے کا واقعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ نیز اس ہدایت کے منتظر ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے اہلِ ارض کے لیے بھیجتا ہے۔ اس میں ذاتِ حق کی طرف سے یہ ضمانت دی گئی ہے کہ جو میری بھیجی ہوئی ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہی کا شکار ہوگا اور نہ بدبختی کا گویا یہ اس کوتاہی اور محرومی کا عوضانہ ہے جس کا شکار حضرت آدمؑ جنت میں ہوئے اور جس سے سابقہ اولادِ آدمؑ کو جنت سے نکلنے کے بعد اس دنیا میں پڑے گا ـــــ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ـــــ (اور جو میری نصیحت سے رُوگردانی کرے گا اس کے لیے دنیا کی زندگی تنگ ہو گی) ـــ بلاشک دنیا کی وہ زندگی جس کا رشتہ ذاتِ حق اور اس کی رحمتِ بے پایاں سے منقطع ہو چکا ہو وہ تنگی کی زندگی ہے خواہ اس میں عیش و آرام کتنا ہی ہو۔ جو شخص خدا کی نصیحت سے منہ موڑ چکا ہو اس کا آخرت میں حشر بھی عجیب ہی صورت کا ہے۔ آخرت میں وہ اندھا اٹھا ہے۔ جب دنیا میں نورِ ہدایت پورے عالم کو منور کر رہا تھا یہ اندھا بنا رہا۔ اس نے اُس سے کوئی روشنی حاصل نہ کی۔ اب یہاں بھی یہ اندھا ہی ہے آخرت میں اندھا ہونا بھی فی الحقیقت اسی طرح کی ایک گمراہی ہے جس طرح کی گمراہی میں وہ دنیا میں مبتلا تھا اب آخرت میں خلافِ توقع اپنا یہ حشر دیکھ کر ـــ کیونکہ دنیوی زندگی میں تو وہ یہی سمجھا بیٹھا تھا کہ جس طرح دنیا میں اسے عیش و

و آرام حاصل ہے آخرت میں بھی اسے اسی طرح بلکہ اس سے بہتر عیش و آرام ملے گا[1] اس نے پروردگارِ عالم سے پوچھ لیا ہے — رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا — (پروردگار! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا یہاں مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟) پروردگارِ عالم کی طرف سے جواب دیا گیا ہے — قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى — (ہاں، اسی طرح تو ہماری آیات کو جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں تو نے بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے)۔

الفاظ اور منظر کی ہم آہنگی یہاں اندازِ بیان میں بھی ایک تناسق و موزونیت ہے اور تصویر میں بھی۔ ایک طرف جنت سے اخراج اور گمراہی و بدبختی ہے تو اس کے مقابلے میں جنت میں واپسی اور گمراہی و بدبختی سے نجات۔ ایک طرف جنت کی بے پایاں وسعت و فراخی ہے تو دوسری طرف تنگیٔ حیاتِ دنیا۔ ایک طرف نورِ ہدایت ہے تو دوسری طرف اس کے مقابلے میں کور چشمی اور تاریکیٔ ضلالت۔

یہ منظر قصۂ آدمؑ کے بعد پیش کیا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ حقیقت میں پوری انسانیت کا قصہ ہے۔ گویا پوری بنی نوعِ انسان ہی ایک وقت جنت سے نکالی گئی تھی۔ اور بالآخر بنی نوعِ انسان ہی کا داخلہ جنت میں ہو رہا ہے۔ اس طرح منظر کا آغاز بھی جنت سے ہوتا ہے اور انجام بھی جنت میں، جیسا کہ سورۃ اعراف میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ قطع نظر بعض ان داخلی مناظر کے جن میں بوقتِ استحضار اختلاف نظر آتا ہے عام طور پر یہ سب ایک وحدت ہیں۔ ان کا جزئیات میں اختلاف ایک طرح کی جدت پیدا کر دیتا ہے جو قرآن کے پیش کردہ مناظر میں تکرار کا احساس نہیں ہونے دیتی۔

قیامت اور بنی نوعِ انسان کے تین گروہ

قیامت کے روز جب سب لوگ محاسبۂ اعمال سے فارغ ہو جائیں گے تو جزا و سزا کے لحاظ سے پوری نوعِ انسانی مومن و کافر کی صورت میں دو گروہوں میں منقسم ہو جائے گی اہلِ ایمان

---

[1] وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا۔ (اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔ یعنی اگر بالفرض کوئی دوسری زندگی ہے بھی تو میں وہاں اس سے بھی زیادہ خوشحال رہوں گا کیونکہ یہاں میرا خوشحال ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا محبوب اور اس کا چہیتا ہوں۔ (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۲۶۔ حاشیہ ۳۸)

جنت میں اور کفار و منکرین دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر مراتب کے لحاظ سے اہلِ جنت کی بھی درجہ بندی ہو جائے گی۔ سابقین و مخلصین عام اہلِ ایمان کی نسبت بلند تر مقام پر فائز ہوں گے اس طرح انسانوں کے تین گروہ ہو جائیں گے۔ جنت و دوزخ میں ان تینوں گروہوں کی زندگی کیسی ہوگی سورۃ الواقعہ میں اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَبُسَّتِ
الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا ۝٦ وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا
ثَلَاثَةً ۝٧ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝٨
وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝٩ وَالسَّابِقُونَ
السَّابِقُونَ ۝١٠ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝١١ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝١٢
ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝١٣ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝١٤ عَلَىٰ سُرُرٍ
مَّوْضُونَةٍ ۝١٥ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝١٦ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ
وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝١٧ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ
مِّن مَّعِينٍ ۝١٨ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝١٩ وَ
فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝٢٠ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝٢١
وَحُورٌ عِينٌ ۝٢٢ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝٢٣ جَزَاءً بِمَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٢٤ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝٢٥
إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝٢٦ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ
الْيَمِينِ ۝٢٧ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝٢٨ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ۝٢٩
وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝٣٠ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝٣١ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝٣٢
لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝٣٣ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝٣٤
إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝٣٥ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝٣٦ عُرُبًا
أَتْرَابًا ۝٣٧ لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝٣٨ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝٣٩
وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝٤٠ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ
الشِّمَالِ ۝٤١ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝٤٢ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۝٤٣
لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۝٤٤ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ
مُتْرَفِينَ ۝٤٥ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۝٤٦
وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا
أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝٤٧ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝٤٨ قُلْ إِنَّ
الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝٤٩ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ
يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝٥٠ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝٥١
لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ۝٥٢ فَمَالِئُونَ مِنْهَا

جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا تو کوئی اس کے وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ وہ تہہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی۔ زمین اس وقت یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی۔ اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے کہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔ تم لوگ اس وقت تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا! اور بائیں بازو والے، تو بائیں بازو والوں (کی بد نصیبی) کا کیا ٹھکانا۔ اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب لوگ ہیں نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے۔ اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔ مرصع تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ ان کی مجلسوں میں ابدی لڑکے شراب چشمہ جاری سے لبریز پیالے اور کنٹر اور ساغر لیے دوڑتے پھرتے ہوں گے جسے پی کر نہ ان کا سر چکرائے گا نہ ان کی عقل میں فتور آئیگا اور وہ ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ پھل پیش کریں گے کہ جسے چاہیں چن لیں اور پرندوں کے گوشت پیش کریں گے کہ جس پرندے کا چاہیں استعمال کریں اور ان کے لیے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی ایسی حسین جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ سب کچھ ان اعمال کی جزا کے طور پر انہیں ملے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ وہاں وہ کوئی بیہودہ کلام یا گناہ کی بات نہ سنیں گے۔ جو بات بھی ہوگی ٹھیک ٹھیک ہوگی۔ اور دائیں بازو والے، دائیں

الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

(الواقعہ[۱] ۱-۵۶)

باز و والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا - وہ بے خار بیریوں اور تہہ بر تہہ چڑھے ہوئے کیلوں اور دُور تک پھیلی ہوئی چھاؤں، اور ہر دم رواں پانی، اور کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں اور اونچی نشست گاہوں میں ہوں گے - ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے - اور انہیں باکرہ بنا دیں گے، اپنے شوہروں کی عاشق اور عمر میں ہم سن - یہ کچھ دائیں بازو والوں کے لیے ہے - وہ اگلوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی بہت - اور بائیں بازو والے، بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا پُوچھنا - وُہ لُو کی لپیٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھوئیں کے سائے میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ آرام دہ - یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس انجام کو پہنچنے سے پہلے خوش حال تھے اور گناہِ عظیم پر اصرار کرتے تھے - کہتے تھے "کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر رہ جائیں گے تو پھر اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں؟" اے نبی! ان لوگوں سے کہو، یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں، جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے - پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو! تم شجر زقوم کی غذا کھانے والے ہو - اُسی سے تم پیٹ بھرو گے اور اوپر سے کھولتا ہُوا پانی تو نس لگے ہوئے اونٹ کی طرح پیو گے - یہ ہے بائیں بازو والوں کی ضیافت کا سامان روزِ جزا میں -

(الواقعہ ۱-۵۶)

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾

(الواقعہ ۸۳-۹۴)

اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اس خیال میں سچے ہو تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے - اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟ اس وقت تمہاری بہ نسبت ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے - پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہو تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے - اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہو تو اس کا استقبال یوں ہوتا ہے کہ سلام ہے تجھے، تو اصحاب یمین میں سے ہے - اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اس کی تواضع کے لیے کھولتا ہُوا پانی ہے اور جہنم میں جھونکا جانا -

---

[۱] بلحاظ ترتیب نزول ۴۶ ویں سورت ہے۔

ایک اٹل حادثۂ عظیم — ایک زوردار زلزلہ

پہلے منظر میں اگرچہ پورے ماحول پر طاری ہولناکی بالکل ایسی ہی ہے جیسی سورۃ القارعۃ میں پیش کیے گئے منظر میں ہے، تاہم اس میں کئی پہلو نئے ہیں۔ یہاں قیامت ایک "واقعہ" یا "حادثہ" کی صورت میں پیش کی گئی ہے جو آنکھوں کے سامنے عالمِ واقعہ میں پیش آ رہا ہے، جس کے وقوع سے انکار اور جس کے جھٹلانے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب یہ واقعہ وقوع میں آ جائے تو اس کے وقوع کا ٹل جانا یا اس کا آتے آتے رک جانا ممکن نہیں ہے۔ نہ کوئی طاقت اسے واقعہ سے غیر واقعہ بنا سکتی ہے۔ خود لفظ "واقعہ" میں ایک حرف میں "مدّ"، دوسرے میں "کسرہ" اور آخری میں "سکون" ہے۔ یہ کیفیت بالکل اس جسم کی مانند ہے جو اوپر اٹھا کر چھوڑ دیا جائے اور بے سہارا ہو کر نیچے گر پڑے۔ اور عالمِ محسوس میں ہم دیکھیں کہ اس میں ایک لرزہ آیا ہے اور وہ بالکل پاش پاش ہو کر رہ گیا ہے۔ یوں قوتِ خیال جس چیز کو متوقع محسوس کرتی ہے سیاقِ کلام پوری طرح اس کی تائید کرتا ہے۔

یہ حادثہ سب کچھ تہہ و بالا کر دینے والا ہے — خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ — جس دن اخلاقی قدروں میں بھی اپنے جوہر کے لحاظ سے اتار اور چڑھاؤ رونما ہو گا اور مادی قدریں بھی اپنے وزن میں بھاری اور ہلکا ہونے کی وجہ سے اوپر نیچے ہو جائیں گی اس دن کی کچھ یوں عکاسی کی گئی ہے کہ گویا یہ حادثۂ جانکاہ عالمِ واقعہ میں اسی طرح کا زوردار تموّج پیدا کر رہا ہے جس طرح کا متموّج فضا میں بھاری اجسام کے گرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ منظر کی پوری فضا میں ایک ہمہ گیر اور زوردار ارتعاش موجود ہے اس لیے پس منظر میں زور سے لرزتی ہوئی زمین کا نقشہ کھینچا گیا ہے —

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ — یہ واقعہ جب وقوع میں آتا ہے تو عالمِ بالا سے عالمِ زیریں کی طرف پوری کائنات میں زلزلہ برپا کرتے اترتا ہے۔ اور ہر چیز کو تہہ و بالا کر کے خاکستر کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح دوسری طرف اس عالمِ محسوس میں زمین کی حرکت و جنبش زلزلہ پیدا کر دیتی اور ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اور یہ پہاڑ! دیکھیے! ایک زبردست دھماکے کے ساتھ تیز رفتار سیارے کی طرح لڑھکا دیے گئے ہیں اور وہ گڑگڑاتے ٹکراتے ریزہ ریزہ ہو کر غبار پراگندہ کی طرح اُڑے چلے جا رہے ہیں — وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾

بے زور سے تھرتھراتی ہوئی زمین، یہ زبردست دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو کر اُڑتے ہوئے پہاڑ! اُف کتنا ہولناک ہے یہ منظر! عالمِ محسوس کی یہ زبردست ہولناکی یہاں اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے،

اور عالمِ واقعہ میں رُونما ہونے والے اس "حادثہ عظیم" کی جملہ صورتوں سے صُوری اور معنوی لحاظ سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

انسانوں کے تین گروہ — اوّل مقرّبینِ بارگاہ

اس ہولناک منظر کے بعد ہم وسیع میدانِ حشر میں پہلی بار یہ دیکھتے ہیں کہ جملہ انسان تین گروہوں میں بٹ گئے ہیں (حالانکہ قبل ازیں قرآن کے بیان کردہ مناظر میں جملہ انسان دو گروہوں — مومن و کافر — میں منقسم دکھائے گئے ہیں) ایک گروہ سابقین مُقرّبین کا — جس میں ایک گروہ کثیر پہلے لوگوں میں سے اور تھوڑے سے بعد کے لوگوں میں سے شامل ہیں۔ دوسرا گروہ اصحاب المیمنہ یا اصحاب الیمین (دائیں بازو والے) کا — جس میں ایک جماعت پہلے لوگوں میں سے اور ایک جماعت بعد کے لوگوں میں سے شامل ہے۔ اور تیسرا گروہ اصحاب المشئمۃ یا اصحاب الشمال (بائیں بازو والے) کا۔ ان میں سے ہر گروہ کا درجہ و مقام علیحدہ متعین و معلوم ہے۔

اگرچہ مقربین بارگاہِ ذاتِ حق بلند ترین مرتبہ و مقام پر فائز ہوں گے جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے ان کے ذکر سے پہلے کلام کا آغاز اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمۃ کے ذکرِ استفہامی سے ہوتا ہے۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾ — اس استفہام میں مخاطب کی لاعلمی کا اظہار کر کے ان کے مرتبہ و مقام کی عظمت کا احساس دلانا مقصود ہے (جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ قرآن میں اکثر و بیشتر یہ اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔) یہ اصحاب المیمنہ، اصحاب الیمین کے نام سے جانے پہچانے لوگ ہیں۔ مزید کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اس لیے استفہام کا جواب دیے بغیر اصحاب المشئمۃ کا ذکر ہوتا ہے — وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ﴿۹﴾ — یہ لوگ بھی اصحاب الشمال کے نام سے جانے پہچانے ہیں۔ میمنہ اور مشئمۃ کے الفاظ اگرچہ بظاہر دائیں اور بائیں کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں ان کے لغوی مادہ پر غور کیا جائے تو میمنہ میں خوش بختی و برکت اور مشئمۃ میں بدبختی و محرومی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿ۚۙ۱۰﴾ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿ۚ۱۱﴾ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۙ۱۳﴾ وَ قَلِیۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ؕ۱۴﴾

السابقون کون لوگ ہوں گے؟ ان کی نشان دہی کیے بغیر صرف اتنے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے کہ وہ باغ ہائے نعیم ابدی میں مقربین بارگاہِ ذوالجلال ہوں گے۔ ان میں ایک کثیر تعداد پہلے

لوگوں میں سے ہوگی اور کچھ لوگ بعد کے لوگوں میں سے بھی ہوں گے اور بس۔ یہ بات ہمارے اوپر چھوڑ دی گئی ہے کہ ہم خود اندازہ کرلیں کہ وہ ممتاز ترین گروہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان میں انبیاء و رُسل شامل ہوں گے۔ نیز وہ لوگ شامل ہوں گے جو ہر رسول کی بعثت پر اس پر کامل و مخلصانہ ایمان لانے میں سبقت کرنے والے ہیں۔ بہر حال جنت میں یہی ممتاز ترین لوگ قیام پذیر ہوں گے جیسا کہ آگے تفصیلاً ذکر آرہا ہے۔ ممکن ہے یہ وہ لوگ ہوں جو دنیا میں اللہ کے دین پر چلنے کی وجہ سے دنیا کی جملہ آسائشوں سے محروم رہے ہوں جنھوں نے توکل بر فضلِ خدا ایمان پر دنیا کے عیش و آرام کو تج دیا ہو اور خوش دلی سے تنگ دستی کی زندگی پر صبر و قناعت کرلیا ہو۔ قرآن کا پیرایۂ بیان بتا رہا ہے کہ یہ نعیم جنت محض کوئی خیالی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک محسوس مادی چیز ہے چنانچہ قرآن ہمارے سامنے جنت کی محسوس و مجسم مادی اور ابدی نعمتوں کی عکاسی ان الفاظ میں کرتا ہے:

"وہ سابقین مقربین بارگاہِ حق قیمتی پتھروں سے جڑاؤ کیے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے نہایت اطمینان و بے فکری اور بڑے راحت و آرام کے عالم میں آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ ابدی لڑکے جن کی وضع قطع، رنگ ڈھنگ اور جوانی پر مرورِ زمانہ یا کبرسنی کا کبھی اثر نہ ہوگا چشمۂ صافی کی شراب طہور سے لبریز پیالے، کنٹر اور ساغر لیے ان کی خدمت میں دوڑتے پھر رہے ہیں۔ یہ شراب طہور اتنی لذیذ اور پُر کیف ہے کہ نہ یہ کبھی ختم ہونے میں آتی ہے اور نہ وہ اس سے جدا ہوتے ہیں[1]۔ یہ جوان خادم ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ پھل اور قسم قسم کے پرندوں کا گوشت پیش کر رہے ہیں، کہ جو پھل چاہیں لے لیں اور جس پرندے کا گوشت پسند ہو کھا لیں۔ پھر ان کی معیت و رفاقت میں نہایت خوبصورت آنکھوں والی چھپا کر رکھے ہوئے خوبصورت موتیوں کی مانند حسین و جمیل حوریں ہیں، کہ جن پر نہ کسی کی نگاہ پڑی ہے نہ جنھیں کبھی کسی نے ہاتھ سے چھوا ہے — (یہ لطیف اشارہ ہے اس بات کا کہ یہ ان کے ان نیک اعمال کی جزا ہے جو وہ اس دنیا میں کرتے رہے گویا ان کے حسن و جمال کا نظارہ صرف انہی کا حق تھا جو انہیں آج نصیب ہو گیا ہے) — اس پر مستزاد یہ کہ یہاں وہ ہر قسم کی بیہودہ بات، ہر طرح کے لڑائی جھگڑے اور ہر طرح کے خوف و خطر سے بے نیاز

---

[1] قرآن کے الفاظ ہیں لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۔ عربی لغت میں "تصدیع" جدا جدا کرنے کو بھی کہتے ہیں اور سر میں درد پیدا کرنے کو بھی۔ اسی طرح انزاف کے معنے کنوئیں کے پانی کا ختم ہو جانا بھی ہیں اور کسی کی عقل میں فتور آجانا یا بیہوش ہونا بھی ہیں۔ اردو مترجمین اور عام مفسرین نے آیت کے معنی (جس سے) نہ تو ان کو سر درد ہوگا اور نہ وہ بیہوش ہونگے لیے ہیں محترم سید مودودی نے بھی اوپر ترجمہ میں یہی معنی لیے ہیں لیکن مصنف شہیدؒ نے دونوں الفاظ کے دوسرے معنی لیے ہیں۔ منظر میں جس کیف و سُرور کا تصور پیش کیا جا رہا ہے اس کے لحاظ سے یہ مفہوم زیادہ بہتر معلوم ہوتا (ع۔ ا۔ م)

نہایت سکون و اطمینان میں نعمائے ابدی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔"

دوم اصحاب الیمین

یوں جب ایک گروہ کا ذکر ختم ہوتا ہے تو دوسرے گروہ کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ گزشتہ مناظر میں ہم اس گروہ سے متعارف ہو چکے ہیں ۔ یہ اصحاب الیمین ہیں، یہ خوش بخت لوگ ہیں۔ واہ سبحان اللہ! ان کی خوش بختی کا کیا کہنا! یہ بھی جنت کی محسوس مادی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں البتہ ان نعمتوں میں سابقین مقربین کو حاصل ہونے والی نازونعمت کے مقابلے میں سادگی اور بدوی زندگی کی بُوباس نظر آتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بے خار بیریوں گچھے دار کیلوں، دُور دُور تک پھیلی ہوئی گھنی چھاؤں، چشموں کے ہر دم رواں پانی اور کبھی ختم نہ ہونیوالے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں اور اونچی نشست گاہوں میں آسودہ خاطر ہیں۔ بیری اگرچہ خاردار درخت ہے لیکن منعمِ حقیقی کی شانِ کریمی دیکھیئے کہ جنت میں بیریوں کے کانٹے کاٹ کر انہیں بے ضرر کر دیا گیا ہے۔ یہ بیر، یہ گچھے دار کیلے، دور دور تک پھیلے ہوئے یہ گھنے سایے، چشموں کا یہ ہر دم رواں پانی، یہ کھلے عام پڑے ہوئے ڈھیروں پھل، یہ سب چیزیں دیہات اور صحراؤں میں پُرعیش و پُربہار زندگی کے لوازمات تصور کی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہاں پھلوں کا ذکر عمومی انداز میں ہوا ہے۔ تاہم جن پھلوں کا برائے نام ذکر موجود ہے ان سے دیہاتی زندگی کی سادگی جھلکتی نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اصحاب یمین کی نشست گاہیں سابقین مقربین کی نشست گاہوں کی طرح نہ مرصع ہیں نہ پُرنزاکت، بلکہ بلند و ارفع ہیں۔ نشست گاہوں کی یہ بلندی حقیقت کے اعتبار سے مادی بھی ہے اور معنوی بھی۔ یعنی مکان و جگہ کے لحاظ سے بھی یہ بلند ہیں اور پاکیزگی و طہارت کے لحاظ سے بھی۔ مادی بلندی ہمیشہ معنوی بلندی کا تقاضا کرتی ہے۔ جو چیز زمین سے بلند ہوتی ہے وہ لامحالہ نجاست سے دُور اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ اس لیے یہ نشست گاہیں نہ صرف یہ کہ بلند ہیں بلکہ پاکیزہ بھی ہیں۔

ان بلند و پاکیزہ نشست گاہوں کے ذکر کے بعد کلامِ الٰہی خصوصیت کے ساتھ جس چیز کی تصویر ہمارے سامنے رکھتا ہے وہ اصحاب الیمین کی رفیقہ ہائے حیات ہیں۔ — إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ ——————— "ہم نے انہیں بیویاں دی ہیں نئی نویلی (یعنی حوریں)، یا ان کی بیویوں کو ہی نئے سرے سے جوان حالت میں پیدا کر کے بالکل کنواریاں بنا دیا ہے جو اپنے شوہروں پر دل و جان سے فریفتہ اور عمر اور جوانی میں ان کی ہم پلّہ ہیں۔"

چشموں کے کنارے پھلوں سے لدے باغات، یہ بلند و پاکیزہ نشست گاہیں، رفاقت میں ان کے شایانِ شان دل و جان سے محبت کرنے والی حسین و جمیل، پُرشباب و جواں سال رفیقہ ہائے حیات!

(بقیہ ۱۷۷) ہے۔ گویا جنت کا یہ لطف و سرور لازوال ہوگا۔

اصحاب الیمین کے لیے یہ مخصوص انعام! زہے قسمت! زہے نصیب!

یہ ہیں اصحاب الیمین! ان میں خدا کے فرماں برداروں کی ایک جماعت پہلے لوگوں میں سے اور ایک جماعت بعد کے لوگوں میں سے شامل ہے۔

سوم، اصحابُ الشمال

اب ہم اصحاب الشمال کی طرف آتے ہیں۔ یہ بدبخت لوگ ہیں۔ اُف، ان کی بدبختی کا کیا ٹھکانا! اصحاب الیمین اگر دُور دُور تک پھیلے ہوئے ٹھنڈے سایوں اور ہر دم رواں پانی میں مزے لے رہے ہیں تو ان کی تواضع کے لیے جسم کو جھلسا دینے والی تیز لُو کی لپٹیں اور تیز کھولتا ہُوا پانی ہے جو نہ ٹھنڈا ہو نہ پیاس بُجھائے۔ ان کے لیے بھی سایہ ہے، لیکن سخت گرم دھوئیں کا سایہ جس میں دم گھٹا جاتا ہے۔ سورۃ المرسلات میں بیان کردہ سہ شاخے سایے کی طرح یہ سایہ درحقیقت ان کی سزا اور ان کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ نہ اس میں ٹھنڈک ہے نہ تپش سے بچاؤ۔ نہ یہ آرام دہ ہے نہ راحت بخش۔ بلکہ اس میں ادرک کی سی چبھتی ہوئی تیزی ہے جس سے دَم گھُٹا جاتا ہے۔ یہ سختی ان کی دنیوی زندگی کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے۔ دنیا میں وہ بڑے عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ عیش و آرام میں پڑ کر انہوں نے عہد شکنی جیسے گناہ عظیم کے ارتکاب پر اصرار کیا — یہ گناہِ عظیم خدا کے ساتھ دوسرے معبودانِ باطل کو ذات و صفات، اقتدار و اختیار اور حقوق و عبادت میں شریک بنانا ہے نیز اس میں اس عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی ہے جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان "ایمان" کی صورت میں باندھا گیا ہے۔ یہ وہ فطری عہد ہے جس کا اقرار فطرتِ انسانی اپنی جبلت میں از خود کرتی ہے اور جس کی توثیق اس کے گردوپیش میں پھیلے ہوئے جملہ مظاہرِ قدرت کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عہد ہے جس کا اقرار پوری بنی نوع انسان بالاتفاق کرتی ہے[1] — وہ دنیا کی رنگ رلیوں میں یوں کھو گئے تھے کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ کہتے تھے "کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور محض ہڈیوں کا پنجر رہ جائیں گے، تو پھر اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں؟"

سو آج کی یہ سزا ان کی غفلت و عہد شکنی کے عین مطابق ہے۔ دنیا کی زندگی کا آج حساب چُکا دیا

---

[1] یہ اس عہد کی طرف اشارہ ہے جس کی تصریح قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے — وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى — اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے ازل میں بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت کو نکال کر ان سے شہادت طلب کی تھی کر کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور انہوں نے اقرار کیا تھا کہ ہاں، ہم گواہ ہیں (سورہ اعراف ۱۷۲)۔

جا رہا ہے۔ دنیا میں عیش کرنے والوں کے لیے یہ سختی کتنی اذیت ناک ہے، اُف!

قرآن جنت و دوزخ کا نقشہ یوں ہمارے سامنے کھینچتا ہے جیسے آخرت میں پیش آنے والا یہ منظر عین ہمارے سامنے ہے۔ اور ہم اس وقت اپنی اِن آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور "دنیا" جس کے لغوی معنے ہیں بہت نزدیک، ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے بہت دُور گزرے ہوئے زمانے کا نام ہے جس کا ذکر اب صرف بڑے بوڑھوں کی زبان پر رہ گیا ہے۔ یہ اندازِ بیان ہمارے سامنے منظر کی بہترین عکاسی کرتا اور دلوں کی گہرائی میں اُتر جاتا ہے۔

اس موقعہ پر نہایت موزوں وقت پر ہمیں دنیا کی طرف متوجہ کرتے ہوئے منادیِ حق کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ سب اہلِ دنیا کو خبردار کر دو کہ "یقیناً اگلے اور پچھلے سب لوگ ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔" اور یہ وہ دن ہے جس کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔

منکرینِ حق کی ضیافت — شجر زقوم

اس کے بعد ہمارے سامنے وہ منظر پیش کیا جاتا ہے جو اس روز مکذبینِ حق کی راہ تک رہا ہے۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اس دردناک عذاب کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہوتی ہے جو دنیا میں خدا اور اس کے دین سے بغاوت میں عیش کی زندگی گزارنے والوں کو ملنے والا ہے — ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ — پھر اے گمراہو اور دینِ حق کو جھٹلانے والو! تم "شجر زقوم" کا کھانا کھانے والے ہو — ہم نہیں جانتے کہ یہ شجر زقوم کیا ہے؟ لیکن لفظ "زقوم" کی آواز بذاتِ خود ایک ایسے پھل کا تصور دلاتی ہے جو خشک مسلا ہوا نرم کانٹوں والا اور کھردرا سا ہے جس کو چھونے سے ہاتھ زخمی ہوتے اور نگلنے سے حلق خشک ہوتا ہے یہ پھل اس پھل کے مقابلے میں ہے جو اہلِ جنت کو بے خار بیر کی شکل میں ملنے والا ہے — وہ اس خاردار پھل کو کھانے والے کیا ہیں، وہ تو بس اس سے پیٹ بھرنے والے ہیں جس مصیبت اور تکلیف سے وہ اسے حلق سے اتاریں گے اس میں بھوک تو کیا خاک دور ہو گی۔ وہ تو اس تکلیف کے شدید احساس ہی میں دب کر رہ جائے گی جو اس کے چار و ناچار نگلنے سے پیدا ہو گی۔ ظاہر ہے کہ اس کڑوے کسیلے خاردار پھل کو حلق سے نیچے اتارنے کے لیے پانی کی ضرورت ہو گی۔ سو پانی تو وہ ضرور پئیں گے لیکن کیسا پانی؟ بالکل کھولتا ہوا پانی ہو گا جس سے پیاس کی شدت ٹھنڈی ہو نہ سیرابی ہو۔ بس اس اونٹ کی طرح پیتے چلے جائیں گے جو استسقاء کا مریض ہو کہ جس کی پیاس

کبھی نہیں بُجھتی ۔ قیامت کے روز بس یہی ان کی جائے ضیافت ہے ۔ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ — " نُزُل " وہ مقام جہاں آدمی قیام کرکے راحت و آرام پائے ۔ لیکن افسوس ان کی جائے ضیافت تو ایسی ہے جس میں آرام ہے نہ راحت ۔ یہ تو اس سائے کی مانند ہے جس میں کوئی ٹھنڈک نہیں ہے ۔

جب ہم بہ نظرِ غائر ان مناظر کا مشاہدہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مناظر اور ان کی تفصیلی جزئیات میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے باہمی تقابل کے لحاظ سے بڑی موزونیت ہے ۔ اصحاب الشمال کو ملنے والا عذاب ابدی اور اصحاب الیمین کو نصیب ہونے والی نعمائے ابدی اپنی جزئیات تک میں ایک دوسرے کے متقابل ہیں ۔ اگر جنت میں دُور دُور تک پھیلے ہوئے گھنے سائے ، ہر دم رواں پانی ، بے خار درخت اور ڈھیروں پھل ہیں تو دوزخ میں سخت گرم لُو ، کھولتا ہوا پانی ، دھوئیں کا سایہ جس میں ٹھنڈک ہے نہ راحت ، اور پیٹ بھرنے کے لیے زقوم کا پھل ہے ۔ اس طرح پورا منظر ایسا طبعی اور فطری نظارہ پیش کرتا ہے جس میں پھل پھول درخت اور پودے سب کچھ ہے ۔ اور دونوں طرف کی ایک ایک چیز ایک دوسرے کے متقابل ہے ۔ ادبی نقطہ نظر سے یہ فنِ عکاسی ہے جس پر میں نے اپنی کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" میں تفصیل سے بحث کی ہے ۔

بعد ازاں آگے چل کر سورت میں کلامِ الٰہی زمین و آسمان ، نباتات و حیوانات اور نفسِ انسانی میں خلق و پیدائش کے لحاظ سے قدرتِ الٰہی کے ایسے مناظر پیش کرتا ہے جو اس دنیوی زندگی کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر دلیل و بُرہان کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

اگر طاقت ہے تو روح کو واپس لاؤ

سورت کا اختتام ایک ایسے منظر کی پیش رفت پر ہوتا ہے جس کا انسان کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے ۔—

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

——— اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو کہ تم پوری طرح آزاد ہو کسی طاقت کے تم محکوم نہیں اور کوئی ہمہ پہلو مقتدر ہستی تم پر غالب و حکمران نہیں ہے تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے ؟ اس وقت ،

تمہاری نسبت ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے ـــ منظر جو تصویر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور اس سے جو تخیل اُبھر کر ہمارے دل و دماغ پر مرتسم ہوتا ہے اس سے اچانک یہ اندوہ ناک بدیہی حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ "تم در حقیقت اپنی طبعی زندگی میں آزاد ہو نہ تمہیں نکلتی ہوئی جان کو دوبارہ جسم میں لوٹانے پر کوئی قدرت حاصل ہے۔ اللہ خود اس وقت وہاں موجود ہوتا ہے اور جو لوگ اس کے پاس موجود ہوتے ہیں ان سب کی نسبت وہ اس کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔" انسان پر جو چیز سب سے زیادہ رعب وہیبت اور خشیت طاری کرنے والی ہے وہ خدا کی ذات ہے جو ہر جگہ موجود اور ہر چیز کے قریب ہے۔

اس کے بعد لمحہ بھر میں منظر کی اس تصویر کے بعد قیامت کے روز دوبارہ جی اٹھنے کا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جس میں اختصار کے ساتھ ان تینوں گروہوں کے مرتبہ و مقام کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے جن کا ذکر قبل ازیں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

"پھر اگر وہ مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے۔ اور اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہو تو اس کا استقبال یوں ہوتا ہے کہ "سلام ہے تجھے، تو اصحاب یمین میں سے ہے۔" اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اس کی تواضع کے لیے کھولتا ہوا پانی ہے اور جہنم میں جھونکا جانا۔" جونہی منظر کا یہ آخری مرحلہ اختتام کو پہنچتا ہے انسان کے دل میں ایمان پختہ ہو جاتا ہے کہ "یہ سب کچھ یقیناً برحق ہے اس لیے اپنے رب عظیم کی تسبیح بیان کرو۔"ـــ

روزِ قیامت اور بے یار و مددگار معبودانِ باطل

جنت و دوزخ میں داخلے سے پہلے پرہیزگار فرماں برداروں کو جنت کی اور سرکش نافرمانوں کو دوزخ کی قریب سے ایک جھلک دکھائی جائے گی تاکہ انہیں اپنے اپنے ٹھکانے کا پہلے سے اندازہ ہو جائے۔ چنانچہ جب سب نافرمان لوگ جنوں اور انسانوں میں سے اپنے پیشواؤں اور خود ساختہ معبودوں کی معیت میں دوزخ میں دھکیل دیے جائیں گے تو نہ صرف یہ کہ یہ سب وہاں اپنے آپ کو بے یار و مددگار پائیں گے بلکہ اپنی گمراہی کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ (اس روز جنت پرہیزگاروں کے قریب لے آئی

لِلْمُتَّقِيْنَ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ۝ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ۝ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ۝ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ۝ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ۝ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ۝ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (الشعراء ۱۰۲-۹۱)

جائے گی اور دوزخ بہکے ہوئے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ "اب کہاں ہیں وہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ معبود اور یہ بہکے ہوئے لوگ اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اس میں اوپر تلے دھکیل دیے جائیں گے وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ (اپنے معبودوں سے) کہیں گے کہ خدا کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنہوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں۔"

اس سورت میں حضرت ابراہیمؑ کے قصے نیز اس گفتگو کے بعد جو ان کی قوم اور ان کے درمیان معبودانِ باطل اور ان کے آباؤ واجداد کے بارے میں ہوئی یہ منظر پیش کیا گیا ہے۔ بات یہاں آ کر ختم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور خدا سے باپ کے لیے ہدایت کی، اور اپنے لیے جنت نعیم کا وارث بنانے اور قیامت کے روز رسوائی سے بچانے کی دعا کرتے ہیں۔ قیامت کا وہ دن جس دن کہ مال نفع دے گا نہ اولاد۔ نفع اگر کوئی ہو گا تو صرف اسی کو جو اپنے رب کے حضور قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا۔

یہاں پہنچ کر بیان دفعتاً حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے اس دن کی منظر کشی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس دن کی رسوائی سے حضرت ابراہیم ڈر رہے ہیں۔ گویا وہ خود وہاں موجود ہیں اور دعا کے وقت اپنی آنکھوں سے سارا ماجرا دیکھ رہے ہیں —— وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ۝ —— یعنی فرماں برداروں اور پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی جنت ان کے بالکل قریب کر دی گئی ہے تاکہ داخلے سے پہلے وہ اس کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ دوسری طرف گمراہوں اور نافرمانوں کے لیے دوزخ سے بھی پردہ ہٹا دیا گیا ہے۔ پیشتر اس کے کہ انہیں دوزخ میں اوندھے منہ دھکیل دیا جائے وہ دوزخ کے اوپر کھڑے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ سوالیہ انداز میں سرزنش کے الفاظ ان کے کانوں میں پڑ رہے ہیں۔ دنیا میں خدا کو چھوڑ کر جن معبودانِ باطل کی وہ اطاعت و بندگی کرتے رہے تھے ان کے بارے میں پوچھا گیا ہے —— اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ۝ —— کہاں ہیں خدا کے سوا تمہارے معبودانِ باطل۔ کیا آج وہ

لہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۴۷ویں سورت ہے۔

تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں۔ یا کچھ اپنا ہی بچاؤ کر رہے ہیں ؟"

یہ چیز قصہ ابراہیمؑ اور اپنی قوم کے ساتھ ان کی محولہ بالا باہمی گفتگو سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے ــــ آخر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ تو اپنی ہی مدد کرتے ہیں۔ نہ اپنے پیروکاروں کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد نہ ان کی طرف سے کوئی جواب سنا گیا ہے نہ ان کے جواب کا انتظار ہی کیا گیا ہے کیونکہ یہ سوال تو محض ان کی زجر و توبیخ کے لیے کیا گیا ہے۔ یا انہیں یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ دیکھ لیا آج تم تو رہے ایک طرف، خود تمہارے یہ معبودانِ باطل کتنے مجبور و بے بس ہیں کہ نہ تو اپنی مدد کرتے ہیں نہ تمہاری مدد کو پہنچتے ہیں ــــــــ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ ــــــــ یہ جھوٹے معبود، یہ نافرمان و سرکش لوگ اور شیطان کے چیلے چانٹے سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ "کبکبوا" کے الفاظ سن کر آپ کو لفظ کی آواز سے دوزخ میں ان کے بے پرواہی اور بے ڈھنگے پن کے ساتھ گرنے کی ایسی آواز محسوس ہو گی جیسے دریا کے کنارے کی ڈھابیں یکے بعد دیگرے دھڑام سے پانی میں گر رہی ہوں۔ گویا یہ لفظ اپنی آواز ہی میں اپنے معانی کی تصویر ہے۔ یہ سب گمراہ لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ اگلے پچھلے تمام گمراہوں اور شیطان کے لشکروں کو دوزخ میں دھکیل دیا گیا ہے۔ گمراہوں کے خصوصی ذکر کے بعد ان کا عمومی ذکر شیطان کے لشکروں سے کیا گیا ہے۔ گویا یہ گمراہ و نافرمان اور یہ معبودانِ باطل سب کے سب شیطان کے لشکر ہیں۔

آئیے اب ذرا دوزخ میں ان کی گفتگو سنیئے۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ ــــــ یہ گمراہ و نافرمان اپنے معبودوں سے جھگڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں (سب کے سب یک زبان ہو کر) بخدا جب ہم تمہیں پروردگارِ عالم کے برابر سمجھ رہے تھے تو ہم اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا تھے" افسوس ان کا یہ اعترافِ حقیقت وقت گزر جانے کے بعد ہے۔ وہ اس گمراہی کی ذمہ داری اپنے میں سے مجرمین پر ڈال رہے تھے۔ لیکن ہوش میں آنے پر یہ احساس ہوا ہے کہ وقت گزر چکا ہے۔ اب دوسروں پہ ذمہ داری ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اب دُہائی دے رہے ہیں ــــــــ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ــــــــ "ہمارا کوئی سفارشی ہے نہ کوئی جگری دوست ــــ " کیونکہ نہ جھوٹے معبود ہی سفارشی بن رہے ہیں نہ دوستوں کی دوستی ہی کام آ رہی ہے۔ جب سابقہ اعمال کے بارے میں کوئی سفارش نہیں تو بے بسی کے

عالم میں حسرت سے آہ بھر رہے ہیں۔" کاش! ہمیں دنیا ہی میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ ہم تلافیٔ مافات کی کوشش کر لیں اور ایمان لے آئیں! ——— فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ———
ہرگز نہیں! اب نہ واپسی کی کوئی صورت ہے نہ سفارش ہی کارآمد ——— یہ تو یوم حساب ہے یوم حساب! واپسی اور سفارش کہاں؟ ——— اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ——— (یقیناً اس میں ایک نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔) بلاشک اس منظر میں عبرت کا ایک نشان ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو سورۃ میں قوم عاد و ثمود اور قوم لوط کی تباہی و بربادی کے ذکر کے بعد بیان کی گئی ہے۔

گویا یہ منظر بعینہٖ اسی طرح وقوع پذیر ہو رہا ہے جس طرح ان قوموں کی تباہی و بربادی واقع ہوئی ہے۔ یہ منظر بھی اسی طرح سامانِ عبرت ہے جس طرح ان قوموں کی تباہی و بربادی ایک نشانِ عبرت۔ یوں عالمِ حاضر اور عالمِ آخرت دونوں کے مناظر کا پس منظر ایک ہو جاتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی نوع کے ہیں اور ایک ہی وقت میں واقع ہو رہے ہیں۔

آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور روزِ محشر

کارخانۂ قدرت کی تخلیق، گردشِ لیل و نہار، آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور محشر کے روز اس کے انجام میں عبرت و نصیحت کا کیا سامان ہے؟ آخرت میں خیر و شر کی کیا جزا ملنے والی ہے؟ اس حقیقت کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَاۗبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لیے ایک جانور زمین سے نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔ اور ذرا تصور کرو اس دن کا جب ہم ہر امت میں سے ایک فوج کی فوج ان لوگوں کی گھیر لائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر ان کو (ان کی اقسام کے لحاظ سے درجہ بدرجہ) مرتب کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو (ان کا رب ان سے) پوچھے گا کہ تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا حالانکہ تم نے ان کا علمی احاطہ

تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

النمل ۲۷ (۸۲-۹۰)

نہ کیا تھا؟ اگر یہ نہیں تو اور تم کیا کر رہے تھے؟ اور ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب کا وعدہ ان پر پورا ہو جائیگا تب وہ کچھ بھی نہ بول سکیں گے کیا اُن کو سجھائی نہ دیتا تھا کہ ہم نے رات ان کے لیے سکون حاصل کرنے کو بنائی تھی اور دن کو روشن کیا تھا؟ اسی میں بہت نشانیاں تھیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے تھے

اور کیا گزرے گی اس روز جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں — سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اس ہول سے بچانا چاہے گا — اور سب کان دبائے اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔ آج تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جمے ہوئے ہیں مگر اس وقت یہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے' یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا۔ جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو۔ جو شخص بھلائی لے کر آئے گا۔ اسے اس سے زیادہ بہتر صلہ ملے گا۔ اور ایسے لوگ اس دن کے ہول سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو برائی لیے ہوئے آئے گا ایسے سب لوگ اوندھے منہ آگ میں پھینکے جائیں گے۔ کیا تم لوگ اس کے سوا کوئی اور جزا پا سکتے ہو کہ جیسا کرو ویسا بھرو؟

حضرت سلیمانؑ، حشرات، پرندے اور جنّ

میں ان آیات میں مذکورہ "جانور" کی حقیقت پر غور کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ آیا اس کا نام "جساسہ" (ٹوہ لگانے والی) ہے یا کچھ اور۔ اور یہ کہ اس کی لمبائی چھ ہاتھ ہے یا چھ سو ہاتھ۔ ننھے سے وجود، باریک بالوں، چار ٹانگوں اور دو پروں والا ہے یا چالیس ٹانگوں اور چار سو ہاتھوں والا ہے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی قصوں کی تقلید میں قرآن کے بعض مُفسرین نے بیان کیا ہے اس لیے کہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں۔ میرے خیال میں پیش نظر پہلو سے ان پر بحث کرنا لاحاصل ہے۔ تصویر کے نقطۂ نظر سے جو چیز میں یہاں بیان کرنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا حکم صادر ہو جانے کے بعد جو جانور لوگوں سے بات کرے گا اس کا ذکر سورۃ النمل میں آیا ہے۔ اور یہ وہ سورت ہے جس میں حضرت سلیمانؑ اور چیونٹی کا قصہ بیان ہوا ہے۔ — حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۚ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا —

(یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا "اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ سلیمانؑ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑا۔) اس وقت حضرت

---

[۱] نزول کے لحاظ سے یہ ۴۸ ویں سورت ہے۔

سلیمانؑ نے اس کا مدعا پالیا تھا۔ خواہ ہم یہ نہ جان سکیں کہ انہوں نے اس کا مدعا کیسے پایا اور حشرات کی بولی انہیں کیسے سکھائی گئی تھی۔ یہی وہ سورت ہے جس میں اس قصے کے بعد حضرت سلیمانؑ اور ہُدہُد کا قصہ بیان ہوا ہے۔ ——— وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾

——— (سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا "کیا بات ہے کہ میں فلاں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت سزا دوں گا۔ یا ذبح کر دوں گا۔ ورنہ اُسے میرے سامنے معقول وجہ پیش کرنی ہو گی" کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے آ کر کہا "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔ میں سبا کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں"۔) ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کی یہ بات بھی سمجھ لی۔ اگرچہ ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے کیسے سمجھ لی۔ اور پرندوں کی بولی انہیں کیسے سکھائی گئی تھی۔ اسی سورت میں قصہ بلقیس کے سلسلے میں ایک جنّ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ یوں وارد ہوا ہے۔ ——— قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾

——— (سلیمانؑ نے کہا "اے اہل دربار! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں؟" جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا "میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں"۔) یقیناً حضرت سلیمان علیہ السلام نے قوی ہیکل جنّ کی بیان کردہ یہ بات بھی سمجھ لی تھی۔ اگرچہ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کیسے سمجھ گئے اور کس طرح انہیں جنوں کی بولی سکھائی گئی تھی۔

اہم ترین بات یہ ہے کہ اس سورت کے پورے سلسلۂ کلام میں حشرات، پرندوں اور جنوں کے کسی نہ کسی گروہ کی کسی انسان سے گفتگو کا حوالہ ملتا ہے۔ خواہ یہ انسان کوئی نبی اور یہ گفتگو اس کا معجزہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ ہے بہر حال انسان ہی۔ یہاں جانور کا ذکر ——— اگرچہ یہ قیامت کے روز کی ایک نشانی ہے ——— اس انداز میں ہوا ہے کہ سورت کے پورے سلسلۂ کلام اور اس میں موجود گفتگو کی مجموعی فضا سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ جس سے قرآن کے اصول تصویر کشی

میں موجود موزونیت اور ان جزئیات کی وحدت کا ثبوت ملتا ہے جن کا یہ منظر عموماً مجموعہ ہے۔
پھر سیاقِ کلام وہ منظر پیش کرتا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ ہر

مکذبینِ حق کا حشر

امت میں سے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کے گروہ کی عکاسی کی گئی ہے ——— وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ——— (اور ذرا تصور کرو اس دن کا جب ہم ہر امت میں سے ایک فوج ان لوگوں کی گھیر لائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر انہیں تقسیم کر دیا جائے گا) لیو میں ؛ ذرا تصور کیجئے۔ سب لوگ گھیر کر دربارِ الٰہی میں لائے جا رہے ہیں۔ البتہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کو لانے کا انداز بالکل الگ ہے۔ یہ سب جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہانک کر لائے جا رہے ہیں کہ اگلا پلٹ کر پچھلے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ (ریوڑ کو ہانک کر اکٹھا کرنے کا یہ نقشہ ایک مانوس منظر پیش کرتا ہے جس میں منزل کی طرف جانے کا کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ کوئی متعین رخ۔ جانور دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف بھاگتے ہیں اور ہانکنے والا انہیں دائیں بائیں سے اکٹھا کر کے آگے کی طرف ہانکتا چلا جاتا ہے) یہاں تک کہ سب کے سب دربارِ الٰہی میں پہنچ گئے ہیں۔ پروردگارِ عالم کی طرف سے یوں سوال ہوا ہے ——— أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا ——— (کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا حالاں کہ تم نے ان کا علمی احاطہ نہ کیا تھا؟) یہ سوال درحقیقت انہیں شرمندہ کرنے اور ان کے اعترافِ گناہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس کے متصلاً بعد دوسرا سوال ہوتا ہے ——— أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ——— ؟ (اس کے سوا آخر تم کرتے بھی کیا رہے تھے؟) یہ دوسرا سوال تہدید آمیز ہے۔ عام محاورۂ زبان میں اس کی مثالیں ملتی ہیں یعنی آخر اس کے سوا تمہارے پاس بظاہر کونسا ایسا قابلِ ذکر عمل ہے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ تم نے اپنی زندگی اس پہ گزاری ہے؟ ظاہر ہے اس طرح کے سوال کا جواب سوائے خاموشی اور کیا ہو سکتا ہے ——— وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ——— ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر عذاب کا وعدہ پورا ہو گیا ہے اور مارے ذلت و رسوائی کے ان کے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی جیسے منہ میں لگام پڑ گئی ہو بلکہ ندامت و شرمساری سے بے حس و حرکت مورتی بنے ہوئے ہیں۔ زبان رکھتے ہیں لیکن بولنے کی سکت نہیں ہے۔ درآں حالیکہ قیامت سے پہلے نمودار ہو جانے والا جانور جو بے زبانوں کی جنس سے ہے بات کرنے لگا ہے۔ سیاقِ کلام میں منظر اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ باہم متقابل پہلو ایک مناسبت سے سامنے آ گئے ہیں۔

گردشِ لیل و نہار میں سامانِ عبرت

اس سورت میں مناظر پیش کرنے کا انداز بالکل اچھوتا ہے
قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی اس کی مثالیں ملتی
ہیں ۔۔ اس میں دنیا اور آخرت کے مناظر ایک ایسے امتزاج سے پیش کیے گئے ہیں جس میں
مناسب موقع پر عبرت پذیری اور اثر انگیزی کی خاطر متناسب پہلوؤں کی عکاسی کرتے کرتے رُخ متقابل
پہلوؤں کی عکاسی کی طرف مُڑ گیا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز حیرت زدہ مکذبینِ حق کے منظر کا مشاہدہ
کرانے کے بعد سیاقِ کلام ہمارے سامنے دنیا کا وہ منظر پیش کرتا ہے جو اُن کے مُردہ ضمیر کو جگانے
اور اُن کے دلوں میں یہ خوف پیدا کرنے کے لیے نہایت موزوں ہے کہ اُن کے اوپر خدا کی ایک ایسی
مقتدر ہستی موجود ہے جو اُن کی ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور ان کے لیے سامانِ زلیست
مہیا کر رہی ہے ، جس نے یہ سارا کارخانۂ کون و مکان ان کی زندگی سے موافقت کرنے والا بنایا ہے
نہ کہ اس سے مزاحم و برسرِ پیکار ۔۔۔ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔۔۔۔ کیا ان کو سجھائی نہ دیتا تھا کہ
ہم نے رات ان کے لیے سکون حاصل کرنے کو بنائی تھی اور دن کو روشن کیا تھا تاکہ وہ اس کی روشنی
میں سامانِ زلیست حاصل کر سکیں ۔ اس میں بہت سی نشانیاں تھیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان
لائیں ۔۔۔ پُرسکون رات اور روشن دن کا یہ منظر دینی شعور پیدا کرنے کے لیے نہایت
موزوں ہے ، جس سے اس خدا کے ساتھ تعلق استوار کرنے کا شوق بڑھتا ہے جو گردشِ لیل و نہار
کا مالک و مقتدر ہے ۔ رات کے سکون اور دن کی روشنی میں اس شخص کے لیے نصیحت کی بہت سی
نشانیاں موجود ہیں جس کے دل میں قبولیتِ ایمان کی صلاحیت موجود ہو ۔ لیکن افسوس کہ آیاتِ الٰہی
کی تکذیب کرنے والوں کو ایمان کہاں نصیب ؟

کارخانۂ قدرت و جزائے خیر و شر

اس کے بعد سیاق کلام اس کائنات کا مشاہدہ کرانے کے بعد
ہمیں دنیا کے سٹیج سے آخرت کے سٹیج پر لے جاتا ہے
۔۔۔ وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ
وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ۔۔۔ ذرا اس دن کی ہولناکی ملاحظہ ہو کہ جب صُور پھونکا گیا ہے وہ سب
لوگ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خوف و ہراس میں ہیں ۔۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ خود
اس ہول و دہشت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے ۔۔ سب کے سب عاجز و دست بستہ اس کے
حضور حاضر ہو گئے ہیں ۔

پھر سیاقِ کلام ہمیں دوبارہ دنیا کے مناظر کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ دیکھئے یہ ٹھوس پہاڑ ہیں جنہیں دیکھنے والا جامد سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ بادلوں کی طرح فلک ہائے گردوں میں ہوا کے دوش پر اُڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے یہ انتہائی کمال درجے کی کاریگری ہے جو صانع حقیقی کی بے اندازہ مہارت و بصیرت کا پتہ دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے پوری طرح باخبر ہے اسی لیے وہ ہر بھلائی اور ہر برائی کا بدلہ ایک علیم و خبیر ہستی ہی کی حیثیت سے دے گا ـــــ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ـــــــــ (جو شخص بھلائی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر صلہ ملے گا اور ایسے لوگ اس دن کے ہَول سے محفوظ ہوں گے۔) لیجئے سارے خوفزدہ لوگ آنکھوں کے سامنے آ گئے ہیں۔ جو شخص بھلائی لے کر آیا ہے وہ اس ہول سے بچ گیا ہے اور یہ بچاؤ بجائے خود ایک صلہ ہے اس بھلائی کا جو وہ لے کر آیا ہے ـــ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ـــــ (اور جو برائی لیے ہوئے آئے گا ایسے سب لوگ اوندھے منہ آگ میں پھینک دیے جائیں گے) لفظ "کُبَّتْ" کا تلفظ اس درشتی اور سختی کی غمازی کرتا ہے، اور اس سے وہ آواز نکلتی ہے جو حالتِ خوف میں سرزد ہونے والی حرکات و سکنات سے پیدا ہوتی ہے ـــ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ـــ بھلا اس کے سوا انہیں کوئی اور جزا مل سکتی ہے؟ کہ جیسا کرو ویسا بھرو۔ ہرگز نہیں!۔

شریکانِ خدا کی طرف سے اعلان برأت

قیامت کے روز جب ہدایتِ الٰہی سے انحراف کرنے والے اور ان کے وہ پیشوا جن کی وہ دنیا میں ہدایتِ الٰہی کو چھوڑ کر اطاعت و فرماں برداری کرتے رہے تھے دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو ان باغیوں کو اپنی مدد کے لیے اپنے پیشواؤں کو بلانے کے لیے کہا جائے گا لیکن نہ صرف یہ کہ وہ ان کی کوئی مدد نہ کریں گے بلکہ ان کی گمراہی سے اپنی برأت کا اعلان کریں گے۔ اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ حق بات وہی تھی جس کی اللہ نے خبر دی تھی۔ اس وقت یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو جائے گی کہ انسان کی غایتِ مقصود اس دنیا کے قصر و ایوان نہیں بلکہ وہ دارِ آخرت ہے جس کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو خدا کے فرماں بردار اس سے ڈرنے والے اور دنیا میں فساد چاہنے والے نہیں ہیں۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

(سورۃ القصص[1] ۴۱-۴۲)

ہم نے انہیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیش رو بنا دیا اور قیامت کے روز وہ کہیں سے کوئی مدد نہ پاسکیں گے۔ ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے روز وہ بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ (القصص ۴۱-۴۲)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَاۗءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ (القصص ۶۲-۶۶)

(اور بھول نہ جائیں یہ لوگ) اس دن کو جب کہ وہ ان کو پکارے گا اور پوچھے گا "کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم گمان رکھتے تھے؟ یہ قول جن پر چسپاں ہوگا وہ کہیں گے "اے ہمارے رب! بے شک یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ انہیں ہم نے اسی طرح گمراہ کیا تھا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ ہم آپ کے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ہماری تو بندگی نہیں کرتے تھے۔" پھر ان سے کہا جائے گا کہ "پکارو اب اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو۔" یہ انہیں پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب دیکھ لیں گے۔ کاش! یہ ہدایت اختیار کرنے والے ہوتے۔ (اور فراموش نہ کریں یہ لوگ) وہ دن جبکہ وہ ان کو پکارے گا اور پوچھے گا کہ "جو رسول بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا؟" اس وقت کوئی جواب ان کو نہ سوجھے گا اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ ہی سکیں گے۔ (القصص ۶۲-۶۶)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (القصص ۷۴-۷۵)

(اور یاد رکھیں یہ لوگ) وہ دن جبکہ وہ انہیں پکارے گا پھر پوچھے گا "کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم گمان رکھتے تھے؟" اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال لائیں گے پھر کہیں گے کہ "لاؤ اب اپنی دلیل" اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق اللہ کی طرف ہے۔ اور گم ہو جائیں گے ان کے وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے۔ (القصص ۷۴-۷۵)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

(القصص ۸۳)

وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔ (القصص ۸۳)

یہ چاروں مناظر پوری سورت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن اپنے اپنے مقام پر پیش کردہ موضوع کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ موضوع کے بعد ان کا بیان دنیا میں پیش آمدہ واقعات

[1] بلحاظ ترتیب نزول ۴۹ ویں سورت ہے۔

اور آخرت میں ہونے والے انجام کو یک جا و ہم آہنگ کر دیتا ہے۔

پہلا منظر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے
طاقت و قوت کے دعویدار، عاجزی و بے بسی کا شکار قصے کے بعد آتا ہے۔ وہ دنیا میں گمراہی میں اپنی قوم کے پیشوا تھے۔ کلامِ الٰہی نے اس کی تصویر یوں پیش کی ہے ——— جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ——— (ہم نے انہیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنا دیا) یہ پیشوائی بھی عجیب ہے اور یہ دعوت بھی عجیب ہے جس کی طرف یہ بلا رہے ہیں۔ خصوصاً جب کہ پیشوا اپنے پیروکاروں کو کہیں کہ "آؤ چلو ہمارے ساتھ دوزخ میں" اس سے تو نہایت عجیب قسم کی دعوت کا نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اور بھی عجیب ہے کہ قیامت کے روز انہیں کہیں سے مدد بھی نہیں ملنے والی۔ وہ نہایت عاجز و بے بس، مدد کے محتاج ہیں لیکن مدد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ منظر اس منظر کے بالکل الٹ منظر ہے۔ جس میں دنیا میں وہ طاقت و قوت کے مالک اور بڑائی کے دعویدار بنے ہوئے تھے (قوت و اقتدار والا یہ منظر بھی قبل ازیں اسی سورت میں پیش ہو چکا ہے) دنیا میں ان کے پیچھے ان پر پھٹکار پڑتی تھی اور یہاں بھی وہ بہت بُری حالت میں مبتلا ہیں ——— وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ——— یہ قیامت کے روز ان کے انتہائی بُرے حالات کی تصویر ہے۔

دوسرا منظر کفارِ مکہ کے اس قول کے بعد آتا ہے۔
دعوتِ حق کا تقاضا، مفادات کی قربانی
اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ——— (اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کر لیں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے) درحقیقت یہ دنیا کا مال و متاع اور مذہبی و سیاسی اثر و رسوخ ہی ہے جو انہیں شرک پر جمائے ہوئے ہے نہ یہ کہ انہیں اپنے برسرِ حق ہونے کا یقین کامل ہے۔ یہ دعوت عقلاً صحیح بھی ہو جب بھی وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہی انہیں اپنے تمام دنیوی مفادات سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں انہیں اندیشہ ہے کہ یہ دعوت قبول کرتے ہی سارا عرب ان کے خلاف ہو جائے گا اور وہ بالکل بے یار و مددگار اور بے آسرا ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ ان کی اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ ارشاد ہوتا ہے ———

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

——— (تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس

کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ؟۱)

معبودانِ باطل کی اپنے پیروؤں سے برأت

اس کے بعد وہ تصویر پیش کی گئی ہے جس میں وہ قیامت کے روز خدائے ذوالجلال کے حضور کھڑے ہیں اور ان سے یہ حیرت انگیز اور رسوا کن سوال کیا گیا ہے ـــــ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ـــــ (کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم گمان رکھتے تھے ؟) ان کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ جو خدا کے شریک ٹھہراتے رہے تھے اور خدا کے سوا دوسروں کی پیروی کرتے رہے تھے کوئی جواب دیں دنیا میں جنہیں خدا کا شریک ٹھہرایا گیا تھا اور خدا کے سوا جن کی پیروی کی گئی تھی وہ سبقت کر کے پیروی کرنے والوں سے جان چھڑاتے ہیں اور اللہ کے حضور گمراہوں کو گمراہ کرنے کی ذمہ داری سے، باوجودیکہ ان کی گمراہی کا باعث وہ بھی تھے اپنی برأت کا اعلان کرتے اور کہتے ہیں ـــــ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ (اے ہمارے رب یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ انہیں ہم نے اسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے) یعنی ہم نے زبردستی ان کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ان کے سامنے بھی ہم نے گمراہی پیش کی اور انہوں نے اپنی مرضی سے اسے قبول کیا۔ لہٰذا خدایا! تیرے ساتھ یہ جو شرک کرتے رہے ہیں ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ تیری ذات کو چھوڑ کر یہ دوسروں کی جو بندگی کرتے رہے ہیں ہم اس کے لیے جوابدہ نہیں ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہماری بندگی اور ہماری پیروی نہیں کی۔ بلکہ وہ تو اپنے نفس کے بندے بنے ہوئے تھے انہوں نے جو کچھ کیا اپنی مرضی اور اپنی صوابدید سے کیا۔ ہم اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں یہ اپنے فعل کے ذمہ دار۔

ایک لمحے کے لیے ماحول پر سکوت کا عالم طاری ہوتا ہے۔ گویا جو کچھ انہوں نے کہا سب بالکل لغو تھا۔ اور خدا کے اس سوال کا جواب نہیں تھا کہ "کہاں ہیں میرے وہ شریک جنہیں تم خیال کرتے تھے ؟" چنانچہ خدائے ذوالجلال ان معبودانِ باطل کے اس جواب سے صرفِ نظر کر کے ان کے پیروؤں کو اصل موضوعِ کلام کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے ـ اُدۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ بھئی ان کی بات کو چھوڑو۔ تم اپنے مزعومہ شریکانِ خدا کو پکارو کہ وہ تمہیں ہمارے عذاب سے چھڑائیں۔ پس وہ انہیں پکارتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیں گے لیکن بیچارے کیا کریں۔ بسٹپٹائے ہوئے ہیں ـــــ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ

انہوں نے انہیں پکارا ہے لیکن افسوس انہوں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا) اب بیچارے عذاب کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان کی پکار کا جواب ہے۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ — اس نازک اور فیصلہ کن گھڑی میں ان کی نگاہیں دنیا میں اس ہدایت کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ جو انہیں اس دردناک انجام سے بچا سکتی تھی — لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ — کاش یہ ہدایت اختیار کرنے والے ہوتے! ہاں کاش کہ وہ ایسا کرتے! لیکن افسوس وہ اس وقت اپنی گمراہی میں بھٹکے جا رہے تھے!

دعوتِ حق کے بارے میں باز پرس دنیا کی ایک جھلک دیکھ لینے کے بعد سیاقِ کلام ہمیں پھر اسی مقام پر لے آتا ہے جہاں سے ہٹ کر ہماری نگاہیں دنیا کی طرف اُٹھی تھیں، ہمیں پھر ایک پکار سنائی دیتی ہے۔ ایک دوسرا سوال ہمارے کانوں میں پڑتا ہے — مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ — (تم نے ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟) حالانکہ سوال کنندہ رب ذوالجلال خوب جانتا ہے کہ انہوں نے کیا جواب دیا تھا باوجودیکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کا جواب کیا تھا لیکن گھبراہٹ کی وجہ سے بھولے ہوئے ہیں — فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ — ان کے دماغوں سے تمام جوابات محو ہو گئے ہیں۔ انہیں کچھ یاد نہیں پڑتا۔ بس منہ بند کیے کھڑے ہیں۔ کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتے، پس یہاں فلاح پانے کی امید صرف اسی کو ہو سکتی ہے جو بغاوت و سرکشی سے سچے دل سے توبہ کرے اور اخلاص کے ساتھ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اپنی عملی زندگی کی ہمہ پہلو اصلاح کر لے۔ اس نازک موقعہ پر آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے والے گمراہوں کا یہ منظر پیش کر کے قاری کو توبہ اور ایمان کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔

ہر امت کے گواہ کی پیشی اور اس کی شہادت اس کے بعد سیاقِ کلام ہمارے سامنے آفاق و انفس میں سے دنیا کے نہایت اثر انگیز مناظر پیش کرتا چلا جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ وحدہٗ لاشریک ہستی ہے جو اس کائنات کا نظام بھی چلا رہی ہے اور نوعِ انسانی کی بھی خالق و پروردگار ہے۔ اس کے بعد مندرجہ بالا تیسرا منظر ہمارے سامنے آتا ہے جس میں ایک پہلو سے دوسرے منظر کے ساتھ موافقت اور باقی دوسرے سب پہلوؤں میں اختلاف موجود ہے۔ یہاں بھی وہی پکار سنائی دیتی ہے جو دوسرے منظر میں موجود تھی۔ — اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ — لیکن یہاں انہیں جواب دینے کے لیے چھوڑ نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ ہر امت کے رسول کو بلا لیا گیا ہے تاکہ وہ ان پر برسرِ موقعہ شہادت

دے سکے ـــــ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ـــــ

"اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال لائیں گے پھر کہیں گے کہ" لاؤ اب اپنی دلیل "حقیقت میں موقع و محل کے لحاظ سے یہاں دلیل کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہاں تو مقصود محض اثبات جرم اور ان کی تذلیل ہے ـــــ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ ـــــ (اس وقت انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ حق واقعی اللہ کی طرف ہے، لیکن افسوس اب اس بات کا علم ہو جانے کا حاصل کچھ نہیں ہے وقت بہت گزر چکا ہے ـــــ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ـــــ (آج ان کے وہ سب جھوٹ گم ہو گئے ہیں جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے) آج کوئی چیز ان کو اور ان کے جھوٹ کو جمع کرنے والی نہیں ہے۔ حق کے سامنے آج ان کا جھوٹ بھسم ہو کر ان سے ایسے غائب ہو گیا ہے کہ گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

منتہائے تمنا دارِ آخرت ہے

پھر چوتھا منظر قارون کے قصے کے بعد آیا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جسے دنیا میں زمین کے خزانے اور بہت سا سامانِ عیش و عشرت دیا گیا تھا۔ اس کی قوم کو نہ تو ایسا ساز و سامان کبھی دیکھنا نصیب ہوا تھا جو اسے حاصل تھا نہ اس نے کبھی ایسا شاندار محل دیکھا تھا جس میں وہ دادِ عیش دے رہا تھا۔ پھر اچانک اسے خدا کی بغاوت و سرکشی کے نتیجے میں اپنے ساز و سامان اور محل سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ تاکہ کل جو لوگ یہ تمنا کر رہے تھے کہ انہیں بھی ایسا ہی مال و دولت نصیب ہو انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ غلطی پر تھے نیز انہیں یہ اندازہ بھی ہو جائے کہ اس سارے قصے میں وہ بڑا گھر جس کی تمنا کی جانی چاہیئے وہ ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے ـــــ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ـــــ (وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔) یہ منظر کی تصویر اور الفاظِ بیان میں کمال دلچسپی کی ہم آہنگی کا نمونہ ہے، جس طرح کہ قرآن کے بیان کردہ دوسرے مناظر میں یہ موجود ہے۔

روزِ قیامت اور اقتداء پیشوا

قیامت کے روز ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا جسے وہ خود پڑھ کر اپنے اعمال کا حساب لگا لے گا۔ نیز ہر شخص دربارِ الٰہی میں محاسبۂ اعمال کے لیے اپنے

پیشوا اور امام کی رفاقت میں پیش ہوگا۔ سورت بنی اسرائیل[۱] میں یہ کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝
(بنی اسرائیل ۸)

ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے، لیکن اگر تم نے پھر اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کرینگے اور کافر نعمت لوگوں کیلئے ہم نے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝
(بنی اسرائیل ۱۳-۱۴)

ہر انسان کا شگون ہم نے اس کے اپنے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت کے روز ہم ایک نوشتہ اس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ پڑھ اپنا نامۂ اعمال، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
(بنی اسرائیل ۷۱-۷۲)

پھر خیال کرو اس دن کا جبکہ ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ اس وقت جن لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنا کارنامہ پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور جو اس دنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام۔

نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝
(بنی اسرائیل ۹۷)

ان لوگوں کو ہم قیامت کے روز اوندھے منہ کھینچ لائیں گے۔ اندھے، گونگے اور بہرے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔

اس سورت میں اگرچہ مناظر چھوٹے اور مختصر ہیں لیکن یہ نئی تصاویر پیش کرتے ہیں۔ پہلی تصویر میں جہنم کو کافروں کے لیے قید خانے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ جو انہیں گھیرے میں لیے ہوئے انہیں اکٹھا کیے ہوئے اور سب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

دوسری تصویر دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا ریکارڈ ایک کھلی کتاب میں دکھاتی ہے۔ جیسے ہر شخص کے گلے میں لٹکا دیا گیا ہے جیسے پرندے کے گلے میں ہار ہو۔ ہر شخص کو اپنا نامۂ اعمال پڑھنے کا مکلف کیا گیا ہے تاکہ وہ خود اپنے اوپر گواہی دے سکے۔

تیسری تصویر قیامت کے روز بلاوے کا ایک نیا انداز ہمارے سامنے رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ آخرت کے روز ہر گروہ انسانی کو اس کے پیشوا کا نام لے کر بلایا جائے گا۔ اس روز جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اسے پڑھنے لگ جائے گا۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اسے پڑھ نہیں سکے گا۔ اس وقت وہ بالکل اس طرح اندھا ہوگا جیسا

---

[۱] چند متفرق آیات کو چھوڑ کر بلحاظ نزول یہ ۵۰ ویں سورت ہے۔

اندھا وہ دنیا میں تھا۔ آخرت میں بھی وہ ایسا ہی گم کردہ راہ ہوگا جیسا گم کردہ راہ وہ دنیا میں تھا۔ یہاں اندھے پن کا استعمال اَن پڑھ ہونے کے لیے ہُوا ہے کیونکہ پڑھنے کے لیے بصارت ضروری ہے اسی طرح بصارت گمراہی کے مقابلے میں ہدایت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

چوتھی تصویر قیامت کے روز منکرینِ حق کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتی ہے کہ وہ اوندھے منہ اکٹھے کئے ہوئے ہیں۔ قیامت کے روز اوندھے منہ اکٹھے ہونے کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔ اس مرتبہ وہ صرف اندھے ہی نہیں ہیں جیسا کہ ہم قبل ازیں ایک منظر میں ان کا مشاہدہ کر چکے ہیں بلکہ دربارِ الٰہی میں جس سختی کے ساتھ انہیں جمع کیا گیا ہے اور دوزخ میں جس بے دردی کے ساتھ وہ گھسیٹ کر لا ڈالے گئے ہیں اس کی وجہ سے ان پر ایسا خوف و ہراس طاری ہے کہ زبانیں خشک ہو کر بند ہو گئی ہیں اور کانوں کی سماعت سلب ہو گئی ہے۔ وہ دوزخ میں اس نعمت کے مقابلے میں کہیں زیادہ رنج و الم کا نشانہ بننے والے ہیں جو اس شخص کو ملنے والی ہے جس کی آنکھیں بھی ہیں، زبان بھی ہے اور کان بھی۔ جس نے دنیا میں اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر حق کو قبول کیا اور اپنی زندگی اس حق کے مطابق ڈھال لی۔ اس منظر میں دوزخ کی آگ ہمیشہ بھڑکتی رہنے والی نظر آ رہی ہے۔

یہ تصویریں اگرچہ چند گھڑیوں پر محیط ہیں اس کے باوجود ان میں ایسی جدّت اور ایسا تنوع ہے کہ جس سے صرفِ نظر کرنا ہمارے لیے ناممکن ہے۔

کفّار کی رُوسیاہی اور احساسِ ندامت

سورۃ یونس میں آخرت میں اہلِ ایمان کی بشاشت، کفار کی رُوسیاہی اور ان کے احساسِ ندامت کی تصویر حسبِ ذیل مختلف مناظر میں پیش کی گئی ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ سورۃ یونس ۹-۱۰)

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ ایمان لائے (یعنی جنھوں نے ان صداقتوں کو قبول کر لیا جو اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں) اور نیک اعمال کرتے رہے انہیں اُن کا رب اُن کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائیگا نعمت بھری جنتوں میں ان کے نیچے نہریں بہیں گی وہاں ان کی صدا یہ ہوگی کہ "پاک ہے تو اے خدا" ان کی دعا یہ ہوگی کہ "سلامتی ہو" اور ان کی ہر بات کا خاتمہ اس پر ہوگا کہ "ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے"۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لیے

۱؎ بلحاظ نزول یہ ۵۱ ویں سورت ہے۔

الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

(سورۃ یونس ۲۶-۲۷)

بھلائی ہے اور مزید فضل، ان کے چہروں پر رُو سیاہی اور ذلت نہ چھائے گی، وہ جنت کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی بدلہ وہ پائیں گے۔ ذلت ان پر مسلط ہو گی۔ کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہو گا۔ ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہو گی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں۔ وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

(سورۃ یونس ۲۸-۳۰)

جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ (اپنی عدالت میں) اکٹھا کریں گے پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ "ٹھہر جاؤ تم بھی اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک بھی۔ پھر ہم ان کے درمیان سے اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ "تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے! ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ (تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو) ہم تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے" اس وقت ہر شخص اپنے کئے کا مزا چکھ لے گا، سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیے جائیں گے۔ اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے گم ہو جائیں گے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

(یونس ۴۵)

اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کریگا تو (یہی دنیا کی زندگی انہیں ایسی محسوس ہوگی) گویا یہ محض ایک گھڑی بھر آپس میں جان پہچان کرنے کو ٹھہرے تھے (اس وقت تحقیق ہو جائے گا کہ) فی الواقع سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہرگز وہ راہِ راست پر نہ تھے۔

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

(سورۃ یونس ۵۴)

جب یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے مگر ان کے درمیان پورے انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا کوئی ظلم ان پر نہ ہو گا۔

۱۔ مومن کی شکر گزاری

یہ منفرد قسم کی تصویر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جنت میں ایک گروہ ایسا ہے جس کی زبان پر ہر وقت یہ صدا ہے "سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ" "خدایا! تو پاک ہے" گویا یہی واحد مشغلہ ہے جس میں وہ ہر دم لگے رہتے ہیں۔ یا پھر ان کی زبان سے اگر کوئی دعا نکلتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ "سَلٰمٌ" "سلامتی ہو" — یعنی جنت میں ہر طرف امن و

اطمینان اور ہر پہلو سے سلامتی ہی سلامتی ہو۔ مزید یہ اگر کوئی اور کلمہ ان کی وردِ زبان ہے تو وہ یہ ہے ــــ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ــــ (سب تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں)۔ ــــ اس طرح ان کی زندگی کا محور و مرکز محض اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور اس کا شکر و سپاس ہے۔ اس تسبیح و تحمید میں سوائے پاک دعاؤں، پاکیزہ کلام اور تحیۃ و سلام کے اور کوئی چیز خلل انداز نہیں ہوتی۔

۲۔ کافر پر نحوست دوسرے منظر میں ایک طرف کافر ہیں جن پر نحوست چھائی ہوئی ہے۔ چہروں پر تکان اور تاریکی کے آثار غالب ہیں۔ دوسری طرف اہلِ ایمان ہیں جن پر نحوست کا کوئی اثر نہیں ہے۔ ان کے ہشاش و بشاش چہرے چمک رہے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کے منظر کی عکاسی سورۃ عبس اور القیامۃ میں بھی کی گئی ہے لیکن اس موجودہ منظر پہ جدت اور تنوع کی چھاپ گہری ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں برائیاں کمائیں ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے جیسے سیاہ رات کے پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں۔ یوں رات ایک غیر محسوس غیر مادی حالت سے محسوس مادی جسم میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے ٹکڑے کیے جا سکیں۔ اور ان ٹکڑوں سے چہروں کو ڈھانپا جا سکے۔ اس طرح تخیل میں ان چہروں کا عجیب نقشہ ابھرتا ہے۔ فی الحقیقت یہ دوزخ کے مستحق لوگ ہیں۔ اس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۳۔ مزعومہ خداؤں کا انکار اسی طرح شریکانِ خدا کی معیت میں انکا دربارِ الٰہی میں اکٹھا ہونے کا منظر بھی پہلے کا دیکھا بھالا ہے۔ لیکن یہاں یہ نئے انداز میں پیش ہوا ہے ایک رعب دار آواز ان کی طرف بھی اور ان کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے ــــ مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ــــ (ٹھہر جاؤ اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریک بھی)۔ یعنی "ہلو مت، جہاں ہو وہیں رک جاؤ" یہ آواز سنتے ہی وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی حرکت رک جاتی ہے اور آوازیں خاموش ہو جاتی ہیں۔ لمحہ بھر کے بعد ایک نئی حرکت رونما ہوتی ہے۔ دونوں گروہوں میں باہمی امتیاز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ لیجئے! جنہیں خدا کا شریک ٹھیرایا جاتا تھا وہ بالکل ممیز ہو گئے ہیں۔ ان کے اور دوسرے گروہ کے درمیان پردہ حائل ہو گیا ہے۔ ان کی طرف سے اب کھلی کھلی برائت و بیزاری کا اعلان ہو گیا ہے ــــ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ــــ (شریکانِ خدا نے اعلان کر دیا "تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے!") اور معلوم ہے اپنی برائت پہ گواہ کس کو بنا رہے ہیں؟ خدا کو

گواہ بنا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ـــ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ـــ (ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے) ـــ بخدا! اگر تم ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو ہم تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر ہیں۔ نہ ہمیں اس کا کچھ پتہ ہے نہ ہم نے اس کا کوئی بند و بست ہی کیا تھا اس لیے ہم اس کے لیے قطعاً جواب دہ نہیں ہیں۔

یہ منظر بڑا مضحکہ خیز اور وقتی طور پر بڑا دردناک ہے۔ کہاں یہ کیفیت کہ دنیا میں ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ خدا کی اطاعت و بندگی چھوڑ کر وہ ان کی عبادت و بندگی کرتے رہے تھے لیکن کہاں آج یہ حالت ہے کہ وہی ان کے کیئے کرائے سے اعلانِ برأت کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہو، سب کے سب اپنے مالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہیں ـــ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ـــ یہاں کسی کو دم مارنے کی مجال ہے نہ کسی دھوکے اور فریب کی گنجائش۔ یہ حقیقت اب کھل گئی ہے کہ خدا کے ساتھ جو شرک وہ کرتے رہے تھے وہ سراسر گمراہی تھی۔ اور جو جھوٹ انہوں نے گھڑا تھا وہ بالکل غائب ہو گیا ہے۔

۴۔ برزخ کی جان پہچان حشر کا وہ منظر جس میں جمع ہونے والے یہ سمجھیں کہ وہ اپنی قبروں میں ایک پل بھر کے لیے ہی ٹھیرے تھے پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن یہاں اس بات کا اضافہ ہے کہ قیام کے بعد وہ آپس میں جان پہچان کرنے لگ جاتے ہیں اگرچہ یہ مہلت کتنی ہی مختصر سی ہے کیونکہ صورِ اسرافیل کی دوسری آواز سن کر وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ ایک دوسری سورت میں اس کا ذکر بھی گزر چکا ہے)

۵۔ ضمیر کی ندامت پانچواں منظر بھی اگرچہ مختصر سا ہے لیکن اس میں ایک افسوسناک اور رنجیدہ تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جس کے نقوش مجرم ضمیر کے اندر مرتسم اور جس کے آثار چہرے پر ہویدا ہیں ـــ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ـــ اس شخص کی حالت زار کی عکاسی ہے جو اچانک عذاب کے دہانے جا کھڑا ہو اور اس کی لپیٹ میں آجائے اور مایوس ہو کر سمجھ لے کہ اب اس سے بھاگنے کی کوئی صورت ہے نہ اس کے مقابلے سے کچھ حاصل۔ اسے اپنے دل میں ندامت کا شدید احساس ہو لیکن دل ہی میں اسے چھپا لے۔ غرض ترجمانی کے یہ الفاظ یہاں اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے چہروں پہ چھائی ہوئی رو سیاہی کے سوا مزید کوئی دوسرا پہلو ہمارے سامنے نہیں آتا۔ یہ رو سیاہی اتنی گھمبیر اور اتنی غم انگیز ہے کہ الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

ان مختصر سے الفاظ سے اس تصویر کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے *

جنّت و دوزخ کی حیاتِ جاوداں

سورت ہود کی حسب ذیل آیات میں مجرمین کی بے نقابی، قیامت کی ہولناکی اور میدانِ حشر میں بنی نوعِ انسان کی حاضری کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ (سورہ ہود[1] ۱۸)

اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے۔ ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور گواہ شہادت دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔ سنو! خدا کی لعنت ہے ظالموں پر۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۝ (سورہ ہود ۹۶ - ۹۹)

اور موسیٰؑ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سندِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انہیں دوزخ کی طرف لے جائیگا۔ کیسی بدتر جائے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے!

وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۝ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۝ (سورہ ہود ۱۰۲-۱۰۸)

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عذاب آخرت کا خوف کرے۔ وہ ایک دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اس روز ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ ہم اس کے لانے میں کچھ بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں، بس ایک گنی چنی مدت اس کے لیے مقرر ہے۔ جب وہ آئیگا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی، اِلّا یہ کہ خدا کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔ پھر کچھ لوگ اس روز بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے (جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے) وہ ہانپیں گے اور پھنکارے ماریں گے اور اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب

[1] نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر ۵۲ ہے۔

تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں، الایہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ بے شک تیرا رب پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے، تو وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، الّایہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔

(سورۃ ہود ۱۰۲ - ۱۰۸)

۱۔ مجرمین کی بے نقابی پہلے منظر میں مجرمین کے اعمال کی تشہیر اور ان اعمال پر ان کو شرمسار کرنے کا عنصر موجود ہے۔ چنانچہ دیکھئے یہ ایک جماعت ہے جس نے دنیا میں اللہ پر جھوٹ گھڑا تھا۔ آج آخرت میں انہیں اپنے رب کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ پورے مجمع کے سامنے گواہ آگے بڑھ کر شہادت دیتے ہیں کہ ــــ

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ــــ (یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔) یوں وہ اشارہ بھی کرتے ہیں اور نشان دہی بھی کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے جھوٹ گھڑنے کا پول کھل جاتا ہے۔ وہ جھوٹ کس پہ گھڑتے رہے تھے؟ یہ حقیقت بھی کھل جاتی ہے۔ وہ جھوٹ کسی اور پہ نہیں، اپنے رب پر گھڑتے رہے تھے! یہ کتنا بُرا فعل ہے۔ یہ انہوں نے ظلم کیا تھا۔ ظاہر ہے اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک اور ربّ اللہ کے سوا کسی اور کو سمجھا جائے۔ اور بندگی اور عبادات اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی کی جائے۔ ایسے ظالموں پر خدا کی لعنت ہو ــــ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ــــ ذاتِ حق پر اس طرح کا مستحقِ لعنت جھوٹ گھڑ کر انہوں نے جو ظلم کیا تھا اس کا یوں اعلان کر کے انہیں برسرِ عام ننگا کر دیا گیا ہے۔

۲۔ دنیا و آخرت کا ایک منظر دوسرا منظر ایک لمحہ میں دنیا و آخرت کو اکٹھا کر دیتا ہے گویا یہ ایک راستہ ہے جس پر لوگ چلتے چلتے آخرت میں پہنچ گئے ہیں۔ یہ دیکھئے یہ فرعون ہے جو دنیا میں خدا کی الوہیت کا انکار کر کے اپنی خدائی کا ڈنکا بجاتا ہے۔ اس کی قوم اس کی اطاعت و بندگی کرتی ہے۔ پھر وہ اسی طرح قیامت کے روز اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا آنکھ جھپکنے میں انہیں دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بُری فرودگاہ ہے جہاں وہ فروکش ہوئے ہیں۔ منظر، دنیا و آخرت کی عجب ہم آہنگی ہمارے سامنے لاتا ہے۔ فرعون دنیا میں اپنی قوم کی راہنمائی گمراہی کی طرف کرتا ہے اور

آخرت میں ان کی رہنمائی دوزخ کی طرف۔ راہنمائی یہ دونوں جگہ کرتا ہے۔ دنیا میں اس کی گمراہی کی طرف راہنمائی آخرت میں عذاب کی طرف راہنمائی کے مشابہ ہے۔

۳- وہ ہولناک دن

تیسرا منظر حضرت لوط، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قوموں کی تباہی و بربادی بیان کرنے اور اس شدید و دردناک عذاب کا ذکر کرنے کے بعد آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سرکش و باغی بستیوں کو گرفتار کیا ہے

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ——— بلاشبہ دنیا میں تباہی بربادی کے یہ واقعات انہی لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہیں جن کے دل میں عذاب آخرت کا خوف ہو۔ کیونکہ دنیا کی اس پکڑ میں آخرت کے عذاب کے ساتھ پوری مشابہت موجود ہے۔

اس کے بعد کلامِ الٰہی اس دن کی صفت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔۔

ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ ——— (یہ وہ دن ہے جس دن سب انسانوں کو جمع کیا جائے گا اور سب اپنی آنکھوں سے اس دن کو دیکھ لیں گے) یہ الفاظ ہمارے سامنے اس دن کی ایسی تصویر کھینچتے ہیں جس میں سب انسان ایک جگہ جمع ہو کر اس ہولناک دن کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور اس بات کے انتظار میں ہیں کہ دیکھیں کیا گزرتی ہے ۔۔

یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ ——— (وہ ایسا دن ہے کہ جب آجائے گا تو کوئی شخص بغیر اذنِ الٰہی لب کشائی نہ کر سکے گا۔) ایک خوفناک خاموشی سب پر طاری ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ کفر و ایمان اور نیکی و بدی کے لحاظ سے تمام انسانوں کی چھانٹی اور گروہ بندی شروع ہو جائے گی۔ کچھ نیک بخت ہوں گے اور کچھ بد بخت۔ اب دیکھئے جو لوگ بدبختی کا شکار ہیں وہ دوزخ میں پڑے تکلیف کی گھڑیاں کاٹ رہے ہیں۔ دوزخ میں بے پناہ گرمی، گھٹن اور ناامیدی کی وجہ سے ان کے پلے چیخنے چلّانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ نیک بختوں کے لیے جنت میں دائمی نعمتیں ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ یہ نیک بخت اور وہ بدبخت، دونوں اپنے اپنے اعمال کے بدلے جنت و دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جب تک کہ یہ زمین و آسمان قائم و دائم ہیں۔ یہ الفاظ ذہن میں "خلود" کا تصور دلاتے ہیں حالانکہ فی نفسہٖ یہ زمین و آسمان ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔ ادائے مفہوم کے لیے کئی پیرائے مخصوص ہیں۔ کلامِ الٰہی میں "زمین و آسمان کے قائم و دائم رہنے" کے الفاظ درحقیقت خلود" (ہمیشگی) کا تصور دلانے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ "خلود" ہی اصل مقصودِ کلام ہے۔

جنت میں اہلِ ایمان کا پُرشکوہ داخلہ

اہلِ ایمان جنت میں کس شان سے داخل ہوں گے اور انہیں وہاں کیسی زندگی نصیب ہو گی۔ یہ واردات سورت الحجر میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہیں ۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۝ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۝ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ۝ (سورۃ الحجر ۴۲-۴۸)

بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف اُن بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں۔ اور ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ یہ جہنم (جس کی وعید پیروانِ ابلیس کے لیے کی گئی ہے) اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ بخلاف اس کے متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔ ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہو گی اسے ہم نکال دیں گے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ انہیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ (سورت الحجر ۴۲-۴۸)

یہ منظر قصۂ آدمؑ و ابلیس کے بعد آتا ہے جس میں خطاب ابلیس کو کیا گیا ہے۔ اسے یہ بتایا گیا ہے کہ تیرا زور صرف انہی لوگوں پر چلے گا جو تیرے غلام ہیں۔ ابلیس اور اس کے ساتھیوں کا انجام یقیناً جہنم ہے۔ جہنم کی تصویر آنکھوں کے سامنے آتے ہی جو نئی بات پہلی مرتبہ ہمارے علم میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں۔ مجرمین اپنی عملی و اعتقادی گمراہیوں کے لحاظ سے سات مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر دروازے میں سے مجرمین کا ایک گروہ داخل ہو رہا ہے۔ دوسری طرف جنت کا منظر ہے۔ شراب طہور کے چشمے اور پُربہار باغات پرہیزگار فرماں برداروں کے لیے سجائے رکھے ہیں۔ فیصلۂ اعمال کے بعد فرماں برداروں کا انبوہِ کثیر جنت کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ حکم ہوتا ہے — اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ۝ ۔ اس میں آرام کے ساتھ پُرامن اور باوقار طریقے سے داخل ہو جاؤ۔ کسی ہنگامے، گھبراہٹ اور جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ عجیب پُرلطف زندگی ہے۔ یہاں تکان ہے نہ کوفت۔ جو کچھ مل رہا ہے بے مزد مل رہا ہے۔ یہاں سے کبھی نکالے بھی نہیں جائیں گے۔ شیطان کو اب انہیں دوبارہ یہاں سے نکالنے کی جراُت نہیں ہے۔ نہ وہ انہیں اس مشقت یا کوفت میں مبتلا کر

۱؎ نزول کے لحاظ سے یہ ۵۴ویں سورت ہے اس سے پہلے سورت یوسف نازل ہوئی لیکن اس میں قیامت کے دن کا صرف ذکر ہی ہے تفصیلی منظر اس میں نہیں ہے ۔

سکتا ہے جس سے سابقہ انہیں پہلی مرتبہ دنیا میں پڑ چکا ہے۔ جنت میں اب انہیں ایسی باہمی محبت والفت نصیب ہے کہ دلوں میں ذرا سا میل بھی باقی نہیں رہا۔ انہیں ہر پہلو سے ایسا اطمینان و سکونِ قلب حاصل ہے کہ کسی قسم کی کوئی پریشانی اُنہیں لاحق نہیں ہے۔ یہ وہ سلامتی اور وہ سکون و اطمینان ہے جس کے وہ متقین مستحق ہیں جنہوں نے اپنے قلوب خوفِ خدا کے سوا باقی ہر چیز سے پاک کر لیے ہیں۔

گناہوں کے ناقابلِ برداشت پشتارے

سورت انعام کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح دوزخ کے کنارے کھڑے مشرک و سرکش لوگ عذاب کی ہولناکی دیکھ کر حواس باختہ ہو جائیں گے اور جوابدہی کے وقت ایسا جواب دیں گے جو خود ان کے لیے موجبِ پریشانی ہوگا۔ پھر سزا کا فیصلہ سن کر حسرتیں بھرتے کندھوں پر گناہوں کے بوجھ اٹھائے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝

(سورت الانعام[*] ۱۵-۱۶)

کہو اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے (خوفناک) دن مجھے سزا بھگتنی پڑے گی۔ اس دن جو سزا سے بچ گیا اس پر اللہ نے بڑا ہی رحم کیا اور یہی نمایاں کامیابی ہے۔

یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝

(انعام ۲۲-۲۴)

جس روز ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے اور مشرکوں سے پوچھیں گے کہ اب وہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک کہاں ہیں جن کو تم اپنا خدا سمجھتے تھے تو وہ اس کے سوا کوئی فتنہ نہ اٹھا سکیں گے کہ (یہ جھوٹا بیان دیں کہ) اے ہمارے آقا! تیری قسم ہم ہرگز مشرک نہ تھے۔ دیکھو اس وقت یہ کس طرح اپنے اوپر آپ جھوٹ گھڑیں گے اور وہاں ان کے سارے بناوٹی معبود گم ہو جائیں گے۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَ قَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝

(انعام ۲۷-۲۹)

کاش! تم اس وقت کی حالت دیکھ سکتے جب وہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش کوئی صورت ایسی ہو کہ ہم دنیا میں پھر واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں۔ درحقیقت یہ بات وہ محض اس وجہ سے کہیں گے کہ

[*] ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۵۵ ویں سورت ہے۔

جس حقیقت پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا تھا وہ اس وقت بے نقاب ہو کر ان کے سامنے آ چکی ہوگی ورنہ اگر انہیں سابق زندگی کی طرف واپس بھیجا جائے تو پھر وہی سب کچھ کریں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ وہ تو ہیں ہی جھوٹے (اس لیے اپنی اس خواہش کے اظہار میں بھی جھوٹ ہی سے کام لیں گے) آج یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝

(سورۃ الانعام ۳۰-۳۱)

کاش! وہ منظر تم دیکھ سکو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اس وقت ان کا رب ان سے پوچھے گا "کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" یہ کہیں گے "ہاں! اے ہمارے رب! یہ حقیقت ہی ہے"۔ وہ فرمائے گا "اچھا تو اب اپنے انکارِ حقیقت کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو"۔ نقصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے اپنی ملاقات کی اطلاع کو جھوٹ قرار دیا۔ جب اچانک وہ گھڑی آ جائے گی تو یہی لوگ کہیں گے "افسوس ہم سے اس معاملہ میں کیسی تقصیر ہوئی" اور ان کا حال یہ ہوگا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو! کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

(الانعام ۱۲۸-۱۳۰)

جس روز اللہ ان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا اس روز وہ جنوں سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ "اے گروہِ جن! تم نے تو نوعِ انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا"۔ انسانوں میں سے ان کے جو رفیق تھے وہ عرض کریں گے "پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے اور اب ہم اس وقت پر آ پہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا"۔ اللہ فرمائے گا "اچھا اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ اس سے بچیں گے صرف وہی جنہیں اللہ بچانا چاہے گا"۔ بے شک تمہارا رب دانا اور علیم ہے۔ دیکھو اس طرح ہم آخرت میں ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنائیں گے۔ اس کمائی کی وجہ سے جو وہ (دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر) کرتے تھے۔ (اس موقع پر اللہ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ) "اے گروہِ جن و انس! کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟" وہ کہیں گے "ہاں، ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں" آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے مگر اس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام ۱۲۹-۱۳۱)

ان مقامات کو چھوڑ کر جہاں جنت و دوزخ کا ذکر اختصار کے ساتھ ہوا ہے یہ سورۃ پانچ مناظر پر مشتمل ہے۔

عذاب کی شدت

پہلا منظر: ہمارے حاشیۂ خیال پر وہ نقوش مرتسم کرتا ہے جو قرآن کی عبارت سے ہمارے تحت الشعور میں ابھرتے اور الفاظ کے بین السطور سے مترشح ہونے میں۔ یہ منظر ہمارے

سامنے ایسے عذاب کا نقشہ پیش کرتا ہے جس کی شدت و ہولناکی کا عالم یہ ہے کہ اس سے محض بچ جانا ہی انتہائی کامیابی ہے۔ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ٥ ـــ اس عذاب سے نجات پانے والا اپنی نجات کو منتہائے ثواب تصور کرتا ہے۔

۲۔ موجبِ پریشانی جواب

دوسرا منظر ہمارے سامنے وہ نقشہ لاتا ہے جس میں مشرکین سے ان کے خود ساختہ خداؤں کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ جس وقت ان سے یہ سوال کیا گیا ہے اس وقت وہ یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ وہ آخرت میں دربارِ الٰہی میں کھڑے ہیں جہاں اُن کی کوئی چھپی سے چھپی بات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ وہ ایسا مضحکہ خیز اور موجبِ پریشانی جواب دیتے ہیں جو خود ان کے لیے سخت ترین ابتلاء و آزمائش کا باعث ہے ـــ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ٥ (تو وہ اس کے سوا کوئی فتنہ نہ اٹھا سکیں گے کہ یہ جھوٹا بیان دیں کہ) "اے ہمارے آقا! تیری قسم! ہم ہرگز مشرک نہ تھے" آپ انہیں کس کے سامنے جھوٹ بولتے دیکھ رہے ہیں؟ خدا کے سامنے! لیکن بیچارے کیا کریں۔ اس نازک ترین گھڑی نے ان کے ہوش و حواس کھو دیئے ہیں۔ اور وہ جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ورنہ وہ خود جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں سراسر جھوٹ ہے۔ جو بہرحال بے نقاب ہو کر رہے گا لیکن کیا کریں بیچارے مجبور ہیں۔

اس طرح یہ منظر خود ساختہ خداؤں کے بہت سے مناظر میں سے ایک نیا اور اچھوتا پہلو پیش کرتا ہے۔

۳۔ مشرکین کی حسرتیں

تیسرا منظر مشرکین کو دوزخ کے کنارے ـــ بلا ارادہ و بلا اختیار ـــ کھڑے دکھاتا ہے۔ خوف سے ان کے دل دھک دھک کر رہے ہیں اور بدن کا رواں رواں کانپ رہا ہے۔ چنانچہ بلبلا کر کہتے ہیں ـــ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ ـــــــــــــــ کاش ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کو پھر نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں شامل ہو جائیں ـــ درحقیقت وہ خوفزدہ تو ضرور ہیں لیکن شرم ان کے نزدیک بھی نہیں پھٹکی۔ کیونکہ اگر انہیں دوبارہ سابق زندگی کی طرف بھیجا جائے تو پھر وہی سب کچھ کریں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے وہ قطعی جھوٹ بولتے ہیں۔

۴۔ اعترافِ حقیقت اور گناہوں کے پشتارے

چوتھے منظر میں وہ پھر اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہیں۔ ان کے چہروں سے رسوائی

کے آثار ہویدا ہیں۔ ان کے دلوں میں ندامت کے تیر پیوست ہیں۔ پھر خدائے قدوس کی طرف سے رسوا کن سوال ہوتا ہے — اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ — کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ کتنا عجیب سوال ہے! جس قصور کا دل میں اعتراف کیے وہ مارے شرم کے پانی پانی ہوئے جا رہے ہیں اس کا اقرار علی الاعلان کروایا جا رہا ہے۔ چنانچہ انتہائی ذلت، انکساری اور بے بسی کی حالت میں جواب دیتے ہیں — بَلٰی وَرَبِّنَا — ہاں! اے ہمارے پروردگار! اس پر مزید کسی کارروائی کے بغیر خدائے قدوس کی طرف سے یہ حکم ہوتا ہے —
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ — اچھا تو اب اپنے انکارِ حقیقت کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو — اس وقت ان کا حال یہ ہے، کہ وہ کندھوں پر گناہوں کے پشتارے اٹھائے ہوئے ہیں۔ نہ تو یہ اُن سے سنبھالے جا رہے ہیں، نہ کندھوں سے اتارے جا رہے ہیں کہ بیچاروں کا بوجھ ہلکا ہو اور وہ سُکھ کا سانس لیں۔ اس حادثۂ جانکاہ کے گزر جانے کے بعد انہیں اسی حالت میں دوزخ میں ڈال دیا گیا ہے۔

۵۔ انسانوں کا بے جا استحصال

پانچویں منظر میں دیکھیے جنّ و انس — پیشوا اور پیروکار — سب کے سب ایک میدان میں جمع ہیں۔ جنوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے — يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ — اے گروہِ جن! تم نے تو بہت سے انسانوں کو خوب استعمال کیا — وہ جواب نہیں دیتے اور خاموشی نیم رضا کی شکل میں انسانوں میں سے اپنے پیروکاروں کو خوب استعمال کرنے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ادھر انسانوں میں سے ان کے بدبخت دوست اٹھ کر جواب دیتے ہیں —
رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا — بارِ خدایا! ہم نے دنیا کی خاطر ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا۔ درحقیقت اس لوٹ کھسوٹ میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ شیطان انسانوں کو دنیا کا مال و دولت مہیا کرتے جس کے بدلے میں انسان ان کی دوستی اور غلامی کا دم بھرتے۔ آخر کار فیصلے کا وہ وقت آ گیا جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ اور اب ہم تیرے دربار میں تیرے حضور کھڑے ہیں۔ تب حکمِ الٰہی صادر ہوتا ہے — اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ — اچھا اب دوزخ کی آگ ہی تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس میں تم ہمیشہ رہو گے — خدا سے غافل لوگوں نے دنیا میں جو کرتوت کیے ان پر اس طویل اعتراف کے بعد یہ ہے وہ حکمِ الٰہی جس کی توقع کی جا سکتی تھی!

جنّوں اور انسانوں کی اپنے خلاف شہادت

اس کے بعد خطاب کا رُخ انسانوں اور جنّوں سب کی طرف ہو جاتا ہے ـــ

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا[1] ـــ اے گروہِ جنّ و انس کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟ یقیناً ان کے پاس خدا کے رسول آئے تھے۔ انہیں اس بات کا علم ہے لیکن ان کا موجب رسوائی اعترافِ گناہ فی نفسہ عذاب ہے۔ چنانچہ وہ اقرار کرتے ہیں ـــ شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ـــ ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں آج اس کے بغیر اور چارہ بھی کیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور اپنے مستحقِ عذاب ہونے کا برملا اعلان کریں۔ دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ اسی دھوکے میں انہوں نے پوری زندگی گزار دی۔ لیکن آج قیامت کے روز وہ اپنے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں کفر کی روش اختیار کی۔ اس لیے عذاب کے مستحق بھی وہی ہیں۔

کلامِ الٰہی کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ آپ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو آپ کے سامنے ہو رہی ہے۔ اور یہ سوال و جواب اور اعتراف و انکار آپ اپنے کانوں سے سُن رہے ہیں ٭

اہلِ جنّت کی سرگذشتِ احوال

دعوتِ حق کے مقابلے میں منکرینِ حق کا اِستکبار اور اس کا انجام۔ جنت میں اہلِ جنت کی تواضع اور ان کے وارداتِ قلبی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

(الصافات[1] ۱۹-۲۶)

بس ایک ہی جھڑکی ہوگی اور یکایک یہ اپنی آنکھوں سے (وہ سب کچھ جس کی خبر دی جا رہی ہے) دیکھ رہے ہوں گے۔ اس وقت یہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی، یہ تو یوم الجزا ہے" یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے" (حکم ہوگا) گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں اور ان معبودوں کو جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۵۶ ویں سورت ہے ٭

اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، اِن سے کچھ پوچھنا ہے۔" کیا ہو گیا تمہیں اب کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ ارے آج تو یہ اپنے آپ کو (اور ایک دوسرے کو) حوالے کئے دے رہے ہیں۔"

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۤ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

(الصافات ۲۷-۴۹)

اس کے بعد یہ ایک دوسرے کی طرف مڑیں گے اور باہم تکرار شروع کر دیں گے (پیروی کرنیوالے اپنے پیشواؤں سے) کہیں گے "تم ہمارے پاس سیدھے رُخ سے آتے تھے" وہ جواب دیں گے "نہیں، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ آخر کار ہم اپنے رب کے اس فرمان کے مستحق ہو گئے کہ ہم عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ سو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود بہکے ہوئے تھے" اس طرح وہ سب اس روز عذاب میں مشترک ہوں گے۔ ہم مجرموں کے ساتھ یہی کچھ کیا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے" تو یہ گھمنڈ میں آجاتے تھے اور کہتے تھے "کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟" حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔ (اب ان سے کہا جائے گا کہ) تم لازماً دردناک سزا کا مزہ چکھنے والے ہو اور تمہیں جو بدلہ بھی دیا جا رہا ہے انہی اعمال کا دیا جا رہا ہے جو تم کرتے رہے ہو۔ مگر اللہ کے چیدہ بندے (اس انجامِ بد سے) محفوظ ہوں گے۔ ان کے لیے جانا بوجھا رزق ہے۔ ہر طرح کی لذیذ چیزیں اور نعمت بھری جنتیں جن میں وہ عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ شراب کے چشموں سے ساغر بھر بھر کر ان کے درمیان پھرائے جائیں گے۔ چمکتی ہوئی شراب جو پینے والوں کے لیے لذت ہوگی۔ نہ ان کے جسم کو اس سے کوئی ضرر ہوگا نہ ان کی عقل اس سے خراب ہوگی اور ان کے پاس نگاہیں بچانے والی خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی ایسی نازک جیسے انڈے کے چھلکے کے نیچے چھپی ہوئی جھلی۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے۔ ان میں سے ایک کہے گا "دنیا میں میرا ایک ہم نشین تھا جو مجھ سے کہا کرتا تھا، کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ کیا

اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾

(الصافات[1] ۵۰-۵۹)

واقعی جب ہم مرچکے ہوں گے اور مٹی ہوجائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہمیں جزا و سزا دی جائے گی؟ اب کیا آپ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ صاحب اب کہاں ہیں؟" یہ کہہ کر جونہی وہ جھکے گا تو جہنم کی گہرائی میں اس کو دیکھ لے گا اور اس سے خطاب کر کے کہے گا "خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ ہی کر دینے والا تھا۔ میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو آج میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوتا جو پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ اچھا تو کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ موت جو ہمیں آنی تھی وہ بس پہلے آ چکی؟ اب ہمیں کوئی عذاب نہیں ہونا؟"

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾

(الصافات ۶۰-۶۸)

یقیناً یہی عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔ بولو یہ ضیافت اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے۔ اس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔ جہنم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر پینے کے لیے ان کو کھولتا ہوا پانی ملے گا اور اس کے بعد ان کی واپسی اُسی آتش دوزخ کی طرف ہوگی۔

دست بستہ حاضری زندگی کے کئی گوشوں پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالنے والا نیز بہت سے زندہ مناظر اور یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والے اعمال و افعال پر پھیلا ہوا ایک طویل منظر ہمارے سامنے ہے جس میں مکالمے کی خصوصیت بھی موجود ہے۔ یہ مکالمہ یکا یک ایک کہانی کے انداز میں شروع ہوتا ہے اور کسی دوسری کہانی کے بیان میں منتقل ہو کر رہ جاتا ہے۔ حوادث و مناظر کا یہ سلسلہ ہر کہانی کے نتائج و عواقب میں سے اپنا راستہ نکالتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح یہ پورا منظر زندگی کے تمام پہلوؤں کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے۔ یہ طویل منظر منکرینِ آخرت کے ایک گروہ کے اس استعجاب کا جواب ہے کہ "کیا واقعی جب ہم مر کر مٹی ہوجائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہمیں اور ہمارے پہلے مرے ہوئے باپ دادوں کو دوبارہ اٹھایا جائیگا؟" چنانچہ منظر کے شروع میں یہ جواب دیا گیا ہے۔ "ہاں! یقیناً تم ذلیل و عاجز ہو کر دست بستہ غلاموں

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۵۶ ویں سورت ہے۔

کی طرح ہمارے دربار میں حاضر ہونے والے ہو۔" اس کے بعد یہ منظر شروع ہوتا ہے۔
فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فَاِذَا ھُمْ یَنْظُرُوْنَ﴿۱۹﴾ ——— بس ایک جھڑکی ہوگی اور یکایک یہ اپنی آنکھوں سے (وہ سب کچھ جس کی خبر دی جارہی ہے) دیکھ رہے ہوں گے۔ ایسی تیز کرخت آواز جو آنکھ جھپکنے میں ابھرے جس میں سختی اور درشتی کا انداز نمایاں ہو جو اپنے منبع و مصدر کے رعب و جلال پر دلالت کر رہی ہو وہ عربی میں زجرہ (جھڑک) کہلاتی ہے۔ بس بغیر کسی تمہید و تیاری کے ایک گرج دار آواز فضا میں گونجی ہے اور یکایک وہ ہولناک دن اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے وہ ہکا بکا ہو کر چلا رہے ہیں ——— وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا ھٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴿۲۰﴾ ——— ہائے ہماری کم بختی! یہ تو وہی روزِ جزا ہے! عالمِ حواس باختگی میں ان کے کانوں میں ایک غیر متوقع آواز گونجتی ہے:
——— ھٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ﴿۲۱﴾ ——— ہاں! یہ وہی فیصلے کا دن تو ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ——— یوں سیاقِ کلام ایک واقعہ کی خبر سے اُن کرداروں سے براہِ راست خطاب میں منتقل ہو جاتا ہے جو دنیا میں قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہ محض ایک سخت قسم کی سرزنش ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوتا ہے ——— اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَھُمْ وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاھْدُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ﴿۲۳﴾ ——— ——— گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں اور ان معبودوں کو جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے، ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ ——— حکمِ الٰہی کے فیصلہ کن لب و لہجہ سے صاف ظاہر ہے کہ دھمکی دی جارہی ہے۔ یہ عجیب "ہدایت" ہے کہ جس سے گمراہی کا راستہ بہتر طریق سے نظر آرہا ہے۔ درحقیقت جس گمراہی میں وہ مبتلا تھے اس کا یہ بہتر بدلہ ہے چونکہ دنیا میں انہوں نے سیدھی راہ نہیں اختیار کی اس لیے آج آخرت میں جہنم کی راہ لیں! چلیے! حکم کی تعمیل ہوگئی ہے۔ فرشتوں نے ان بدبختوں کو جہنم کا راستہ دکھا دیا ہے۔ وہ جہنم کی طرف چند قدم چلتے ہیں پھر حکم ہوتا ہے ——— وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴿۲۴﴾ ——— اسے انہیں ذرا ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھنا بھی ہے" ——— لیجئے پوچھ گچھ کی خاطر انہیں روک لیا گیا ہے۔ سوال ہوتا ہے ——— مَا لَکُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ﴿۲۵﴾ "کیا بات ہے آج تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟" حالانکہ آج تو تم سب اکٹھے ہو۔ وہ معبود بھی یہاں موجود ہیں کہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے؟ ——— لیکن یہ ایک فطری بات ہے کہ آج اُن سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ ندامت سے چہروں کا رنگ فق اور سر جھکے ہوئے ہیں۔ جس حقیقت کو اس منظر میں پیش کرنا مقصود ہے

وہ یہ ہے کہ ——— بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ——— ارے آج تو وہ دست بستہ غلاموں کی طرح اپنے آپ کو خود حوالے کئے دے رہے ہیں ——— آج بڑے بڑے جابر و سرکش مجرمین کے کس بل نکل چکے ہیں اور بلا چون و چرا جہنم کی طرف خود بڑھے چلے جا رہے ہیں!

قصور وار کون؟ بعد ازاں سیاقِ کلام دوبارہ ان کی سرگزشت بیان کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ پیروی کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہیں ——— اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ ——— تم ہی ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے ——— یعنی تم ہمارے دائیں کان میں کانا پھوسی کرتے اور قبولِ حق کے بارے میں ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے (خفیہ سرگوشی میں عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے) اس فریب کی وجہ سے آج ہم جس انجام سے دوچار ہیں اس کی بازپرس تم سے ہونی چاہیئے دریں اثنا وہ تہمت لگانے والوں کی اس احمقانہ اتہام پردازی سے اپنی برائت کا اعلان کرتے اور نتائج کی ذمہ داری خود ان مجرمین پر ڈالتے ہیں ——— قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ ——— ہمارا کوئی قصور نہیں قصور تمہارا اپنا ہے تم خود ایمان لانے والے نہ تھے ——— یعنی تم خود اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ایمان کی طرف راغب نہ تھے ——— وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ——— ورنہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا کہ جس سے ہم نے تمہیں اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور کیا ہو ——— بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ ——— بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہو سکتا ہے نہ تمہیں اچھے برے کی تمیز ہی ہے۔ ——— فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ ——— سو ہم پر ہمارے رب کا حکم عذاب ثابت ہو گیا ہے ہم تو ضرور اس کا مزہ چکھنے والے ہیں کیونکہ ہم خود اپنی گمراہی سے عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں ——— فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ ——— گو ہم نے اپنی گمراہی کی وجہ سے تمہیں بھی گمراہ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ گمراہی کی طرف تم خود بہک گئے۔ اس لیے کہ تمہارا اپنا طبعی رجحان گمراہی کی طرف تھا نہ اس لیے کہ تم پر ہم نے گمراہی زبردستی ٹھونسی ہو۔ بہرحال تمہاری بابت ہم کسی طرح بھی جوابدہ نہیں ہیں۔

حق کے مقابلے میں استکبار اب منظر کی ایک اور کڑی ہمارے سامنے آتی ہے گویا یہ بھی حکمِ الٰہی ہے جس میں اس انجام کی حیثیت اور اس کے اسباب کا اعلان کیا گیا ہے ——— فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ —— وہ سب یعنی پیرو بھی اور پیشوا بھی، گمراہ کرنے والے بھی اور گمراہ ہونے والے بھی ایک ہی عذاب میں شریک ہیں۔ نہ پیروؤں کا یہ عذر سنا گیا ہے کہ وہ خود گمراہ نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں گمراہ کیا گیا تھا اور نہ پیشواؤں کی یہ معذرت قبول کی گئی ہے کہ گمراہ ہونے والے خود ہی راہِ راست کے طالب نہ تھے —— حقیقت یہ ہے کہ ہم مجرمین کو یہی بدلہ دیتے ہیں —— آج یہ سب جس انجام بد سے دوچار ہیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ جب انہیں دنیا میں یہ کہا گیا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی مت کرو عبادت و بندگی کا مستحق صرف وہی ہے تو انہوں نے گھمنڈ میں آکر اس دعوت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ تو ایک دیوانے شاعر کی بڑ ہے۔ اس کی خاطر ہم اپنے محبوب معبودوں کو کیوں کر چھوڑ دیں ؟

بالآخر دینِ حق کے مکذّبین کی اس غلط سوچ کی تردید کرتے ہوئے ان پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے —— بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ ——————

کہ خدا کا رسول کوئی دیوانہ شاعر نہیں ہے جو گپ ہانک رہا ہو بلکہ وہ تو سراسر حق بات لے کر آیا ہے اور جو کچھ بھی اس نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے وہ کوئی طبع زاد اور انوکھی چیز نہیں ہے اس سے پہلے بھی خدا کی طرف سے خدا کے پیغمبروں نے یہی دعوت پیش کی ہے یہ تو محض ان کی تصدیق کر رہا ہے۔ اس دعوت کو جھٹلانے کی پاداش میں تم یقیناً" دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں جو بدلہ بھی دیا جا رہا ہے وہ انہی اعمال کا دیا جا رہا ہے جو تم کرتے رہے ہو۔ البتہ اس دردناک عذاب سے صرف وہی لوگ محفوظ ہیں جو اللہ کے خاص بندے ہیں جنہیں احکامِ الٰہی پر پورے اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے۔

جب منظر کا اختتام اس خطاب پر اور اس خطاب کا خاتمہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ذکر پر ہوتا ہے تو معاً" موقع و محل کے مطابق اس جنت نعیم کی تصویر کھینچ دی جاتی ہے جو اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کو ملنے والی ہے۔ یہ نعمت مادی بھی ہے اور روحانی بھی۔ اس سے روح بھی مستفیض ہوتی ہے اور جسم بھی۔ چنانچہ ان کی پہلی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ

بندے ہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور عزت وتکریم پانے والے ہیں۔ ظاہر ہے
ان کے برگزیدہ ہونے میں ان کی عزت وتکریم کا شرف از خود موجود ہے۔ یہ روحانی نعمت ہے۔
مزید برآں وہ مادی نعمتوں سے بھی بہرہ ور ہیں۔ ان کے لیے لذیذ میوے اور قیمتی تخت ہیں۔
ہر طرح کا راحت وآرام ہے۔ پھر ان میں سفید چمک دار شراب طہور کے جام وصبو کا دور چل رہا
ہے جو پینے والوں کے لیے نری لذت ہی لذت ہے۔ نہ اس سے سر چکراتا ہے نہ عقل مختل
ہوتی ہے۔ یہ اس کی بہترین صفات ہیں کہ خمر کی لذت بھی موجود ہے اور شراب کی قباحتیں بھی مفقود۔
یعنی نہ تو اس میں ایسی خماری ہے جو سر میں درد پیدا کرے نہ ایسی بے خودی ہے جس سے
عقل جاتی رہے۔ پھر ان کے پاس ایسی حسین عورتیں ہیں جن کی آنکھیں بڑی خوبصورت اور موٹی
ہیں۔ لیکن وہ شرم وحیا سے غیر محرم مردوں کے سامنے اپنی نگاہیں نیچی رکھتی ہیں۔ وہ اتنی باپردہ
ہیں کہ جیسے پردوں میں لپٹے ہوئے انڈے جن پر نہ کسی کی نظر پڑے نہ جنہیں کسی کے ہاتھ لگیں۔

اہلِ جنت کی بھولی بسری یادیں

اب پھر ایک مصوّر کہانی شروع ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ یہ سامنے اللہ کے برگزیدہ بندے فروکش ہیں
جنت میں جب انہیں راحت وآرام کا سب سامان مل جاتا ہے تو وہ رات کو بڑے مزے
لے لے کر آپس میں باتیں کرتے اور ماضی اور حال کی بھولی بسری یادیں ذہن میں تازہ کرتے ہیں
حالانکہ اس وقت ان کے برعکس مجرمین آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہے
ہیں۔ وہ دیکھئے اہلِ جنت میں سے ایک شخص اپنے ماضی کی یادیں دوہرا رہا ہے۔ اپنے جنتی
بھائیوں کو اپنی سرگزشت کا کچھ حصہ سُنا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے: دنیا میں اس کا ایک ہم نشین
تھا جو روزِ آخرت کو جھٹلایا کرتا تھا۔ وہ جب بھی اس سے بات کرتا یہ سوال کیا کرتا: "کیا تم بھی
اس بات کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیوں کا پنجر ہو جائیں گے تو
ہمیں دوبارہ اٹھا کر جزا وسزا دی جائے گی؟ گویا اس کا ساتھی اس بات پر حیران ہوا کرتا تھا کہ
وہ بعث بعد الموت اور جزا وسزا پر یقین رکھتا ہے۔ جونہی وہ اپنے بھائیوں سے اس کا قصہ بیان
کرتا ہے اس کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اس کا وہ ساتھی تو یہاں موجود نہیں ہے کہ اُس سے
اُس کا حال ہی دریافت کیا جائے۔ البتہ اسے اس کی عملی زندگی کے لحاظ سے یہ توقع ضرور ہے
کہ وہ کہیں دوزخ میں پڑا ہو گا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے دوزخ کی طرف جھانکتا ہے
اور اپنے جنتی بھائیوں کو بھی ادھر دیکھنے کے لیے متوجہ کرتا ہے

کیا تم بھی ادھر جھانک رہے ہو؟ — جب وہ جھانکتا ہے تو اپنے ساتھی کو حسبِ توقع دوزخ کے عین بیچوں بیچ پاتا ہے۔ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ — پھر جب وہ اپنے جنتی بھائیوں سے قطع نظر کر کے اپنے پرانے دوست کو جہنم کی گہرائی میں دیکھتا ہے تو اسے مخاطب ہو کر کہتا ہے: —— تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ —— ارے بخدا! تو نے تو مجھے اپنی گمراہ کن باتوں سے ہلاکت کے گڑھے پر لا کھڑا کیا تھا، اگر میرے رب کا فضل میرے شاملِ حال نہ ہوتا اور میں تمہاری باتوں میں آ گیا ہوتا تو آج میں بھی ان مجرموں میں سے ہوتا جو زبردستی یہاں پکڑ کر لا حاضر کئے گئے ہیں کیونکہ وہ خود تو یہاں حاضر ہونے والے نہ تھے۔ پھر یہ جنتی اس دوزخی سے کلام کرتے کرتے یکایک یہ محسوس کرتا ہے کہ میری خوش قسمتی مجھے کہاں لے آئی ہے۔ اب نہ موت ہے نہ عذاب ہے۔ ساری کلفتوں کا خاتمہ ہو چکا ہے اور مجھے حیاتِ جاوداں نصیب ہو چکی ہے۔ اس احساس کی بنا پر وہ بے ساختہ بول اٹھتا ہے —— اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ ——

ارے کم بخت! کیا اب ایسا نہیں ہے کہ نہ اب ہم مرنے والے ہیں کیونکہ موت جو ہمیں آنی تھی وہ پہلے آ چکی؟ نہ اب ہمیں کوئی عذاب دیا جانا ہے؟ جیسا کہ تو دنیا میں کہا کرتا تھا — یہ کہہ کر گویا وہ اسے ملامت کرتا ہے۔

اس کے بعد منظر کا وہ ماحصل ہے جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے

—— اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ —— یقیناً یہی عظیم کامیابی ہے اور ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے —— پھر سلسلۂ کلام لمحہ بھر کے اندر اس کامیابی کے ذکر سے چل کر اس کے مقابل دوسری صورتِ حال کے بیان پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ سخت ترین عذاب ہے جو حق کی تکذیب کرنے والوں کو ملنے والا ہے اس موقعہ پر مناسبت کے لحاظ سے دونوں حالتوں کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے۔ موازنہ میں عذاب کی وہ کامل صورت سامنے آتی ہے جو محاسبۂ اعمال کے بعد پیش آنے والی ہے جس کا ذکر منظر کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ —— اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ —— بولو! یہ ضیافت اچھی ہے یا زقوم (تھوہر) کا درخت؟ ——

زقّوم کا درخت لیجیئے! اب زقوم کے درخت کا نقشہ! گو اس کا ذکر پہلے کسی منظر میں گزر

چکا ہے تاہم اس کی جو تعریف یہاں بیان کی گئی ہے وہ پہلے کسی [illegible] زا سنی! ــــ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ؀ ــــ وہ ایک ایسا درخت ہے جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے۔ یہ کتنا عجیب درخت ہے کہ دوزخ کی تہہ میں پیدا ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ سے جلتا بھی نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ درخت بھی تو اس دوزخ کی ایک قسم ہی تو ہے! اس کی مزید تعریف یہ ہے کہ ــــ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ؀ ــــ اس کے پھل کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر ــــ کیا آپ نے شیطانوں کے سر دیکھے ہیں؟ کیوں نہیں! شیطانوں کے سر انسان اپنے تخیل میں دیکھتا ہے۔ دراصل یہ تخیلی نوعیت کی تشبیہ ہے جیسے ہم ایک عورت کی انتہائی خوبصورتی کا تصور دلانے کے لیے کہتے ہیں "وہ پری ہے" یا انتہائی بدصورتی بیان کرنے کے لیے کہتے ہیں "وہ چڑیل ہے"۔ حالانکہ نہ پری کسی کی دیکھی ہوئی ہے نہ چڑیل۔ یوں زقوم کے شگوفوں کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دے کر انسان کے دل میں اس کی یاد اور تصور مستحضر کر دیا گیا ہے تاکہ اس کا خوف سا اس پر طاری رہے۔

لیجئے یہ ظالم لوگ جہنم میں داخل ہو رہے ہیں اور تھوہر کے شگوفے کھا رہے ہیں۔ گویا وہ شیطانوں کے سر کھا رہے ہیں ــــ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ؀ ــــ بس کھا کیا رہے ہیں، پیٹ کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ جب اس کے کھانے سے ان کے حلق میں تکلیف اور پیٹ میں جلن ہوتی ہے تو جنت کی ٹھنڈی شرابِ طہور کی طرف لپکتے ہیں تاکہ پیاس کی گرمی اور پیٹ کی جلن بجھا لیں۔ لیکن انہیں پینے کے لیے سخت کھولتا ہوا پانی ملتا ہے جس کے بعد وہ پھر عذابِ دوزخ ہی کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔

قیامت میں خونی رشتوں کا انقطاع

قیامت کے روز تمام خونی رشتے اور گہری دوستیاں ٹوٹ جائیں گی۔ ہر شخص کو اپنی پڑی ہو گی اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ جن سہاروں پر انسان تکیہ کر سکتا ہے ان کے بیکار ہو جانے کے بعد انسان کی بے بسی اور بے چارگی بڑی ہولناک اور تکلیف دہ ہے۔

۱۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ؀ (سورۃ لقمان - ۲۴) — ہم تھوڑی مدت انہیں دنیا میں مزے کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ پھر ان کو بے بس کر کے ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ — لوگو! بچو اپنے رب کے غضب سے اور ڈرو

عَنْ وَّلَدِہٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَجَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَيْئًا ط (لقمٰن ۳۳)

اس دن سے جبکہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا۔

۱۔ اس میں عذاب کی یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ وہ ٹھوس مادی قسم کا ہے جسے انسانی حس بالفعل محسوس کرتی ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ اس طرز کا منظر نہیں ہے جس طرز کے مناظر اس کتاب میں عموماً پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ عذاب کی ایسی مجسم صورت ہے جس میں عذاب کے احساس سے جسم و روح دونوں پر ایک خاص قسم کا اثر پڑتا ہے۔

۲۔ دوسری تصویر میں وہ نقوش ہیں جو کلام کے بین السطور میں جاری و ساری ہیں جنہیں دل کی آنکھ تو دیکھتی ہے لیکن جسم کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ یہ اس وقت کی تصویر ہے جبکہ تمام انسانی تعلقات منقطع اور دور و نزدیک کے معنوی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کفالت باہمی کی وہ تمام ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں جو دنیا میں قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کے درمیان طے شدہ ہیں۔ جیسے کفالت باہمی کی اولین ذمہ داری باپ اور بیٹے کے درمیان ہے۔ آج عدالت بالکل آزاد ہے۔ انصاف کے تقاضے بے رو رعایت پورے کیے جا رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داریاں انتہائی نازک ہیں۔ ان کے بھگتان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ گھڑی بڑی کٹھن ہے۔ اس دن کی یہ خصوصیت اس کے دوسرے پہلوؤں پر اثر ڈالے بغیر ہولناکی کی کامل نفسیاتی تصویر ہمارے سامنے لاتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ باپ اور بیٹے کے درمیان استوار رشتے بھی ٹوٹ جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے کے کام نہ آئے تو بلاشک یہ دن بڑا ہی سخت ہے۔

قیامت میں راہِ فرار کی تلاش

قیامت کے روز منکرینِ حق اس کوشش میں ہوں گے کہ کسی طرح عذابِ جہنم سے بچ جائیں چنانچہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھ کر قبولِ حق کا اعلان کر دیں گے لیکن یہ وقت توبہ اور انابت کا نہیں ہوگا اس لیے ان کا ایمان قبول نہ ہوگا اور وہ اپنے اعمال کی سزا پا کر رہیں گے۔ ارشادِ ربانی ملاحظہ ہو:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ يَقُوْلُ

کاش تم دیکھو ان کا حال اس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اس

۱ے ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۵۷ ویں سورت ہے ؛

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

(سبا[۱] ۳۱-۳۳)

وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ "اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔" وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے "کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود مجرم تھے" وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے "نہیں، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی۔ جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں۔" آخر کار جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے اور ہم ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے اعمال ان کے تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

(سبا ۴۰-۴۲)

اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا "کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟" تو وہ جواب دیں گے کہ "پاک ہے آپ کی ذات ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔ دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔" (اس وقت ہم کہیں گے کہ) آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اور ظالموں سے ہم کہہ دیں گے کہ "اب چکھو اس عذاب جہنم کا مزہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ (سبا ۵۱-۵۴)

کاش تم دیکھو انہیں اس وقت جب یہ لوگ گھبرائے پھر رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے بلکہ قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ حالانکہ اب دور نکلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آ سکتی ہے۔ اس سے پہلے یہ کفر کر چکے تھے اور بلا تحقیق دور دور کی کوڑیاں لایا کرتے تھے۔ اس وقت یہ جس چیز کی تمنا کر رہے ہوں گے اس سے یہ محروم کر دیئے

---

[۱] ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۵۸ ویں سورت ہے۔

جائیں گے۔ جس طرح ان کے پیش رو ہم مشرب محروم ہو چکے ہوں گے۔ یہ بڑے گمراہ کُن شک میں پڑے ہوئے تھے۔

جو لوگے وہ کاٹو گے

۱۔ پہلے منظر میں گمراہ پیشواؤں اور ان کے پیروؤں کے درمیان ہونے والے جھگڑے اور ان کی باہمی گفتگو پیش کی گئی ہے جس کے قبل ازیں کئی نمونے گزر چکے ہیں۔ البتہ یہاں جس چیز کا پہلی مرتبہ ذکر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پیروی کرنے والوں ''کو'' دبا کر رکھے ہوئے کمزور لوگ'' کہہ کر پکارا گیا ہے اور ''پیشواؤں'' کو'' بڑے بننے والے'' کہہ کر۔ یہ گفتگو کئی قسم کی ہے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر یہ بڑے بننے والے نہ ہوتے تو وہ یقیناً'' مومن ہوتے! بڑا بننے والے ان کے اس الزام کی تردید کرتے ہیں اور جو تہمت ان پر لگائی گئی ہے اس کا واضح انکار کرتے ہیں ـــــ اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰكُمۡ عَنِ الۡهُدٰى بَعۡدَ اِذۡ جَآءَكُمۡ ـــــ کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ پھر سخت غضب ناک ہو کر جواب دیتے ہیں ـــــ بَلۡ كُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِيۡنَ ـــــ'' نہیں بلکہ مجرم تم خود تھے''! دریں اثنا وہ کمزور لوگ جرأت کے ساتھ ان کے تمام گناہوں، ان کی تمام چال بازیوں اور ان کے شب و روز کے گمراہ کُن پروپاگنڈے کا پردہ چاک کر دیتے ہیں اور یہ واضح کر دیتے ہیں کہ تم نہ صرف یہ کہ ہمیں خدا کی نافرمانی اور اس کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کی دعوت دیتے رہے ہو بلکہ تم ہمیں اس بات پر حکماً'' مجبور کرتے رہے تھے۔ اس انکشاف کے بعد جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس اعلانِ حقیقت کا انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے تو انہیں اپنے دل میں حسرت و ندامت کا شدید احساس ہوتا ہے اور اسے دل میں چھپائے وہ اپنے آپ کو بے نتیجہ یاس و قنوطیت کی حالت میں اپنے ناگزیر انجام کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد تمام منکرینِ حق کے گلے میں طوق ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہاں بات ختم ہو جاتی ہے۔ پھر سیاقِ کلام استفہام کی شکل میں کہانی سے منطقی انجام کی طرف منتقل ہوتا ہے ـــــ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ـــ کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے ان کے اعمال تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟ ـــ یہ الفاظ منظر کو ہمارے سامنے لے آتے ہیں۔ سامعینِ کلام ناظرینِ منظر بن جاتے ہیں اور ''جو بوؤ گے وہ کاٹو گے'' کا منظر سب کے سامنے ہوتا ہے۔

فرشتوں کی برتیت ۔ ۲۔ دوسرے منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری

کی خاطر فرشتے میدانِ حشر میں حاضر ہیں۔ رب ذوالجلال ان کی طرف مخاطب ہے۔ وہاں موجود پوری نوعِ انسانی اس منظر کو دیکھ اور سُن رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :— اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ —
"کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ حقیقت حال خدا کے علم میں ہے لیکن یہ استفسار محض انہیں سب کے سامنے ننگا اور رسوا کرنے کے لیے کیا گیا ہے! جواب میں فرشتے اس گناہ سے اپنی بریّت کا اعلان کرتے اور خدا کے ساتھ شرک کرنے سے پناہ مانگتے ہیں۔
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ —
——— "پاک ہے آپ کی ذات اس بات سے کہ کوئی دوسرا خدائی اور معبودیت میں آپ کا شریک ہو۔ ہمارا ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں ہم ان سے اور ان کے افعال سے بری الذمہ ہیں۔ ہم تو حضور کے بندے ہیں۔ دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنّوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔" یوں جب وہ سب کے سامنے ننگے اور رسوا ہو جاتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی صادر ہوتا ہے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ——— آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اور ظالموں سے ہم کہہ دیں گے کہ "اب چکھو اس عذابِ جہنم کا مزہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

راہِ فرار کی تلاش

۳۔ تیسرے منظر کی اب تک کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس میں حرکت ہے۔ زندگی کا مدّوجزر ہے اور حرکات کا یہ مدّوجزر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں زندگی موجود ہے۔

لیجئے یہ منکرینِ حق گھبرائے ہوئے پھر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راہِ فرار کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہاں سے فرار کہاں! لیجئے وہ نظر بچا کر سہمے کھڑے تھے کہ قریب ہی سے دھر لیے گئے ہیں۔ دھر کیا لیے گئے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو خود حوالے کر دیا ہے۔ ———

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ — یہی نہیں آج انہوں نے چار و ناچار حق قبول کر لیا ہے ——— وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ——— ان کی گھبراہٹ، چوری چھپے راہِ فرار کی تلاش، ان کی غیر متوقع پکڑ اور جلدی جلدی ایمان کا اقرار یہ سب باتیں اس چیز کی غمازی کرتی ہیں کہ ایمان ان کے دل میں تو اُترا نہیں محض اس کے الفاظ زبان سے رٹے جا رہے ہیں۔ درحقیقت ایمان

اب اُن سے اتنی دُور جا چکا ہے کہ ان کے ہاتھ نہیں آسکتا۔ کیونکہ حصولِ ایمان کی گنجائش تو دنیا ہی میں تھی۔ وہاں سے اب یہ بہت دور نکل آئے ہیں۔ عالمِ آخرت میں پہنچ جانے کے بعد اب توبہ و ایمان کا موقعہ کہاں ہے: —— وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ —— تناوش سے مراد کسی چیز کا تصنع اور بناوٹ سے حاصل کرنا ہے۔ لفظ تناوش سے پیدا ہونے والی آواز بذاتِ خود اس کیفیت کی عکّاسی کر رہی ہے) ہاں! تو اب ایمان ان کے نصیب میں کہاں؟ وہ تو اس سے پہلے دنیا میں کُفر کر چکے ہیں۔ دنیا میں وہ بن دیکھے اور بے سوچے سمجھے دعوتِ حق کے خلاف مخالفت کے تیر چلاتے رہے تھے۔ حالانکہ پردۂ غیب میں پوشیدہ حقائق سے وُہ کوسوں دور تھے۔ زندگی کی جس ڈگر پر وہ چل رہے تھے۔ ان کا اس پر چلنے کا فیصلہ قطعی تھا حالانکہ جن حقائق سے وہ بے خبر تھے ان کے حدود اربعے سے آگاہی کا دعوٰی خود انہیں بھی نہ تھا —— وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ —— ان کی داستانِ حرماں نصیبی کی اس طرح عکّاسی اور ان کے موقف کی کمزوری اس طرح واضح ہو جانے کے بعد جس کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق قرار دیے گئے ہیں یہ منظر پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ آج وہ جس چیز کی تمنا کر رہے ہیں یعنی موقع کھو دینے کے بعد محض تصنع سے ایمان کا دعوٰی کر کے کسی نہ کسی طرح عذاب سے بچ جانے کی خواہش۔ سو اس وقت وہ اس سے محروم کر دیے گئے ہیں جس طرح قبل ازیں ان کے ہم مشرب ساتھی محروم کیے جا چکے ہیں۔ یہ پہلے اور پچھلے مکذبینِ حق کی طے شدہ سزا ہے جو ان کو بہرحال مل کر رہنی ہے۔ بلاشک یہ گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے تھے —— اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾ ——

قیامت میں قبولیّتِ دُعا

قیامت کے روز جب انسان کے سب سہارے ٹوٹ جائیں گے حتّٰی کہ بڑے بڑے طاقت ور انسان جن کی دنیا میں اطاعت ہوتی رہی تھی وہ اعلانِ بریت کر دیں گے تو مجرمین محافظینِ دوزخ سے مدد کی فریاد کریں گے اور کہیں گے ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو۔ قرآن مجید اس پورے منظر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:-

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۥ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ

اے نبیؐ ڈرا دو ان لوگوں کو اس دن سے جو قریب آ لگا ہے جب کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے اور لوگ

وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾
(المومن[1] ١٨)

چپ چاپ غم کے گھونٹ پئے کھڑے ہوں گے ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔

٢- وَيٰقَوْمِ إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ
(المومن ٣٢-٣٣)

اے قوم مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر فریاد و فغان کا دن نہ آجائے جب تم ایک دوسرے کو پکارو گے اور بھاگے بھاگے پھرو گے مگر اس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

٣- وَإِذْ يَتَحَآجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُلٌّ فِيهَآ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوٓا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوا بَلٰى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾
(المومن ٤٧-٥٢)

پھر ذرا خیال کرو اس وقت کا جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ کمزور تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ "ہم تمہارے تابع تھے اب کیا یہاں تم نارِ جہنم کی تکلیف کے کچھ حصے سے ہم کو بچا لو گے؟" وہ بڑے بننے والے جواب دیں گے: "ہم سب یہاں ایک حال میں ہیں اور اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔" پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے اہل کاروں سے کہیں گے "اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کر دے۔" وہ پوچھیں گے "کیا تمہارے پاس تمہارے رسول بینات لے کر نہیں آتے رہے تھے؟" وہ کہیں گے "ہاں" جہنم کے اہل کار بولیں گے "پھر تو تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا اکارت ہی جانے والی ہے۔" یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہ دے گی اور ان پر لعنت پڑے گی اور بد ترین ٹھکانا ان کے حصہ میں آئیگا۔

٤ ——— الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ أَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ إِذِ الْأَغْلٰلُ فِيٓ أَعْنٰقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِن دُونِ اللّٰهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُوا مِن قَبْلُ شَيْئًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾ ادْخُلُوٓا أَبْوٰبَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا

یہ لوگ جو اس کتاب کو اور ان ساری کتابوں کو جھٹلاتے ہیں جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجی تھیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں جن سے پکڑ کر وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف کھینچے جائیں گے اور پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اب کہاں ہیں (اللہ کے سوا) وہ دوسرے خدا جن کو تم شریک کرتے

---

[1] بہ لحاظ ترتیب نزولی ٦٠ ویں سورت ہے۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ⁽⁷⁶⁾
(المومن ۷۰ - ۷۶)

تھے، وہ جواب دیں گے کھوئے گئے وہ ہم سے" بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو نہ پکارتے تھے"۔

اس طرح اللہ کافروں کا گمراہ ہونا متحقق کر دے گا۔ ان سے کہا جاتے گا" یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم زمین میں غیر حق پر مگن تھے اور پھر اس پر اتراتے تھے۔ اب جاؤ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ تم کو وہیں رہنا ہے، بہت ہی برا ٹھکانا ہے متکبرین کا"۔

بپتا کسے سُنائیں

پہلے منظر میں یکایک تیزی سے آنے والے ہولناک حادثہ کی تصویر ہے جس میں قیامت کو سرعت کے ساتھ واقع ہوتے پیش کیا گیا ہے۔ اس نازک گھڑی میں حالت یہ ہے کہ مارے گھٹن کے کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ دل میں ٹیس اٹھتی ہے، سانس رکا جا رہا ہے اور جان نکلی جا رہی ہے۔ اس گھٹن کے عالم میں ظالموں کا کوئی جگری دوست نہیں جسے اپنا محرمِ راز بنائیں اور جس کے سامنے اپنے دل کی بپتا کھول کر رکھیں۔ نہ ہی ایسا کوئی سفارشی ہے جس کی دربارِ الٰہی میں شنوائی ہو جو ان کی دست گیری کرے اور ان کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرے۔ آج ان کی عجب شامت آئی ہے کہ وہ اس قدر غیر معمولی تنگی، تنہائی اور کس مپرسی کا شکار ہیں۔ کلامِ الٰہی میں اس ساری صورتِ حال کی عکاسی چند الفاظ میں پیش کی گئی ہے جس میں کرداروں کی مجسم تصویریں بھی ہیں اور ان کے خیالی عکس بھی۔

نہ قرار ہے نہ فرار

دوسرا منظر قیامت کے مجموعی مناظر میں منفرد نوعیت کا ہے۔ پہلی بار ہم دیکھتے ہیں کہ منکرینِ حق کی ایک جماعت جسے دوزخ کی سزا دی گئی ہے جب انہیں دوزخ میں داخل ہونے کے لیے پکارا گیا ہے وہ الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہ آج وہ بھاگ سکتے ہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہے کیونکہ آج انہیں اللہ کی گرفت سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی ——— يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ——— یاد رہے اسی کیفیت کی عکاسی قبل ازیں سورۃ سبا میں بھی کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ (کاش تم دیکھو انہیں اس وقت جب یہ لوگ گھبرائے پھر رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے بلکہ قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔) سورۃ سبا کے بیان کردہ اس منظر میں صرف مجرمین کی گھبراہٹ اور ان کے پکڑے جانے کا ذکر ہے لیکن موجودہ پیش کردہ منظر میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عملاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے ہیں لیکن فرار ہوتے ہی پکڑ لیے گئے ہیں۔

آؤ دوزخ میں حصہ بٹاؤ

تیسرا منظر کمزوروں اور بڑا بننے والوں کے درمیان گفتگو اور

جھگڑے کا منظر ہے۔ گو اس طرح کے منظر پہلے بھی گزر چکے ہیں لیکن یہ منظر ان کی محض تکرار نہیں۔ بلکہ اس میں کچھ نئی تفصیلات ملتی ہیں۔ یہاں کمزور طاقت ور لوگوں سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ چونکہ دنیا میں وہ ان کی غلامی کرتے رہے تھے آج وہ ان کا قرض ادا کریں اور ان کے عذاب میں سے کچھ بوجھ اٹھا کر ان کا بوجھ ہلکا کریں ——— اِنَّا كُنَّا لَكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِيۡبًا مِّنَ النَّارِ ——— طاقتور اس طنز آمیز مطالبہ سے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں اور یوں محسوس کرتے ہیں کہ گویا وہ تو پہلے ہی ان سے بڑھ کر عذاب کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اس لیے ان میں کمزوروں کا زائد بوجھ اٹھانے کی سکت کہاں! اُن کی زبان سے بے ساختہ ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جن سے دلوں میں ملال پیدا ہوتا ہے ——— اِنَّا كُلٌّ فِيۡهَاۤ ——— یعنی اس عذاب میں صرف تم ہی گرفتار نہیں ہم بھی اس میں گرفتار ہیں۔ اس سزا میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ اس کے بعد وہ حکمِ الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے اور اپنے اندر سے غرور و تکبر کی اس صفت کو خیرباد کہہ دیتے ہیں جس کی بنیاد پر کمزور کبریائی کا دعویٰ کرنے والوں سے عذاب کا بوجھ ہلکا کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ خدا کے وہ بھی اسی طرح غلام ہیں جس طرح دوسرے بندے ——— اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ ——— بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے) بندوں کے درمیان اللہ کی عدالت سے فیصلہ ہو چکا ہے جس کو جو سزا ملنی تھی مل چکی ہے۔ اب کسی ردوبدل کی گنجائش ہے نہ کمی بلیشی کی۔ اب ہم سب کو یہ سزا بھگتنا پڑے گی۔

محافظینِ دوزخ کا جواب

پھر یہ کمزور اور وہ طاقتور، سب کے سب دوزخ کے محافظین کی طرف متوجہ ہو کر نہایت عاجزی سے دست بستہ التجا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اُن کی سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے عذاب میں ایک دن کی کمی کرنے کی دُعا کریں۔ شاید ان کی دُعا قبول ہو ——— اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ——— (اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کر دے) لیکن محافظینِ دوزخ ان کی خصوصی صفات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ماضی میں ان دوزخیوں کو توبہ و استغفار کی ہمت کیوں نہ ہوئی؟ اس لیے وہ پلٹ کر اُن سے سوال کرتے ہیں ——— اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ——— کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح ہدایات لے کر نہیں آتے رہے تھے؟ ——— یہ سوال دراصل انہیں جھنجھوڑنے کے لیے کیا گیا ہے، جس کے جواب میں وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہاں! آئے

تھے" — قَالُوْا بَلٰیؕ — دریں اثنا محافظینِ دوزخ سرزنش وملامت کے انداز میں اس معاملے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور اس گفتگو سے پیدا ہونے والی مایوسی کے عالم میں انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ خود ہی اپنے لیے دعا کر دیکھیں — قَالُوْا فَادْعُوْا — (انہوں نے کہا تم خود ہی دعا کر لو)۔

یہ منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور پسِ پردہ یہ جواب ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے — وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ — اور کافروں کی دعا اکارت ہی جانے والی ہے — یہ بات بالکل برحق ہے اور انصاف کے تقاضے کے عین مطابق ہے کیونکہ ایسی دعا کے لیے کوئی نہ کوئی عذر تو ہونا چاہیئے۔ اور انہوں نے کفر کر کے اپنی طرف سے کسی معذرت کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی اس لیے دنیا میں کفر کی روش اختیار کر کے یہاں آنے والوں کی دعا بالکل بے فائدہ ہے۔ مزید یہ آواز گونج رہی ہے — اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ —

یقین جانو آج ہماری مدد کے مستحق تو صرف ہمارے رسول ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے ہم ان کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب ہماری عدالت میں شہادت کے لیے گواہ پیش ہوں گے۔ جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہ دیگی ان پر لعنت پڑے گی اور بدترین ٹھکانا ان کے حصے میں آئے گا — جس طرح دوزخیوں کا حال ہم دیکھ رہی رہے ہیں۔

بُلاؤ اپنے خداؤں کو

چوتھے منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ مجرمین کی گردنوں میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہیں انہیں دوزخ کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے اور دھکے دے دے کر آتشِ دوزخ میں جھونکا جا رہا ہے۔ پھر ملامت وسرزنش کے لہجے میں پوچھا جاتا ہے — اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ — اب کہاں ہیں اللہ کے سوا وہ دوسرے خدا جن کو تم خدائی میں شریک کرتے تھے؟ — وہ جواب دیتے ہیں — ضَلُّوْا عَنَّا — "وہ ہم سے کھوئے گئے ہیں۔" نہیں بلکہ وہ غائب ہو گئے ہیں۔ اس سے بھی عجیب تر ان کا یہ جواب ہوتا ہے — بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا — (بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو بھی نہیں پکارتے تھے) یعنی اب ہم پر یہ بات کھل گئی ہے کہ ہم دنیا میں جنہیں پکارتے

تھے ان کی حقیقت کچھ بھی نہ تھی۔ بالفاظ دیگر ہم جن کی عبادت کرتے تھے وہ لاشئے محض تھے پھر اس پردہ کے پیچھے سے مزید یہ جواب ملتا ہے ۔ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ۞ ۔ اسی طرح اللہ کافروں کو ان کے کفر کی پاداش میں گمراہ کرتا ہے۔

جنت دوزخ کی قیام گاہیں

جنت و دوزخ میں داخلے کا کیا انداز ہو گا اور جنت و دوزخ میں داخل ہونیوالوں کی کیا خاطر مدارات ہو گی۔ جنتیوں اور دوزخیوں پر کیا گزرے گی۔ قرآن ان کیفیات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے :۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۞ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ۞

(الزمر ۱۵-۱۶)

کہو اصل دیوالیئے تو وہی ہیں جنہوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو گھاٹے میں ڈال دیا ہے۔ خوب سن رکھو یہی کھلا دیوالہ ہے ان پر آگ کی چھتریاں اوپر سے بھی چھائی ہوں گی اور نیچے سے بھی۔ یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس اے میرے بندو! میرے غضب سے بچو!

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ

(الزمر ۲۰)

البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈر کر رہے ان کے لیے بلند عمارتیں ہیں منزل پر منزل بنی ہوئی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۞

(الزمر ۲۴)

اب اس شخص کی بدحالی کا تم کیا اندازہ کر سکتے ہو جو قیامت کے روز عذاب کی سخت مار اپنے منہ پر لے گا ایسے ظالموں سے تو کہہ دیا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اس کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَي اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ۞ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۞

(الزمر ۶۰-۶۱)

آج جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ باندھے ہیں قیامت کے روز تم دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے کیا جہنم میں متکبروں کے لیے کافی جگہ نہیں ہے؟ اس کے برعکس جن لوگوں نے یہاں تقویٰ کیا ہے ان کے اسباب کامیابی کی وجہ سے اللہ ان کو نجات دے گا ان کو نہ کوئی گزند پہنچے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ؏

لہ بلحاظ نزول یہ ۵۹ ویں سورت ہے ؏

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

(الزمر ۶۷ - ۷۵)

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے (اس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دستِ راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور اس روز صُور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائینگے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ کتاب اعمال لا کر رکھ دی جائے گی۔ انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے۔ لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور ہر متنفس کو جو کچھ بھی اس نے عمل کیا تھا اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے (اس فیصلہ کے بعد) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے کارندے ان سے کہیں گے" کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جنہوں نے تم کو تمہارے رب کی آیات سنائی ہوں اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمہیں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا؟" وہ جواب دیں گے: ہاں، آئے تھے" مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر چپک گیا۔" کہا جائے گا: "داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، بڑا ہی برا ٹھکانا ہے یہ متکبروں کے لیے اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائیگا یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے پہلے ہی کھولے جا چکے ہونگے تو اس کے منتظمین ان سے کہیں گے: "سلام ہو تم پر، بہت اچھے رہے، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے۔" اور وہ کہیں گے" شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔" پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔ اور تم دیکھو گے کہ

فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جائے گا۔ اور پکار دیا جائے گا کہ حمد ہے اللہ رب العلمین کیلئے۔

جنتیوں کے لیے بالاخانے ۱۔ اب پہلا منظر قرآن کے تصویری انداز بیان میں ادبی حسنِ ترتیب کے بے شمار نمونوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی تھی آج دوزخ میں ان کے لیے سائبان ہیں لیکن یہ سائبان آگ ہی کے ہیں۔ ہاں! یہ سائبان ایسے ہیں جیسے قبل ازیں یہ ذکر گزر چکا ہے کہ وہاں دھوئیں کا سایہ ہوگا جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ ٹھنڈک ہے نہ تپش سے بچاؤ۔ پھر غضب یہ ہے کہ ان کے اوپر تنے ہوئے یہ سائبان اور ان کے نیچے بچھے ہوئے یہ فرش بھی آگ ہی کے نہیں ہیں؟ کیوں نہیں! آگ ہی کے تو ہیں۔ اُف! یہ آگ انہیں اوپر سے بھی جھلس رہی ہے اور نیچے سے بھی۔

اس کے برعکس دوسری طرف جن لوگوں نے دنیا میں زندگی اپنے رب سے ڈرتے ڈرتے اس کی اطاعت میں گزاری تھی اُن کے لیے آج "آگ کے ان سائبانوں" کے مقابلے میں بالاخانے ہیں جن کے اوپر ایسے ہی بالاخانوں کی اور کئی منزلیں ہیں۔ جن کے پائین میں نہریں بہہ رہی ہیں منظر میں دوزخیوں کے لیے سائبانوں (جن کے نیچے فرش بھی آگ ہی کے ہیں) اور جنتیوں کے لیے کئی منزلوں والے بالاخانوں (جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں) میں عجیب قسم کا تقابل ہے گو ان دونوں میں موجود ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن مقابلے میں دونوں میں عجیب یکسانی ہے۔ جو چیز ایک طرف ہے اس کے مقابلے کی چیز دوسری طرف ہے۔ یہ قرآن مجید کے ادبی حسن ترتیب اور اچھوتے اندازِ بیان کا بہترین نمونہ ہے۔

دوزخیوں کے لیے آگ ہی آگ ۲۔ دوسرا منظر ایک دوزخی کی عجیب تصویر پیش کرتا ہے جو اپنے آپ سے دوزخ کی آگ کو نہ تو دونوں ہاتھوں سے روک سکتا ہے نہ دونوں پاؤں سے۔ مجبوراً یہ آگ وہ اپنے چہرے سے روکتا ہے حالانکہ طبعی طور پر عموماً جسم کے دوسرے اعضا چہرے پر پڑنے والے اثرات کی مدافعت کرتے ہیں لیکن یہاں بجائے اس کے کہ چہرے کو جھلسانے والی آگ سے بچانے کے لیے دوسرے اعضا حرکت میں آئیں چہرہ خود ڈھال بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ منظر بڑا خوفناک ہے۔ جو سزا پانے والے کی بے بسی، حیرت اور بے چینی کی غمازی کرتا ہے۔

۳۔ تیسرے منظر میں خدا پر جھوٹ باندھنے والوں کے چہروں کو سیاہ ہوتا دکھایا گیا

ہے۔ شاید یہ رُوسیاہی ذلّت و رسوائی کی سیاہی ہو۔ البتہ تقویٰ کی راہ اختیار کرنے والے اپنی کامرانی کی وجہ سے اس ذلت سے نجات پا گئے ہیں۔ یہ نجات محض اس فلاح و کامرانی کی بدولت ہے جو آج ان کے حصے میں آئی ہے۔ اس دن جبکہ چہروں پر سیاہی چھائی ہو محض اس رُوسیاہی کے عذاب سے نجات پا جانا حقیقتاً بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس تصویر کا ایک ہلکا سا عکس پہلے گزر چکا ہے۔

میدانِ حشر بقعۂ نور ہے

۴۔ اس کے بعد ہم چوتھے مشہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ مشہد عجیب و غریب مناظر سے پُر ہے۔ آغاز میں کردار متحرک نظر آتے ہیں۔ پھر ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے زمین میں گڑ گئے ہوں۔ ہر حرکت بند ہو جاتی ہے ہر جنبش رک جاتی ہے اور منظر کے پورے ماحول پر ایسا سکوت و سکون اور ایسی بے بسی اور بے چارگی طاری ہو جاتی ہے جس سے رعب و جلالِ باری ٹپک رہا ہے۔

لیجئے یہ پورا کرۂ ارضی ربّ ذو الجلال کی مٹھی میں ہے۔ یہ چرخ گردوں اس کی دائیں ہتھیلی پر لپٹا ہُوا ہے (یہ ایسی صورت ہے قوتِ خیال جس کے تصور سے عاجز اور قوتِ حاسّہ جس کے احساس سے لرزاں ہے۔ قرآن، جس کے اندازِ بیان میں تنزیہ و تجرید کا رنگ سب سے بڑھ کر ہے اس کا یہ اچھوتا اندازِ بیان ہی ہے جو منظر کی عکاسی ایسے انداز میں کرتا ہے جس سے تصور و خیال میں تمام کردار محسوس و مجسّم نظر آتے ہیں) لیجئے! یہ صُور کی پہلی آواز گونجی ہے اور سطحِ زمین پر اب تک جو آثارِ زندگی باقی تھے فنا کے گھاٹ اتر گئے ہیں۔ ہمیں یہ اندازہ نہیں کہ اس کے بعد کتنا وقت گزر گیا ہے۔ لیجئے اب دوسری بار صُور کی آواز پھر گونجی ہے۔ یکایک سب کے سب اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور قیامت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بغیر کسی شور و شغب، بغیر کسی چیخ و پکار اور بغیر صور کی تیسری گونج کا انتظار کیے ساری کی ساری مخلوقات یہاں جمع ہو گئی ہے۔ خادمانِ بارگاہ فرشتے عرشِ الٰہی کے گرد جمع ہیں۔ آج ہر چیز کی حرکت پُرسکون ہے۔ ہر چیز کا انجام پُرسکون ہے یہ کیفیت منظر کی پوری فضا کے ساتھ اول سے آخر تک پوری طرح مربوط و متناسب ہے ظاہر ہے ایسے موقعہ پر کسی قسم کا شور و شغب مناسب نہیں۔ اس پُرسکون ماحول میں منبعِ نورِ یزدانی سے پھوٹنے والی پُرسکون اور نظرنواز نورانی شعاعیں پورے ماحول کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے چہار سُو نور برسا رہی ہیں اور یہ زمین ــــ یعنی وہ میدانِ حشر جہاں یہ منظر سٹیج ہو رہا ہے،

اپنے رب کے نور سے بُقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ انبیاء اور دوسرے گواہ حاضر کر دیے گئے ہیں۔ آج تمام جھگڑے اور تنازعے ـــــ اس منظر میں بالخصوص ـــــ چکا کر لپیٹ دیئے گئے ہیں ـــــ ـــــ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ ـــــ ان کے درمیان فیصلہ حق و انصاف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کسی پر ظلم نہیں کیا گیا ہے جو عمل بھی کسی نے کمایا تھا آج اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا گیا ہے۔ لوگ دنیا میں جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے اس لیے آج نہ کسی کو حرفِ شکایت زبان پر لانے کی حاجت ہے نہ اونچی آہ بھرنے کی ضرورت۔ چونکہ موقع و محل کے لحاظ سے یہ رعب و جلال کا مقام ہے اس لیے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا عمل مختصر ہے۔

جہنم میں کافروں کا داخلہ

جب حساب و کتاب ختم ہو جانے کے بعد سب کو اپنے اپنے انجام کا علم ہو جاتا ہے تو ہر گروہ کو اس کے ٹھکانے کی طرف روانہ کیا جاتا ہے ـــــ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا ـــــ کافروں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جاتا ہے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچتے ہیں تو دُور ہی سے اس کے محافظ ان کا استقبال کرتے اور دوزخ کے رجسٹر میں ان کا نام درج کرتے ہیں اور یہ بات یاد کراتے ہیں کہ وہ یہاں کس وجہ سے لائے گئے ہیں۔ وہ ان سے پوچھتے ہیں "کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جنھوں نے تم کو تمہارے رب کی آیات سنائی ہوں اور اس بات سے ڈرایا ہو کہ ایک وقت تمہیں یہ دن بھی دیکھنا ہے۔" ـــــ

اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ـــــ

وہ جواب دیتے ہیں "ہاں ضرور آئے تھے۔" لیکن ہم نے مانا نہیں تھا اس لیے اب عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو چکا ہے" ـــــ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ـــــ یہ پوزیشن گویا اس بات کا واضح اعتراف ہے کہ قصور ان کا اپنا ہے۔ اب انہیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ وہ مستحقِ سزا ہیں جو انہیں مل کر رہے گی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہے کہ وہ یہ سزا بھگتنے کے لیے اب تیار ہیں۔ چنانچہ حکم ہوتا ہے۔

قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ـــــ ـــــ

ـــــ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ متکبروں کے لیے بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔

جنت میں مؤمنین کا استقبال

اسی طرح جو لوگ دنیا میں اپنے رب سے ڈر کر اس

کی اطاعت کرتے رہے تھے انہیں جنت کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ جب وہ وہاں پہنچتے ہیں تو جنت کے دروازے ان کی آمد سے پہلے کھول دیئے جاتے ہیں اس کے منتظمین سلام و دعا سے ان کا استقبال کرتے ہیں ——— سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ——— تم پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو، تم بہت اچھے رہے، اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ یہ انعام پا کر اہلِ جنت کی زبان پر حمد و ثناء باری تعالیٰ جاری ہو جاتی ہے ——— وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ——— "شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ پس عمل کرنے والوں کے لیے خدا کی طرف سے بہترین اجر ہے"۔ ان کی زبان سے نکلنے والے کلماتِ حمد و ثناء سے فضا میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد جب منظر اختتام کو پہنچتا ہے تو جسم و روح پر ذات باری تعالےٰ کا رعب و جلال طاری ہو جاتا ہے جو منظر کی پوری فضا کے ساتھ گہری مناسبت رکھتا ہے۔ منظر کا اختتام بھی بہترین انداز میں ہوتا ہے۔ خادمانِ بارگاہ فرشتے امتثالِ امر کیلیئے وسنت لیئے عرشِ الٰہی کے گرد کھڑے اپنے رب کی تحمید و تسبیح میں مصروف ہیں۔ سب کے سامنے لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جاتا ہے۔

وَتَرَی الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ ——— بعدہ، ایک ایک متنفس پورے عدل و انصاف کے ساتھ اپنے اچھے یا بُرے ایک ایک عمل کا بدلہ پا لیتا ہے تو اظہارِ شکر و امتنان کی خاطر سب پکار اٹھتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جب سورت ختم ہو جاتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے سکرین کا پردہ نیچے سرک گیا ہے اور آنکھوں میں منظر کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے۔ تصور و خیال میں اس کے سین اپنی وسعت کے ساتھ پھیلے گزر رہے ہیں۔ منظر کا ایک ایک خدوخال اُجاگر ہو رہا ہے اور احساس اس کی پہنائیوں میں گم اس کی چاشنی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

روزِ محشر اور اعضاء کی شہادت

قیامت کے روز کس طرح انسانوں کے گروہ دربارِ الٰہی میں لے جائے جائیں گے

اور محاسبۂ اعمال کے وقت انسان کے تمام اعضاء و جوارح کس طرح اس کے خلاف شہادت دیں گے۔ درجِ ذیل آیات اس کی بہترین تصویر ہیں۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾ (حٰمٓ السجدہ ۱۹-۳۲)

اور ذرا اس دن کا خیال کرو جب اللہ کے یہ دشمن دوزخ کی طرف جانے کے لیے گھیر لائے جائیں گے۔ ان کے اگلوں کو پچھلوں کے آنے تک روک رکھا جائے گا۔ پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے "تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟" وہ جواب دیں گی "ہمیں اُسی خدا نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے۔ اسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اسی کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو۔ تم دنیا میں جرائم کرتے وقت جب چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ کبھی تمہارے اپنے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے جسم کی کھالیں تم پر گواہی دیں گی بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو بھی خبر نہیں ہے۔ تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا، تمہیں لے ڈوبا اور اسی کی بدولت تم خسارے میں پڑ گئے۔" اس حالت میں وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا ٹھکانا ہو گی اور اگر رجوع کا موقع چاہیں گے تو کوئی موقع انہیں نہ دیا جائے گا۔ ہم نے ان پر ایسے ساتھی مسلط کر دیے تھے جو انہیں آگے اور پیچھے ہر چیز خوش نما بنا کر دکھاتے تھے۔ آخر کار اُن پر بھی وہی فیصلۂ عذاب چسپاں ہو کر رہا جو ان سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر چسپاں ہو چکا تھا۔ یقیناً وہ خسارے میں رہ جانے والے تھے۔ یہ منکرینِ حق کہتے ہیں "اس قرآن کو ہرگز نہ

ے بہ لحاظ نزول یہ ۶۱ ویں سورت ہے۔

سنو اور جب یہ سنایا جائے اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔" ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزہ چکھا کر رہیں گے۔ اور جو بدترین حرکات یہ کرتے رہے ہیں ان کا پورا پورا بدلہ انہیں دیں گے وہ دوزخ ہے جو اللہ کے دشمنوں کو بدلے میں ملے گی۔ اُسی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا گھر ہوگا۔ یہ ہے سزا اس جرم کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔ وہاں یہ کافر کہیں گے کہ "اے ہمارے رب ذرا ہمیں دکھا دے ان جنوں اور انسانوں کو جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں گے تاکہ وہ خوب ذلیل و خوار ہوں۔" جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ "نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا۔ اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔"

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوٓا آذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ

(حٰم السجدہ ۴۷-۴۸)

پھر جس روز وہ ان لوگوں کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک؟ یہ کہیں گے "ہم عرض کر چکے ہیں۔ آج ہم میں سے کوئی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔" اس وقت وہ سارے معبود ان سے گم ہو جائیں گے جنہیں یہ اس سے پہلے پکارتے تھے۔ اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لیے اب کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

اعضاء و جوارح کی شہادت

محشر کا سماں ایسا ہے جیسے جانوروں اور مویشیوں کے گلّے جمع ہوں۔ دوزخ کی طرف لے جانے کے لیے پہلی نسلوں کو روک کر پچھلی نسلوں کے ساتھ اس طرح جمع کیا جا رہا ہے جیسے جانوروں کے ریوڑ روک روک کر اکٹھے کیے جاتے ہیں ــــ قبل ازیں اس طرح کا منظر گزر چکا ہے۔ میدانِ حشر میں جمع شدہ لوگوں پر پھٹکار اور ان کی تحقیر و تذلیل کا وہ سب سامان اس منظر میں بھی موجود ہے جو اس سے پہلے منظر میں موجود تھا ــــ بہرحال اگلے پچھلے انسانوں کے یہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ جب دوزخ کے قریب پہنچتے ہیں جو اُن جیسے مجرموں کی گھات میں لگی رہتی ہے تو ان کے کان، اُن کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ وہ دنیا میں کیا کیا کرتوت کرتے رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر منظر میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور منظر بڑا تعجب انگیز اور چونکا دینے والا بن جاتا ہے۔ لیجئے یہ ان کے اعضاء، جوارح، یہ ان کے جسم کی کھالیں، سب کے سب اُن کے دشمن بن گئے ہیں یا اُن کے خلاف گواہ بن گئے ہیں۔

اس کی اُنہیں قطعاً کوئی توقع نہ تھی۔ حتیٰ کہ ان میں سے کسی کو اس عظیم پیشی کا یہ منظر دیکھنے کی بھی توقع نہ تھی۔ اس خلافِ توقع صورت حال کو دیکھ کر اپنی کھالوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں "تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟" ـــ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ـــ شاید انہوں نے اپنی کھالوں کو خاص طور پر اس لیے مخاطب کیا ہو کہ وہ ہر وقت ان کے جسم کے ساتھ چپکی رہتی ہیں اس لیے اس رفاقت کا انہیں کچھ تو لحاظ ہو گا یا شاید اس لیے کہ ان جیسی نہ ان کی آنکھیں ہیں نہ کان۔ پھر وہ کیسے ان کے قول و فعل کا مشاہدہ کرتی رہی تھیں کہ اب شہادت دینے لگی ہیں۔ دیکھئے وہ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ان کے خلاف اس طرح شہادت دے رہی ہیں جیسے کوئی اَن جان کسی اَن جان کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ آج وہ بڑے اَن جان پنے کے ساتھ جواب دیتی ہیں" ہمیں اس خدا نے گویائی بخشی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطا کی ہے ـــ" ـــ أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ـــ پھر یہ کھالیں طنزیہ انداز میں با آواز بلند کہتی ہیں۔" اور اسی خدا نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے ـــ هُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ ۔ یہ بڑا عجیب منظر ہے۔ اس عجیب و غریب گفتگو میں زندگی کی دھڑکن محسوس ہو رہی ہے۔

جب ان کے آپس میں اور اُن کی اُن کھالوں کے درمیان باہمی گفتگو ختم ہوتی ہے جو اگرچہ ان کے جسموں کے ساتھ لپٹی ہوئی ہیں لیکن موقف کے لحاظ سے ان سے دور ہٹ گئی ہیں تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ کا کوڑا برستا ہے" ـــ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ ـــ " دنیا میں جب چھپ چھپ کر تم گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے تو تمہیں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ تمہارے اپنے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے جسم کی کھالیں بھی تمہاری ٹوہ میں لگی ہوئی ہیں اور کبھی یہ تم پر گواہی دیں گی یہاں تک کہ تم ان سے ڈر کر گناہوں سے اجتناب کرتے۔ لیکن نہ تمہیں ایسا کرنے کی استطاعت تھی نہ ایسا ہونے کی توقع۔ بلکہ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو بھی خبر نہیں ہے تم جو کرتوت کرتے رہے چھپ کر کرتے رہے۔ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر تم اپنا غم غلط کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ اس طرح لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر تم محفوظ ہو گئے ہو یہاں تک کہ اچانک چار و ناچار اپنی آنکھوں میں سے، اپنے کانوں میں سے اور اپنی کھالوں میں سے خود بنفس نفیس اپنے اصلی روپ میں پھوٹ پڑے۔ تمہارے ان اعضا نے تمہارا کچا چٹھا تمہاری مرضی کے

علی الرغم تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ اللہ اور اس کے اُس علم کے بارے میں جو اسے تمہارے اعمال کی بابت حاصل ہے تم نے بہت غلط اندازہ کر رکھا تھا۔ تمہارے اس غلط اندازے ہی میں تمہاری بربادی اور تمہارے خسارے کا راز مضمر ہے۔ چنانچہ تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تمہیں لے ڈوبا اور اسی کی بدولت آج تم خسارے میں پڑ گئے ہو ——— وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝

ڈانٹ ڈپٹ کا یہ انداز یہاں ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے

اٹل فیصلۂ آخرت اور جوشِ انتقام

کلامِ الٰہی ہمیں ان لوگوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، جن کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ——— "اگر وہ صبر بھی کریں جب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔" بالفاظِ دیگر ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے خواہ وہ صبر کریں یا نہ کریں۔ اسی طرح اگر وہ اپنے گذشتہ گناہوں پر توبہ کر کے اپنی اس حالت سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کے لیے رجوع کا بھی کوئی موقعہ نہیں۔ وہ جو کچھ مانگ رہے ہیں اس کا کوئی جواب نہیں لہٰذا وہ دونوں حالتوں میں قعرِ جہنم ہی میں پڑے رہیں گے

اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس منظر پر عین اسی موجودہ صورتِ حال میں ان لوگوں کا قصہ ختم ہونے والا ہے تاکہ سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ جہنم میں یہ کیونکر پہنچے۔ سیاقِ کلام سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں ان پر بُرے ساتھی مسلط کر دیے گئے تھے جو خواہشاتِ نفسانی کو ان کے سامنے خوش نما انداز میں پیش کیا کرتے تھے۔ اُن کے بھرّے میں آ کر انہوں نے زندگی فسق و فجور میں گزاری۔ ان کے دل میں کبھی یہ کھٹکا نہ لگا کہ آخر ایک روز مر کر انہوں نے منعمِ حقیقی کے حضور حاضر ہونا اور اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ اس لیے وہ اس بات کے مستحق ٹھہرے کہ انہیں گناہگاروں کے زمرے میں شامل کیا جائے۔ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ۝

پھر سیاقِ کلام کفار کا وہ قصہ بیان کرتا ہے جس میں وہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے اور جب وہ سنایا جائے تو غل غپاڑہ کر کے سامعین کو اس سے بے توجہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ——— لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ ——— "اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ) ——— یہ حرکت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کے ساتھ بغض و عداوت میں کہاں تک آگے

جا چکے ہیں۔ ان کی اس شدت پر انہیں ایسے شدید عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے جو ان کی راہ تک رہا ہے۔ (قریب کے ایک منظر میں اس کا ذکر گزر چکا ہے) سیاقِ کلام منظر کی ایسی عکاسی کرتا ہے جیسے عذاب ہمارے سامنے ہے۔ یہ ان منکرینِ حق کا منظر ہے جن کے سامنے جنوں اور انسانوں میں سے ان کے دوست گمراہی کا راستہ خوش نما بنا کر رکھتے تھے۔ آج ان کی حالت یہ ہے کہ اپنے محبوب ترین ساتھیوں کے خلاف سخت غیظ و غضب میں برہم ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا موقع نکل آئے جس میں وہ انہیں پاؤں تلے روند کر انتقام لے سکیں ——— وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ———

الفاظِ قرآن ہمارے سامنے ان لوگوں کی تصویر کھینچتے ہیں جو اس بُرے انجام تک پہنچانے والے ساتھیوں کے خلاف جوشِ انتقام میں باچھیں کھولے دانت پیس رہے ہیں!

اسی مناسبت سے سیاقِ کلام اہلِ ایمان اور فرشتوں میں سے ان کے ساتھیوں کی تصویر بھی ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ ان کے دوست فرشتے ہیں جو اُن کی پسندیدہ نعمتیں لے کر ان پر نازل ہوتے ہیں۔ انہیں ہر طرح سے مطمئن کرتے اور اچھے انجام کی، خصوصاً جنت کی، بشارت دیتے ہیں جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا۔ ہاں! اس جنت کی بشارت جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا۔" سو ہم اس وقت آخرت میں ان کے اچھے انجام کا نظارہ لے رہے ہیں اور وہ دنیا جس میں ان سے وعدہ کیا گیا تھا زمانہ ہُوا "گزر چکی" ہے۔ لیجئے یہ جنت ہے اس میں ان کی دل پسند ہر چیز موجود ہے۔ انہیں کھلی اجازت ہے جو چاہے مانگ لیں اور جو کچھ بھی وہ مانگیں اس کے وہ مستحق ہیں۔

سورت کے آخر میں ایسا منظر آتا ہے جس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں ———

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي ——— پھر جس روز وہ ان لوگوں کو پکارے گا "کہاں ہیں میرے وہ شریک؟" ——— "اس موقعہ پر جو چیز پیش کی گئی ہے وہ ان کا یہ جواب ہے ———

قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ——— بارِ الہا! حقیقتِ حال کا علم تو آپ ہی کو ہے ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ ہم تو کئی بار آپ کے حضور یہ عرض کر چکے ہیں کہ اب ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی یہ شہادت دینے والا نہیں ہے کہ خدائی میں کوئی دوسرا بھی آپ کا شریک ہے ———

مایوسی کے عالم میں انہوں نے ہر طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیا ہے۔ آج خدا کے عذاب سے چھڑانے والا یا اس میں کمی کرانے والا کوئی نہیں ہے۔ نہ آج کوئی مددگار ہے۔ جو صورتِ حال آج انہیں درپیش

ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آج اُن کے لیے کوئی راہِ فرار نہیں ہے ۔۔۔
وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ

اصل خسارہ: آخرت کی رُوسیاہی

قیامت کے روز جب ظالم لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے مارے ذلت کے سر نہ اٹھائیں گے۔ اس روز انہیں معلوم ہو گا کہ اصل خسارے میں وہی ہیں۔

۱۔ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ

(الشوریٰ[1] ۲۲)

تم دیکھو گے کہ یہ ظالم اس وقت اپنے کئے کے انجام سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر آ کر رہیگا بخلاف اس کے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ جنت کے گلستانوں میں ہوں گے۔ جو کچھ بھی وہ چاہیں گے اپنے رب کے ہاں پائیں گے۔ یہی بڑا فضل ہے۔

۲۔ ـــــــ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۚ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ

(الشوریٰ ۴۴-۴۷)

تم دیکھو گے کہ یہ ظالم جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ اور تم دیکھو گے کہ یہ جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اس کو نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔ اس وقت وہ لوگ جو ایمان لائے تھے کہیں گے کہ واقعی اصل زیاں کار وہی ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا۔ خبردار رہو ظالم لوگ مستقل عذاب میں ہوں گے اور ان کے کوئی حامی و سرپرست نہ ہونگے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کو آئیں۔ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کے لیے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔ مان لو اپنے رب کی بات قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہو گی اور نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے کی کوشش کرنے والا ہو گا۔

---

[1] نزول کے لحاظ سے ۶۲ ویں سورت ہے۔

دونوں منظر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں البتہ دوسرا زیادہ نمایاں اور واضح ہے اس میں تفصیلات بھی زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود دونوں میں بعض پہلو ایک دوسرے سے مختلف ہیں جس کی وجہ سے تکرار کا گمان نہیں ہوتا پہلے منظر میں ظالم لوگ اپنے دنیا میں کئے ہوئے مظالم اور بُرے اعمال سے خوف زدہ ہیں۔ آج ان کے ساتھ وہی کچھ ہونے والا ہے جو کچھ وہ دنیا میں کرتے رہے تھے — وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ — آج جو جزا انہیں ملنے والی ہے وہ ان کے اِن اعمال ہی کا نتیجہ ہے اور اسی نوعیت کی ہے جس نوعیت کے ان کے یہ اعمال تھے۔ دوسری طرف اہلِ ایمان جو دنیا میں نیک عمل کرتے رہے تھے آج جنت کے باغوں میں مزے لے رہے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کی تمام آرزوئیں پوری کی جا رہی ہیں۔

دوسرے منظر میں ظالم لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آتشِ دوزخ کے سامنے لائے جا رہے ہیں۔ درآں حالیکہ ان کے سر جھکے ہوئے ہیں۔ حیا اور تقوٰے کی وجہ سے نہیں بلکہ ذلت اور رسوائی کی وجہ سے۔ ہاں! دوزخ کے سامنے! نگاہیں نیچی کئے ہوئے ہیں۔ بدنامی اور رسوائی کے مارے آنکھیں اوپر نہیں اٹھا رہے۔ دیکھ رہے ہیں لیکن کن انکھیوں سے۔ گویا ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی کی مجسم تصویر ہیں۔ اس ذلت و رسوائی کی حالت میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں — هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ؟ — "کیا یہاں سے واپسی کی بھی کوئی صورت ہے؟" — نہیں کوئی نہیں!۔

آج کے دن اہلِ ایمان کی حیثیت قائدانہ ہے۔ وہ بڑے پر اعتماد انداز میں کہہ رہے ہیں۔ — إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ — اصل زیاں کار وہی ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو خسارے میں ڈال دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں آگ کے سامنے لایا جا رہا ہے اور وہ مارے ذلّت کے جھکے جا رہے ہیں۔ دوزخ کے سامنے لائے جانے والوں کے بُرے انجام کی صراحت کے لیے کھلے بندوں اعلانِ عام ہوتا ہے۔ — أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ — اچھی طرح سُن لو! ظالم لوگ مستقل عذاب میں ہوں گے جہاں اللہ کے مقابلے میں ان کا کوئی ساتھی نہیں ہو گا جو اُن کی مدد کو آئے —

وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ

اس موقعہ پر ظالم لوگوں کے اس منظر کو جس میں وہ مارے ذلت کے سر جھکائے جا رہے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ واقعی نہ اُن کا کوئی سرپرست ہے نہ مددگار۔ ان کی بڑائی کا بُت پاش پاش ہو چکا ہے اور ان کی سرکشی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ اس کے بعد سیاقِ کلام ہمیں دنیا کی طرف لے جاتا ہے اور سب لوگوں کو اس ہولناک منظر سے ڈراتا ہے ——

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ ——

مان لو اپنے رب کی بات قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ جو تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ —— اور نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے والا ہوگا۔ نہ کوئی اس چیز سے انکار کرنے والا ہوگا جو تمہارے اس خوفناک صورتِ حال میں مبتلا ہونے کی موجب بنی۔ نہ کوئی اُس ہولناک صورتِ حال سے تمہیں نکالنے والا ہوگا۔

دُنیا میں دوست، آخرت میں دُشمن

آخرت میں ذکرِ رحمٰن سے غفلت کا انجام اور دنیا کی دوستیوں کا حشر کیا ہوگا اور داروغۂ جہنم سے کس طرح رحم کی اپیل کی جائے گی مندرجہ ذیل آیات میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱ —— وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ (الزخرف[1] ۳۶-۳۹)

جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔ یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ آخر کار جب یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے گا۔ تو اپنے شیطان سے کہے گا "کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہوتا تو تو بدترین ساتھی نکلا۔" اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم ظلم کر چکے تو آج یہ بات تمہارے لیے کچھ بھی نافع نہیں ہے کہ تم اور تمہارے شیاطین عذاب میں مشترک ہیں۔

۲ —— هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

کیا یہ لوگ اب بس اسی چیز کے منتظر ہیں کہ اچانک

[1] نزول کے لحاظ سے ۶۳ ویں سورت ہے۔

اَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّاءُ
يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ
لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِينَ
اٰمَنُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ
ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ
الَّتِي اُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا
فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي
عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ
مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا هُمُ الظّٰلِمِينَ ﴿٧٦﴾
وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ
مّٰكِثُونَ ﴿٧٧﴾

(الزخرف ۶۶-۷۷)

ان پر قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ وہ دن
جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست
ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس روز
ان لوگوں سے جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے
اور مطیع فرمان بن کر رہے تھے کہا جائے گا کہ
"اے میرے بندو! آج تمہارے لیے کوئی خوف
نہیں اور نہ تمہیں کوئی غم لاحق ہو گا۔ داخل ہو جاؤ
جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہیں خوش کر دیا
جائے گا۔" ان کے آگے سونے کے تھال اور
ساغر گردش کرائے جائیں گے اور ہر من بھاتی اور نگاہوں
کو لذت دینے والی چیز وہاں موجود ہو گی۔ ان
سے کہا جائے گا: "تم اب یہاں ہمیشہ رہو گے۔ تم
اس جنت کے وارث اپنے ان اعمال کی وجہ
سے ہوئے ہو جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ تمہارے لیے یہاں بکثرت فواکہ موجود ہیں جنہیں تم کھاؤ گے۔"
رہے مجرمین تو وہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ کبھی ان کے عذاب میں کمی نہ ہو گی اور وہ
اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے
وہ پکاریں گے: "اے مالک، تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تو اچھا ہے۔" وہ جواب دے گا "تم
یوں ہی پڑے رہو گے۔"

ذکرِ رحمان سے چشم پوشی

۱- پہلا منظر دنیا سے لے کر آخرت تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا آغاز دنیوی زندگی کے واقعات سے ہوتا ہے اور اختتام آخرت کے انجام پر۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے سامنے کھڑے ہیں جنہوں نے ذکرِ رحمٰن سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ انہوں نے بھولے سے بھی کبھی خدا کو یاد نہیں کیا نہ کبھی انہوں نے یہ یقین کیا ہے کہ ان کے عملوں کا حساب ہونا ہے۔ ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کے اوپر ایک شیطان مسلط کر دیا گیا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور گمراہی میں اس کی راہنمائی کرتا رہتا ہے۔ شیطان اسے ہدایت سے روکے رکھتا ہے اور یہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ تصور کرتا ہے وہ اسے غلط راہ پر ڈالتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ صحیح راہ پر ہوں۔ ——— وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿﴾ ——— اسی حال میں اس کے شب و روز بیت جاتے اور داستانِ حیات ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ قیامت

کے روز دربارِ الٰہی میں جا حاضر ہوتا ہے — حَتّٰی اِذَا جَآءَنَا — قیامت کے روز اپنا برا حشر دیکھ کر وہ سٹ پٹا جاتا ہے اور حسرت بھرے الفاظ میں اپنے شیطان ساتھی سے کہتا ہے — قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ — " کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہوتا" ارے دوست! تو نے تو مجھے گمراہی کا سبق دیا۔ تو تو بدترین ساتھی نکلا۔ تو نے مجھے غلط راہ پر ڈال کر گمراہ کر دیا۔ جب دنیا میں یہ صورت رہی تو آخرت میں بھی کچھ ہونا ہے جبکہ ہم اچانک ایسے منظر کے سامنے کھڑے ہیں جو قرآن کے اندازِ بیان کے مطابق مستقبل کا معاملہ نہیں بلکہ بالفعل حاضر و موجود قصہ ہے۔ اچانک ایک ندا ایک ساتھی کو دوسرے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ آج کسی قسم کی ذہانت تمہارے کسی کام نہیں آئے گی نہ تمہارے لیے اس بات میں ہی کچھ نفع ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی اس عذاب میں برابر کے شریک ہو نہ اس عذاب میں کوئی کمی ہی ہونے والی ہے۔

کل کے دوست آج کے دشمن

۲۔ دوسرے منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی دفعۃً عالمِ ظہور میں آجاتی ہے۔ اچانک واقع ہونے والے اس حادثۂ عظیم سے ایک عجیب قسم کی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اس روز گہرے دوست بھی مدتوں ایک دوسرے کے پکے اور سچے دوست رہنے کے بعد آپس میں دشمن بن جاتے ہیں۔ ان کی دشمنی ان کی محبت کے چشمۂ صافی کے اندر سے پھوٹ نکلتی ہے۔ کل تک وہ سب برائی پر مجتمع تھے اور ان میں سے بعض دوسروں کو گمراہی کے راستے پر ڈالتے رہے تھے۔ آج یہ سب ایک دوسرے کو ملامت کر رہے ہیں اور گمراہی کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال رہے ہیں۔ کل وہ کھرے کھرے دوست تھے لیکن آج وہ کھلے کھلے دشمن ہیں اس سے مستثنیٰ صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے زندگی خدا سے ڈر کر گزاری ان کی محبت کو بقائے دوام حاصل ہے کیونکہ وہ ہدایت پر جمع ہوتے تھے اور خیر و صلاح کی طرف ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ان میں نفرت و کدورت کی کوئی گنجائش نہیں۔

ادھر ہم دنیا میں بنے ہوئے دوستوں کو یہاں آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے دیکھتے ہیں۔ اُدھر ہمارے حسّاس کانوں میں ایسی آواز سنائی دیتی ہے جس سے اس عزت و تکریم کا اندازہ ہوتا ہے جس سے پرہیزگار سرفراز ہو رہے ہیں۔ ارشادِ باری فضا میں گونج رہا ہے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ

اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ۝ ——————— اے میرے بندو! جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور جنہوں نے فرماں برداری اختیار کی، آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی غم لاحق ہوگا۔ داخل ہو جاؤ جنت میں۔ تم اور تمہاری بیویاں، تمہیں خوش کر دیا جائے گا یعنی یہاں تمہاری دلی آرزوئیں بر آئیں گی اور تمہارے چہروں پر خوشی کے آثار ہویدا ہوں گے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یکایک ان کے آگے سونے کی تھال اور ساغر پیش کیے جا رہے ہیں۔ اور جنت میں اُن کے سامنے دل پسند اور نگاہوں کو سرور بخشنے والی ہر چیز موجود ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر انہیں جنت کے ان سدا بہار نعمت بھرے باغوں میں ہمیشگی کی زندگی نصیب ہے پھر اس حیاتِ ابدی سے بھی بڑھ کر یہاں انہیں جو عزت و وقار حاصل ہے اس کی بات ہی کیا ہے یعنی ایک سے بڑھ کر ایک نعمت انہیں حاصل ہے۔ یہ پُر بہار و پُر عیش جنت انہیں ان کے عملوں کی قدر افزائی میں دی گئی ہے اس کے بعد تاکیدی انداز میں مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے —— لَکُمۡ فِیۡهَا فَاکِهَةٌ کَثِیۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ۝ —— اس میں تمہارے لیے بکثرت پھل اور میوے موجود ہیں جو تمہارے کھانے کے لیے ہیں۔

رحم کی اپیل — ایک آرزو

اب ہمارے کانوں میں ایک زوردار چیخ کی آواز پڑتی ہے جو بظاہر دُور جہنم کے بند دروازوں کے پیچھے سے آتی معلوم ہوتی ہے۔ لیجیئے وہ جہنم کے داروغہ سے کہہ رہے ہیں "اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ہمارے حال پر رحم کرے۔" رحم کی یہ التجا اس عذاب سے نجات پانے کے لیے نہیں جس سے وہ مایوس ہو چکے ہیں۔ نہ اس عذاب میں کسی قسم کی تخفیف کے لیے ہے جس میں وہ بُری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ التجا انہیں فوراً ہلاک کر دینے کی ہے تاکہ وہ اس عذاب سے خلاصی پا جائیں ——— یٰمٰلِکُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّکَ —— اے داروغہ! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تو زیادہ اچھا ہے۔ موت یہاں بہت بڑی تمنا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ شاید آرزوؤں کا ماحصل موت ہی میں پوشیدہ ہے۔ موت آ جائے گی تو سب آرزوئیں پوری ہو جائیں گی۔ یہ پکار درحقیقت پریشان حال لوگوں کی طرف سے پریشانی اور گھٹن کی حالت میں اُن پر سایۂ رحمت ڈالنے کی التجا ہے کیونکہ ہم فریادی لوگوں کی آہ و فغاں کے پیچھے جھانکتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دردناک عذاب نے کچھ لوگوں کی عقل ہی مار لی ہے۔ بیچاروں کی جسمانی تکلیف حدِ برداشت سے بڑھ گئی ہے اور بے ساختہ ان کی زبان سے چیخ و پکار نکل رہی ہے —— یٰمٰلِکُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّکَ ——

لیکن دوسری طرف سے جو جواب آتا ہے وہ بغیر کسی رو رعایت اور بغیر کسی تخصیص کے ان کے لیے یاس و قنوطیت اور تباہی و بربادی کا پیغام لاتا ہے — اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ — تمہیں یہیں ٹھہرنا ہے۔ یہاں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں، نہ اس کی امید ہی رکھو۔ تمہارا کام تمام نہیں ہوگا تمہیں بہرحال اسی عذاب میں ٹھہرنا ہے اور اپنے عملوں کا حساب چکانا ہے۔

مجرمین و متّقین کا موازنہ

مندرجہ ذیل آیات میں مجرمین و متقین کی اُخروی زندگی کا موازنہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ کتنی جامع تصویر ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

(الدخان[1] ۴۰ - ۵۷)

ان سب کے اٹھائے جانے کے لیے طے شدہ وقت فیصلے کا دن ہے وہ دن جب کوئی عزیز قریب اپنے کسی عزیز قریب کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کہیں سے انہیں کوئی مدد پہنچے گی سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے، وہ زبردست اور رحیم ہے۔ زقوم کا درخت گناہ گار کا کھاجا ہوگا، تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ "پکڑو اسے اور رگیدتے ہوئے لے جاؤ اس کو جہنم کے بیچوں بیچ اور انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب۔ چکھ اس کا مزا، بڑا زبردست عزت دار آدمی ہے تو۔ یہ وہی چیز ہے جس کے آنے میں تم لوگ شک رکھتے تھے۔ خدا ترس لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں، حریر و دیبا کے لباس پہنے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے یہ ہوگی ان کی شان۔ اور ہم گوری گوری آہو چشم عورتیں اُن سے بیاہ دیں گے۔ وہاں وہ اطمینان سے ہر طرح کی لذیذ چیزیں طلب کریں گے۔ وہاں موت کا مزہ وہ کبھی نہ چکھیں گے۔ بس دنیا میں جو موت آچکی

---

[1] نزول کے لحاظ سے سورت کا نمبر ۶۴ واں ہے۔

سو آچکی۔ اور اللہ اپنے فضل سے ان کو جہنم کے عذاب سے بچا دے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

کھانے کے لیے کڑوا کسیلا پھل اس وقت ایک ایسا منظر ہمارے سامنے ہے جو پرانا بھی ہے، نیا بھی۔ اس کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے اور کچھ حصہ بالکل نیا ہے۔ آج کوئی قریبی دوست کسی قریبی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئیگا انہیں آج نہ یہاں سے چھٹکارا نصیب ہے نہ مدد۔ اس سے پہلے تو ہم یہی جانتے ہیں کہ زقوم کا درخت گناہ گاروں کا کھاجا ہے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ زقوم ہے کیا بلا؟ نہ یہی معلوم تھا کہ پیٹ میں اس کا اثر کیا ہے۔ البتہ لفظ زقوم اور اس کی درشت آواز سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی شاخیں ایسی ہیں جیسے شیطان کے سر جو حلق اور پیٹ میں کانٹوں کی طرح چبھتی ہیں۔ پہلے منظر میں ہمیں معلوم ہوا تھا کہ وہ زقوم کا پھل کھانے کے بعد اوپر سے تیز گرم پانی اس طرح غٹا غٹ پئیں گے جیسے وہ اونٹ پیتا ہے جسے استسقاء کی بیماری لگی ہو کہ پانی پیتا چلا جاتا ہے نہ اس کا پیٹ بھرتا ہے نہ اسے سیری حاصل ہوتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مجرمین و گناہ گار یہی زقوم کا پھل کھا رہے ہیں۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ اس کا رس تیل کی تلچھٹ کی مانند ہے جو پیٹوں میں ایسے کھولتا ہے جیسے اُبلتا ہوا پانی ہو۔ آج ہم مجرموں کو میدانِ حشر میں کھڑا دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ حکمِ ربانی جو سرکشوں تک نہیں پہنچ پایا، ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے — خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ — پکڑو اسے، اور لے جاؤ اسے گھسیٹ کر دوزخ کے بیچوں بیچ۔ اسے سخت بے دردی اور مضبوطی کے ساتھ باندھ دو۔ پھر اس کے سر پر یہ کھولتا ہوا پانی انڈیل دو جس سے پہرے جھلسے جا رہے ہیں — یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو جاتا ہے — یہیں کھڑے کھڑے اس عذاب کے ساتھ ہمارے کانوں میں طنز آمیز جھڑکی کی آواز بھی پڑتی ہے — ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ — ذرا اس کا مزہ چکھ! تو تو بڑا عزت اور دبدبے والا آدمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس عزت والے دبدبے والے آدمی کا بدلہ ہے جو خدا کے رسولوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہت بڑا اور بلند تر سمجھتا تھا۔ اس کی عزتِ نفس کو ٹھوکر لگاتے ہوئے اس ماجرے کی توثیق کی جاتی ہے — اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ — بلاشک یہ وہی چیز ہے جس کے آنے میں تم لوگ شک رکھتے تھے۔

ریشمی لباس اور حسین بیویاں دریں اثنا جبکہ ایک طرف پکڑ دھکڑ، ڈانٹ ڈپٹ اور سزا

عذاب کا چکر چلتا ہے۔ ہم اپنی نگاہیں دوسری طرف دوزخ اٹھاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خدا سے ڈر کر رہنے والے لوگ پُرامن مقام میں فروکش ہیں۔ جہاں نہ کوئی پکڑ دھکڑ ہے نہ کوئی کھینچا تانی ہے۔ باریک و دبیز ریشم کے لباس زیبِ تن کیے ایک دوسرے کے سامنے پلنگوں پر گاؤ تکیے لگائے بیٹھے ہیں اور قسم قسم کی نعمتوں میں مزے لوٹ رہے ہیں۔ یہاں وہ اس شان کے ساتھ رہ رہے ہیں جیسے اپنے گھروں میں رہ رہے ہوں کیونکہ نہایت حسین آہو چشم عورتوں کے ساتھ ان کی شادیاں کردی گئی ہیں۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ ہر طرح کے لذیذ میوے طلب کر رہے ہیں۔ یہاں اُن کا قیام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہاں وہ موت کا مزہ کبھی نہ چکھیں گے۔ بس موت جو آنی تھی سو وہ دنیا میں آچکی ہے۔ خدا نے انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ عذاب سے بچ جانا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہ پروردگارِ عالم کا اُن پر فضلِ خاص ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝

(غاشیہ[1] ۱-۱۶)

کیا تمہیں اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے؟ کچھ چہرے اس روز خوف زدہ ہوں گے، سخت مشقت کر رہے ہوں گے، تھکے جاتے ہوں گے شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے، کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس کے سوا کوئی کھانا ان کے لیے نہ ہوگا، جو نہ موٹا کرے نہ بھوک مٹائے۔ کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش ہوں گے، عالی مقام جنت میں ہوں گے، کوئی بیہودہ بات وہاں نہ سنیں گے، اس میں چشمے رواں ہوں گے، اس کے اندر اونچی مسندیں ہوں گی، ساغر رکھے ہوئے ہوں گے، گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی اور نفیس فرش بچھے ہوئے ہوں گے۔

پژمُردہ چہرے

"الغاشیہ" کے معنی چھا جانے والی اور مراد قیامت ہے کیونکہ وہ لوگوں

---

[1] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے اِس سورت کا نمبر ۶۸ ہے لیکن مضمون کی مناسبت سے ہم نے ترجمہ کرتے وقت اسے سابقہ سورۃ الدخان کے ساتھ لے لیا ہے۔

پر اس طرح چھا جاتی ہے جس طرح مصیبت۔ اس کے بارے میں جو سوال کیا گیا ہے اس سے قیامت کے بارے میں یاد دہانی کرانا اور اس سے ڈرانا مقصود ہے۔ چنانچہ اس کا جواب خود رب کریم ہی کی طرف سے دیا گیا ہے اور اس میں ایسا منظر پیش کیا گیا ہے جس کے دو رُخ ہیں

ایک طرف کچھ ایسے چہرے دکھائی دے رہے ہیں جن پر سخت اذیت کی وجہ سے تکان نحوست اور ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہے۔ یہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جا رہے ہیں۔ اُوپر سے انہیں ایک سخت کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جا رہا ہے۔ جس سے نہ دل میں ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے، نہ پیاس بُجھ رہی ہے۔ پھر ایسی کانٹے دار جھاڑی کھانے کو دی جا رہی ہے کہ جب سبز ہوتی ہے تو اونٹ اسے کھا جاتا ہے لیکن جب سوکھ جاتی ہے تو اونٹ بھی اسے نہیں نگلتا۔ یہ ایسی غذا ہے جو نہ فربہی لاتی ہے نہ بھوک ہی کو روکتی ہے۔ یہ لوگ کئی طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ذلت و رسوائی کا عذاب ان کی روح کے لیے ہے تکان اور آگ کا عذاب ان کے جسم کے لیے ہے۔ اس پر مستزاد بھوک اور پیاس کا عذاب ہے۔ پھر اس پر مزید کھانے پینے کا عذاب ہے جو بھوک اور پیاس کے عذاب سے بھی زیادہ سخت ہے۔

ہشاش بشاش چہرے

دوسری جانب ہر پہلو میں اس کا تقابل موجود ہے۔ کچھ چہرے ایسے نظر آ رہے ہیں جو بڑے عیش میں ہیں۔ دنیا میں جو کوشش انہوں نے نیک اعمال کے لیے کی اس کا صلہ پا کر بڑے خوش ہیں۔ عالی شان باغ میں ہیں، جس میں ہر طرف امن و سکون ہے، جہاں کوئی بے ہودہ بات ان کے سننے میں نہیں آتی، جہاں میٹھے لذیذ پانی کا چشمہ جاری ہے۔ بلند تختوں پر بڑی راحت میں بیٹھے ہیں۔ ان کے پاس شراب طہور سے لبریز آبخورے رکھے ہیں۔ مخملین فرش بچھے ہیں اور وہ ان پر قرینے سے قطاروں میں گاؤ تکیے لگائے عیش لُوٹ رہے ہیں۔

یہ ساری نعمتیں قیامت کے روز ملنے والی ہیں جس روز کی سختی اور ہیبت سب پر چھا جانے والی ہے۔ اس لیے ان نعمتوں کی قیمت بھی بڑی بھاری ہے جو یہ خوش بخت لوگ دنیا میں ادا کر چکے ہیں۔ منظر کی جملہ جزئیات میں یہ ہمہ پہلو تقابل قیامت کے مناظر پیش کرنے میں الفاظ کلام اور واقعات منظر کی باہمی ہم آہنگی اور موزونیت کا ایک نمونہ ہے۔ اور قرآن مجید میں اس طرح کے اندازِ بیان کے کئی نمونے ملتے ہیں۔

نہ مجالِ تکرار، نہ گنجائشِ انکار

قیامت کے روز جب کفار اپنے اعمال کا بدلہ پالیں گے اور دوزخ جس کی دنیا میں وہ تکذیب کیا کرتے تھے امرِ واقعہ کی صورت میں ان کے سامنے ہوگی۔ اس وقت نہ اُن کے لیے لڑنے جھگڑنے کی ہمت ہوگی اور نہ وہ اس امرِ واقعہ سے انکار کرسکیں گے۔ یہ منظر ملاحظہ ہو۔

۱۔ —— وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝

(سورۃ احقاف[1] ۲۰)

پھر جب یہ کافر آگ کے سامنے لا کھڑے کیے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا "تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کرچکے اور ان کا لطف تم نے اٹھا لیا۔ اب جو تکبّر تم زمین میں کسی حق کے بغیر کرتے رہے اور جو نافرمانیاں تم نے کیں ان کی پاداش میں آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

۲۔ —— وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

(الاحقاف ۳۴)

جس روز یہ کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے اس وقت ان سے پوچھا جائے گا "کیا یہ حق نہیں ہے؟" یہ کہیں گے "ہاں، ہمارے رب کی قسم (یہ واقعی حق ہے)۔" اللہ فرمائیگا "اچھا تو اب عذاب کا مزہ چکھو اپنے اس انکار کی پاداش میں جو تم کرتے رہے تھے۔"

دونوں مناظر میں کافروں کو دوزخ کے سامنے لاتے دکھایا گیا ہے۔ جب وہ دوزخ کے سامنے پہنچتے ہیں ان سے سوال کیا جاتا ہے۔ جس میں استفہام کا انداز سرزنش اور اقرار کا ہے۔ پہلے منظر میں آمنا سامنا ہوتے ہی دُنیوی زندگی عیش سے گزارنے کا اعتراف و اقرار ہوتا ہے۔ —— اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ —— تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کرچکے اور ان کا لطف تم نے اٹھا لیا۔ یعنی مخاطبین نے دنیا کے تمام عیش لوٹ لیے ہیں اور اب آخرت میں ان کے لیے کچھ باقی نہیں ہے اس لیے کہ دنیا کا بے حد و حساب مال و دولت انھوں نے اپنے لیے مباح کیے رکھا اور دنیا کی نعمتوں سے بے حد لذت اندوز ہوئے۔ ان کے لیے آج یہاں کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ آج اُن کے لیے دنیا کے غرور و نافرمانی کے مقابلے میں یہاں ذلت و خواری ہے۔

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے سورت کا نمبر ۶۶ واں ہے۔

دوسرے منظر میں ان کی گفتگو قرار گاہِ حیات پر جا ختم ہوتی ہے۔ پوچھ ہوتی ہے کیا یہ آگ جسے تم خود دیکھ رہے ہو حق نہیں ہے؟ — اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؟ — جواب میں ندامت وشرمساری اور اعتراف واقرار ہے — بَلٰى وَرَبِّنَا — ہاں! ہمارے رب، واقعی یہ حق ہے — ہیں! آج تم بھی قسمیں اٹھا کر اقرار کر رہے ہو؟ لیکن آج تو ایمان لانے کی نہ حاجت ہے نہ گنجائش! — فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ — اچھا تو اب اس انکار کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔

اس طرح بات تیزی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور قرار گاہِ حیات آموجود ہوتی ہے یوں کہیئے کہ واقعہ ثابت ہے۔ مجرم اقراری ہے اور اس کا آخری ٹھکانا جہنم ہے۔ منظر میں واقعات کی یہ تیزی بجائے خود مقصود کلام ہے بات رُو در رُو اور فیصلہ کُن انداز میں ہے۔ بیچاروں کا حال یہ ہے کہ نہ سزا پانے کی طاقت ہے نہ رد کر دینے کی ہمت۔ دنیا میں وہ دوزخ کے وجود کا انکار کیا کرتے تھے۔ اب اسے امرِ واقعہ کی شکل میں موجود پا کر ان کے لیئے مجالِ انکار ہے نہ گنجائشِ انکار۔

مستحقینِ انعامِ ابدی کی صفات

آخرت کے بارے میں شک میں پڑنے والوں کو دوزخ میں اپنے کیئے کا مزہ چکھنا ہو گا اس کے برعکس آخرت پر یقین رکھنے والے جنت میں جائیں گے۔ آخرت پر یقین ان میں کونسی صفات پیدا کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں ان کی صراحت مختصر اور جامع الفاظ میں کی گئی ہے۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

مارے گئے قیاس وگمان سے حکم لگانے والے جو جہالت میں غرق اور غفلت میں مدہوش ہیں پوچھتے ہیں۔ آخر وہ روزِ جزا کب آئے گا؟ وہ اس روز آئے گا جب یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) اب چکھو مزا اپنے فتنے کا، یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے البتہ متقی لوگ اس روز

لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا اسے خوشی خوشی لے رہے
(سورۃ الذاریات[1] ۱-۱۹)
ہوں گے۔ وہ اس دن کے آنے سے پہلے نیکوکار تھے راتوں کو کم ہی سوتے تھے۔ پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔

یہاں بھی منظر کا آغاز دنیا سے اور اختتام آخرت میں جا کر ہوتا ہے۔ ابتداء قیامت کے آنے میں شک کرنے والے ان جھوٹے لوگوں پر لعنت بھیجنے سے ہوتی ہے جو گمراہی میں ایسے غرق ہیں کہ اللہ کی آیات میں غور و فکر سے غافل ہیں۔ نہ انہیں قیامت کے آنے کی کوئی اُمید ہے بلکہ وہ اس دن کے بارے میں شک میں ہیں اور اسے بعید از قیاس تصور کرتے ہوئے پوچھتے ہیں اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ — آخر وہ روزِ جزا کب آئے گا؟ اس کے جواب میں قیامت کا ایک منظر پیش کیا جاتا ہے۔ لیجئے یہ منظر ہمارے سامنے ہے یہی شک میں رہنے والے لوگ سزا کے لیے آگ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ سامنے سے انہیں سرزنش آمیز لہجے میں یہ جواب ملتا ہے: ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝ اب ذرا اپنے فتنے کا مزہ چکھو۔ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔ اِدھر اس عذاب کا مزہ ہے اُدھر دنیا میں تمہارے برپا کردہ فتنے کا مزہ ہے۔ ذرا موازنہ کر کے دیکھو کتنا عجیب ہے یہ مزہ!

اس اثنا میں کہ یہ دوزخ میں اپنے برپا کردہ فتنے کا مزہ چکھیں متقی لوگ سدابہار باغوں اور چشموں میں ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں۔ ان نعمتوں کو وہ بڑی پسندیدگی اور خوشی سے لے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے رب کریم کی طرف سے عطیہ ہیں۔ اور وہ اس بات کے عادی ہیں کہ جو کچھ ان کا پروردگار انہیں دے وہ خوشی خوشی اسے قبول کر لیں۔ اس نعیم ابدی کی کیفیت کیا ہے؟ متقین کے بارے میں فیصلہ ربانی اُن کی جن حیثیتوں کے پیشِ نظر ہوا ہے ان کی صراحت ان الفاظ میں کی جاتی ہے — اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝

وہ اس دن کے آنے سے پہلے نیکوکار تھے۔ وہ راتوں کو کم ہی سوتے تھے، وہ رات کے پچھلے پہروں میں خدا سے مغفرت مانگتے تھے۔ لہٰذا یہی لوگ نعیم ابدی کے مستحق ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ آج وہ جھولیاں بھر بھر کر نعمائے ایزدی سمیٹ رہے ہیں کیونکہ کل تک دنیا میں وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا رہے تھے۔ نیز وہ اپنے مالوں میں سے

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۶۷ ویں سورت ہے۔

سائلوں اور محروموں کا حق ادا کرتے رہے تھے۔

روزِ آخرت اور نامۂ اعمال

قیامت کے روز ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا جس میں زندگی کے ایک ایک لمحے کا ریکارڈ تیار کیا گیا ہے۔ یہ نامۂ اعمال اس پر پوری پوری شہادت دے گا نامۂ اعمال دیکھ کر ہر شخص کو اپنے اچھے یا بُرے انجام کا علم ہو جائے گا۔ ارشادِ ربانی ہے :-

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

(الجاثیہ[1] ۲۷-۳۵)

اور جس روز قیامت کی گھڑی آ کھڑی ہو گی اس دن باطل پرست خسارے میں پڑ جائیں گے اس وقت تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا دیکھو گے۔ ہر گروہ کو پکارا جائیگا کہ آئے اور اپنا نامۂ اعمال دیکھے۔ ان سے کہا جائے گا: "آج تم لوگوں کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے یہ ہمارا تیار کرایا ہوا اعمال نامہ ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے جو کچھ بھی تم کرتے تھے اسے ہم لکھواتے جا رہے تھے۔ پھر جو لوگ ایمان لاتے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہی صریح کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا ان سے کہا جائے گا کیا میری آیات تم کو نہیں سنائی جاتی تھیں؟ مگر تم نے تکبر کیا اور مجرم بن کر رہے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہوتی ہے، ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں۔ یقین ہم کو نہیں ہے"۔ اُس وقت ان پر اُن کے اعمال کی برائیاں کھل جائیں گی اور وہ اُسی چیز کے پھیر میں آ جائیں گے جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ اور اُن سے کہہ دیا جائے گا کہ "آج ہم بھی اسی طرح تمہیں بھلائے دیتے ہیں جس طرح تم اس دن کی

[1] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے ۶۵ ویں سورت ہے ٭

ملاقات کو بھول گئے تھے۔ تمہارا ٹھکانا اب دوزخ ہے اور کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے۔ یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ لہٰذا آج نہ یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ اُن سے کہا جائیگا کہ معافی مانگ کر اپنے رب کو راضی کرو۔"

وسیع میدانِ حشر میں تمام امتیں جمع ہیں۔ دربارِ الٰہی کا ماحول ایسا مُہیب اور پُرہول ہے کہ حساب کتاب کی خاطر بلاوے کی انتظار میں بارگاہِ الٰہی کی طرف ٹکٹکی باندھے سب عاجزی میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہیں۔ بلا استثناء سب کو ایک ہی آواز سے پکارا گیا ہے۔ سب کے سامنے اس دعویٰ کا اعلان کر دیا گیا ہے جس کی خاطر وہ ہر طرف سے آکر جمع ہوئے ہیں — اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ — آج تم لوگوں کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے — یہ لو ہمارا تیار کرایا ہوا اعمال نامہ ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے۔ ہم تمہاری زندگی کا ایک ایک عمل اس میں ریکارڈ کرواتے رہے ہیں اب دعویٰ کا یہ سارا ریکارڈ جملہ حاضرین کے سامنے ہے۔ ہر شخص اپنا حساب دیکھ لے۔

جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے ان کا معاملہ بہت آسان ہے اور ایک لمحہ بھر سے زیادہ کا نہیں۔ حتیٰ کہ لمحے بھر کے بعد ان کے رب نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے۔ طویل انتظار کی پریشانی اور مصیبت سے چھوٹ گئے ہیں اور راحت محسوس کر رہے ہیں۔ یہ تو رہے اہلِ ایمان! دوسری طرف جب ہماری نگاہ اٹھتی ہے تو کفر کرنے والوں پر پڑتی ہے۔ انہیں بڑی سخت ڈانٹ پلائی جا رہی ہے اور تمام حاضرین کے سامنے شرمندہ ولاجواب کیا جا رہا ہے — اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝ — کیا میری آیات تمہیں سُنائی نہیں جاتی تھیں۔ یقیناً سُنائی جاتی تھیں مگر تم نے تکبّر کیا اور مجرم بن کر رہے۔ تو کیا تم اس دن سے تجاہل برتتے اور اس کا مذاق نہ اڑایا کرتے تھے۔ جب تم سے یہ کہا گیا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور یہ کہ قیامت کی گھڑی کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں تو تم نے یہ جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے قیامت کی گھڑی کیا ہے؟ ہم تو اسے ایک واہمہ سا خیال کرتے ہیں۔ ہمیں تو اس کے بارے میں کوئی یقین نہیں۔ ہمیں کوئی پتہ نہیں قیامت کیا بلا ہے" کافروں کا یہ جواب بتاتا ہے کہ نہ تو وہ اس کی کُنہہ سے واقف ہیں نہ اس کی حقیقت سے آگاہ۔ نہ انہیں اس

بات کی فکر ہے کہ کیا ہوتا ہے اور کب ہوتا ہے؟

تھوڑی دیر بعد پردۂ تصور پر ظہور میں آنے والے طویل مناظر کے نتیجہ میں ناظرین پہ ان لوگوں کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے — وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ — دُنیا میں جو کچھ وہ کرتے رہے تھے اس کی برائیاں ان پر ظاہر ہوگئیں اور جس چیز کا وہ دنیا میں تمسخر اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ انجام سامنے آجانے کے بعد کافروں کو خطاب کرتے وقت دوبارہ جھڑکی اور تشہیر کے انداز میں ارشاد ہوتا ہے — الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ — آج ہم تمہیں اسی طرح بھلائے دیے رہے ہیں جس طرح دنیا میں تم اس دن کی آمد کو بھلا بیٹھے تھے۔ اب تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جہاں تمہاری مدد کو پہنچنے والا کوئی نہیں۔ تمہارا یہ حشر اس لیے ہوا ہے کہ تم اللہ کی آیات کا استہزاء کیا کرتے تھے اور دُنیا کی پُرفریب زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا۔

پھر آخری حصے میں خطاب کا رُخ ناظرین کی طرف مڑ جاتا ہے اور منظر کے کرداروں کے بارے میں اعلان ہوتا ہے فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ٥ دیکھ لو! آج نہ وہ اس عذاب سے نکالے جائیں گے نہ انہیں یہ کہا جائے گا کہ وہ توبہ کرکے رجوع کرلیں۔ چلئے چھوڑیئے آگے چلئے — اس کے بعد اس منظر میں کوئی تغیر و تبدّل نہیں ÷

آخرت کی پیشی اور نامۂ اعمال

سورۂ کہف میں آخرت کے بارے میں چند ضمنی اشارات کے علاوہ حسب ذیل تین مناظر پیش کیے گئے ہیں جو انسان کے فکر و خیال پہ گہرا اثر ڈالتے ہیں:۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا

ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لیے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں۔ وہاں اگر وہ پانی مانگیں گے تو ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور ان کا منہ بھون ڈالے گا۔ بدترین پینے کی چیز اور بہت بری آرام گاہ!

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۰﴾ (کہف ۲۹ تا ۳۰)

رہے ۔ وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں ، تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے ان کے لیے سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ۔ وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیے جائیں گے ۔ باریک ریشم اور اطلس و دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے بہترین اجر اور اعلیٰ درجے کی جائے قیام !

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً لا وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿﴾ (کہف ۴۷ - ۴۹)

فکر اس دن کی ہونی چاہیے ۔ جبکہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے ۔ اور ہم تمام انسانوں کو اس طرح گھیر کر جمع کریں گے کہ (اگلوں پچھلوں میں سے) ایک بھی نہ چھوٹے گا اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش کیے جائیں گے ـــ لو دیکھ لو ، آ گئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا ۔ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کیا ہے ـــ اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا ۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو ۔ جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا ۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿﴾ (کہف ۵۲ - ۵۳)

پھر کیا کریں گے یہ لوگ اس روز جب کہ ان کا رب ان سے کہے گا کہ پکارو اب ان ہستیوں کو جنہیں تم میرا شریک سمجھ بیٹھے تھے ۔ یہ ان کو پکاریں گے ۔ مگر وہ ان کی مدد کو نہ آئیں گے ۔ اور ہم ان کے درمیان ایک ہی ہلاکت کا گڑھا مشترک کر دیں گے ۔ سارے مجرم اُس روز آگ دیکھیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اب انہیں اس میں گرنا ہے اور وہ اس سے بچنے کیلیے کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے ۔

آتشِ جہنم اور سدا بہار باغ

پہلا منظر آتشِ جہنم کا منظر ہے جس میں آگ کی لپٹیں سراپردوں کی شکل میں ظالموں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ۔ جب وہ آگ کی تپش اور پیاس بجھانے کیلیے پانی مانگتے ہیں تو ان کی تواضع ایسے پانی سے کی جاتی ہے جو کھولتے ہوئے تیل کی تلچھٹ کی طرح چہروں اور جسم کی کھالوں کو بھون ڈالتا ہے ۔ یہ ہے ان کے کام و دہن اور انتڑیوں کی تراوت کا سامان ! کتنی بری ہے یہ پینے کی

ے زمانہ نزول کے لحاظ سے یہ ۶۹ ویں سورت ہے ۔

چیز! یہی نہیں انہوں نے آرام کرنے اور سستانے کی خاطر دیوانہ وار آگ کو اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے
آگ میں ٹھکانا بنانے کا ذکر سخت وعید کے انداز میں کیا گیا ہے۔ درحقیقت وہ یہاں آرام وقیام
کے لیے نہیں بلکہ آگ میں جھلسنے اور اذیت پانے کے لیے آئے ہیں۔ ان کی یہ صورتِ حال
جنت میں اہلِ ایمان کے آرام وقیام کے بالمقابل ہے۔ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے!

اس اثنا میں جبکہ کافر اور ظالم اس حال میں ہیں اہلِ ایمان ایسے سدا بہار باغ میں قیام پذیر
ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں پانی کی فراوانی ہے ہلکی ہلکی بادِ نسیم چل رہی ہے۔ حقیقتہً
ان کا یہاں قیام محض آرام کے لیے ہے ریشم کے زنگار رنگ خوبصورت لباسوں میں ملبوس،
شاہانہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہیں۔ مزید شاہانہ ٹھاٹھ کی خاطر سونے کے زیور پہنے ہوئے
ہیں یہ بہترین اجر اور اعلیٰ درجے کی جائے قیام ہے! واہ سبحان اللہ!

فرداً فرداً پیشی اور نامۂ اعمال کی بے لحاظی دوسرے منظر میں جامد پہاڑوں کے چلنے اور
زمین کے چٹیل میدان بن کر ظاہر ہونے
میں مادی طور پر ایک ہولناک فضا طاری نظر آتی ہے۔ ذرا دیکھئے یہ زمین ـــ جیسا کہ ہم پہلے
ایک منظر میں دیکھ چکے ہیں ـــ ہموار چٹیل میدان بن کر نمودار ہوتی ہے جس میں کوئی نشیب وفراز
نہیں ہوتا۔ پھر وسیع ہموار میدان حشر کی فلم ہمارے سامنے گزرتی چلی جاتی ہے۔ ہر کردار سامنے
آتا چلا جاتا ہے۔ اگلوں اور پچھلوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہ جاتا۔ سب لوگ صفیں باندھے
خدا کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ دنیا میں انہوں نے حق کی تکذیب کی تھی آج وہ سب کارگزاری
ان کے رُوبرُو پیش ہے۔ چہروں پر رُوسیاہی اور خدوخال سے ذلت کے آثار ہویدا ہیں۔ سلطان
عالم کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے ـــ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ـــ دیکھا نا، تم
ہمارے پاس آج اسی حالت میں اکیلے آ گئے جس حالت میں ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ ہاں!
تم لوگ آ ہی گئے ہو حالانکہ تمہارا خیال تھا کہ تم کبھی بھی ہمارے پاس نہیں آؤ گے! ـــ بَلْ زَعَمْتُمْ
اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ـــ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اب بھی قیامت آئی نہیں ہے؟ کیوں
نہیں! قیامت کو تو یقیناً واقع ہونا تھا سو ہو گئی!

اس کے بعد ایک عجیب وغریب منظر ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ نامۂ اعمال سب کے
سامنے رکھ دیا گیا ہے ـــ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ـــ لیجئے یہ مجرمین کا گروہ ہے اپنے نامۂ اعمال
اور اس کے مندرجات سے خوفزدہ ہیں۔ اس میں ہر چھوٹی بڑی چیز درج ہے۔ کوئی چیز بھی اس

سے چھوٹنے نہیں پائی۔ یہ دیکھ کر ان کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ بے ساختہ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے ۔۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں ہے جو اس میں درج نہ کی گئی ہو۔ ہاں بھئی! بس یہ کچھ ایسی ہی کتاب ہے۔ اتنے گہرے تفصیلی ریکارڈ میں سے بچ نکلنے کی کوئی صورت اور کوئی ذریعہ نہیں۔ جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب کچھ آج ان کے سامنے حاضر ہے۔ وہ خود ہی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھ رہے ہیں گویا وہ کسی لانے والے کے بغیر خود آموجود ہوا ہے۔ البتہ سلطان عالم کی طرف سے ندا آتی ہے یقین رکھو تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (۴۹)

شریکانِ خدا اور ان کے پیروکاروں کا انجام تیسرے منظر میں شریکانِ خدا اور رفیامیت کے روز ان کی رُو در رُو پیشی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس موقعہ پر عموماً جو کچھ دکھایا گیا ہے وہ قبل ازیں مختلف مواقع پر پیش کیا جا چکا ہے۔ البتہ اس میں عبرت کا پہلو یہ ہے کہ یہاں خود انہیں خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ بلاؤ ان ہستیوں کو جنہیں تم میرا شریک سمجھے بیٹھے تھے ۔۔۔ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ۔۔۔ مخاطبین یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ وہ دنیا میں نہیں بلکہ عالمِ آخرت میں ہیں۔ وہ یہ حقیقت بھی بھول جاتے ہیں کہ یہ شریکانِ خدا نہ انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ان کا خوف دُور کر سکتے ہیں۔ بیچارے ایسی مصیبت میں گرفتار ہیں کہ مجبوراً انہیں مدد کے لیے پکارتے ہیں لیکن وہ ان کی پکار کا کوئی جواب تک نہیں دیتے ۔۔۔ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ۔۔۔ سچ یہ ہے کہ سرکشی اور بغاوت میں دونوں برابر ہیں۔ ہم نے ان دونوں گروہوں کی ہلاکت کے لیے ایک ہی گڑھا تیار کر رکھا ہے ۔۔۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا (۵۲) ۔۔۔ یہ گڑھا دونوں گروہوں کے درمیان واقع ہے اور ہر گروہ اس کے کنارے کھڑا ہے اور اس میں گرا چاہتا ہے۔ یہ گڑھا آگ سے تیار کیا گیا ہے تاکہ مجرمین کو اس میں ڈال کر کرتوتوں کی سزا دے ڈالی جائے۔ خود ان کے دلوں میں بھی یہ یقین راسخ ہو چلا ہے کہ وہ اب دوزخ کی اس آگ میں ڈالے ہی جانے والے ہیں جہاں وہ بھسم ہو جائیں گے۔ ان کی یہ توقع اب درست ثابت ہو چکی ہے لیکن افسوس اب اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے ۔۔۔ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (۵۳) ۔۔۔

میدانِ حشر اور بارہائے گناہ

سورۃ النحل میں سرکش و باغی لوگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کس طرح اپنے اور دوسروں کے گناہوں کا ناقابلِ برداشت بار اٹھائے وہ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور بالآخر سزا پاکر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اس اثنا میں اُن پر کیا بیتے گی اس کی تفصیل اس منظر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَآقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوٓءٍ ۚ بَلٰىٓ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوٓا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَآ أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ ۚ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

(سورۃ النحل[1] ۲۵-۳۲)

یہ باتیں وہ اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے بوجھ بھی پورے اٹھائیں اور ساتھ ساتھ کچھ ان لوگوں کے بوجھ بھی سمیٹیں جنہیں یہ بربنائے جہالت گمراہ کر رہے ہیں۔ دیکھو! کیسی سخت ذمہ داری ہے جو یہ اپنے سر لے رہے ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ (حق کو نیچا دکھانے کے لیے) ایسی ہی مکاریاں کر چکے ہیں تو دیکھ لو اللہ نے ان کے مکر کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی اور اس کی چھت اُوپر سے اُن کے سر پر آ رہی اور ایسے رُخ سے اُن پر عذاب آیا جدھر سے اس کے آنے کا اُن کو گمان تک نہ تھا۔ پھر قیامت کے روز اللہ اُنہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ وہ اُن سے کہے گا "بتاؤ اب کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے لیے تم (اہلِ حق سے) جھگڑے کیا کرتے تھے؟" جن لوگوں کو دنیا میں علم حاصل تھا وہ کہیں گے "آج رسوائی اور بدبختی ہے کافروں کے لیے۔" ہاں انہی کافروں کے لیے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے جب ملائکہ کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہیں تو (سرکشی چھوڑ کر) فوراً ڈگیں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں "ہم تو کوئی قصور نہیں کر رہے تھے۔" ملائکہ جواب دیتے ہیں "کر کیسے نہیں رہے تھے، اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ اب جاؤ، جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ، وہیں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔" پس حقیقت یہ ہے کہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے متکبروں کے لیے۔ دوسری طرف جب خدا ترس

---

[1] ترتیب نزول کے لحاظ سے یہ ۷۰ ویں سورت ہے۔

لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ "بہترین چیز اتری ہے۔" اس طرح کے نیکوکار لوگوں کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا، دائمی قیام کی جنتیں، جن میں وہ داخل ہوں گے، نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور سب کچھ وہاں ان کی عین خواہش کے مطابق ہوگا یہ جزا دیتا ہے اللہ متقیوں کو۔ ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں "سلام ہو تم پر، جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے۔"

۲ ——— وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾

(النحل ۸۴-۸۷)

۲- انہیں کچھ ہوش بھی ہے کہ اس روز کیا بنے گی جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے پھر کافروں کو نہ حجتیں پیش کرنے کا موقعہ دیا جائیگا نہ ان سے توبہ و استغفار ہی کا مطالبہ کیا جائے گا ظالم لوگ جب ایک دفعہ عذاب دیکھ لیں گے تو اس کے بعد نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائیگی اور نہ انہیں ایک لمحہ بھر کی مہلت دی جائے گی۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے "اے پروردگار! یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔" اس پر ان کے وہ معبود انہیں صاف جواب دیں گے کہ "تم جھوٹے ہو" اس وقت یہ سب اللہ کے آگے جھک جائیں گے اور ان کی وہ ساری افترا پردازیاں رفوچکر ہو جائیں گی جو یہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔"

۳ ——— يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾

(النحل ۱۱۱)

۳- ان سب کا فیصلہ اس دن ہوگا، جبکہ ہر متنفس اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا۔ اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہونے پائے گا۔

بارِ گناہ، حالِ تباہ

پہلا منظر ایک ملا جلا منظر ہے جس میں قافلۂ انسانیت دنیوی زندگی سے چل کر میدانِ حشر تک اور وہاں سے سیدھا عالمِ آخرت میں جا پہنچتا ہے۔ اس عالمِ برزخ میں دنیا و آخرت کی دونوں زندگیاں باہم مل جاتی ہیں۔ قافلۂ انسانیت رواں دواں جب مقامِ جزا و سزا پر پہنچتا ہے تو یہاں نتائجِ اعمال کے لحاظ سے دو راہیں ہو جاتی ہیں۔ ایک راستہ جنت کی طرف جاتا ہے دوسرا دوزخ کی طرف۔ سین کا آغاز اُن مجرمین کے منظر سے ہوتا ہے جو اپنی پیٹھوں پر بوجھ اٹھائے دربارِ الٰہی میں پیشی کے لیے آرہے ہیں پیٹھوں پر لادے ہوئے یہ بوجھ مجسّم صورت میں گناہوں کے بوجھ ہیں۔ ان میں ان کے اپنے ذاتی گناہوں کے

بوجھ بھی شامل ہیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے بھی ہیں جنہیں ان لوگوں نے ان کی جہالت و بے خبری سے فائدہ اٹھا کر گمراہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد دنیا کا نقشہ ہمارے سامنے آنے لگ جاتا ہے۔ مختلف حیلوں بہانوں سے دینِ حق کا راستہ روکنے والوں کا ماجرا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اللہ نے ان کے مکر و فریب کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی ہے اور اچانک اس کی چھت بے خبری میں دھڑام سے ان کے سر پر آن گری ہے۔ ان کی سب تدبیریں اُلٹی ہو گئی ہیں۔ یہاں سے نکل کر ہم سیدھے میدانِ حشر میں جا پہنچتے ہیں۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ یہ مجرمین رسوائی اور ندامت کی حالت میں کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ رہا ہے "بتاؤ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے لیے تم اہلِ ایمان سے جھگڑا کرتے تھے جن کی وجہ سے تم نے اہلِ ایمان سے دشمنی مول لے رکھی تھی اور جن کی خاطر تم نے ساری دنیا میں باہمی عداوت و افتراق کے بیج بو دیے تھے۔" گو خدا کے ساتھ ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے بارے میں اس طرح کا استفسار پہلے گزر چکا ہے لیکن ہر جگہ اندازِ تخاطب دوسرا ہے۔ یہاں نئی بات یہ ہے کہ اس سوال کا جواب وہ لوگ دے رہے ہیں جنہیں دنیا میں علم حقیقی حاصل تھا۔ چونکہ مشرکین ندامت و شرمندگی کی وجہ سے مُہر بلب ہیں اس لیے یہ اہلِ علم سوال کا جواب یوں دیتے ہیں: "آج رسوائی اور بدبختی کا وبال کافروں پر ہی پڑنے والا ہے۔"

إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۲۷﴾

گویا آج میدانِ حشر کے کرتا دھرتا یہ اہلِ علم ہی ہیں۔ انہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حقیقتِ حال کی وضاحت کریں اور کافروں کے لیے ذلت آمیز رسوائی کا فیصلہ صادر کریں۔ پھر یہ اہلِ علم آپس میں باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ کافروں کی پرانی عادت اور ان کی گزشتہ تاریخ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا وہ نقشہ ان کے سامنے آجاتا ہے جب فرشتے ان کے لیے موت کا پیغام لاتے اور ان کی روحیں قبض کرتے ہیں اور وہ عین اس وقت بھی اپنے اوپر ظلم کرتے اور اپنی پرانی عادت کے مطابق جھوٹ بکنے لگ جاتے ہیں۔ دربارِ الٰہی میں حاضری کے موقعہ پر کوئی ان کی مُٹھ بھیڑ فرشتوں سے ہوتی ہے دنیا میں بڑی بڑی ڈینگیں مارنے کے باوجود آج عاجز و مسکین بنے ان کے آگے ڈگیں ڈال دیتے ہیں۔ گو وہ عاجز و بیکس ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود جھوٹ بولتے ہیں۔ "ہم تو کوئی برائی نہیں کر رہے تھے۔" —— مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ —— جواب ملتا ہے "اچھا! کر کیوں نہیں رہے تھے! سب کچھ معلوم ہے۔ اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے ——

بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾

اس کے بعد یہ لوگ مقامِ پیشی سے مقامِ جزا کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور یوں سزا یا کردارِ فنا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آتشِ جہنم میں جا داخل ہوتے ہیں ——— فَادْخُلُوٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ——— اور خدا کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کے لیے یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

عیش بے پناہ

پھر سیاقِ کلام اہلِ تقویٰ کا تصویری خاکہ پیش کرتے ہوئے ان کی زندگی کے مختلف مراحل کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کیے ان کے لیے دنیا میں بھلائی تو ہے ہی، آخرت کا گھر ان کے لیے یقیناً بہتر ہے پھر یکایک پردۂ سیمین پر متقیوں کا گھر آموجود ہوتا ہے۔ لیجئے "سبحان اللہ! متقیوں کے گھر کے کیا کہنے! ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے سدا بہار باغات ہیں۔ جن میں صاف و شفاف ٹھنڈے پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان کی تواضع کے لیے ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ موجود ہے۔" جس کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں چنداں حاجت نہیں ہے۔

جھوٹوں کا انجام

دوسرا منظر بھی ان ہستیوں کا ہے جنہیں وہ خدا کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے لیکن اس میں نیا پہلو یہ ہے کہ یہ کفار ایسی خوفناک صورتِ حال میں مبتلا ہیں کہ انہیں سفارش تک کی اجازت ہے نہ ان سے توبہ کر لینے کی فرمائش۔ بلکہ وہ کنکھیوں سے ان ہستیوں کو دیکھ رہے ہیں جن کی خدا کو چھوڑ کر وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ چیخ کر دہائی دیتے ہیں: "اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ لوگ جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے!" ——— رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ——— گویا یہ اپنی بربادی کی ذمہ داری ان پر ڈال رہے ہیں اس خیال سے کہ شاید اس طرح وہ خود سزا سے بچ جائیں۔ اس اتہام طرازی پر ان کے یہ شریکانِ خدا چونک پڑتے ہیں۔ اور پلٹ کر ان کے منہ پر یہ جواب دے مارتے ہیں ——— اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ——— تم جھوٹے ہو۔ پھر یہ خدا کے حضور حاضر ہو کر پوری فرماں برداری کے ساتھ ذاتِ حق کے آگے جھک جاتے ہیں۔ حالانکہ دنیوی زندگی میں یہ خود خدا بنے بیٹھے تھے ——— یہاں منظر اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے اور ساری کائنات ذاتِ واحد و قہار کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

نفسی نفسی کا عالم

تیسرا منظر ہمارے سامنے ہولناکی کی بالکل وہی تصویر لاتا ہے جو تصویر قبل ازیں ارشادِ باری تعالیٰ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ۔

میں پیش کی جا چکی ہے۔ اس وقت ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہے۔ دربارِ الٰہی میں جمع ہونے والی نوعِ انسانی کے انبوہِ کثیر میں ہر شخص تن تنہا آ رہا ہے۔ اس کو اپنی ذات کے سوا کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ وہ جھگڑ رہا ہے تو اپنے ہی بارے میں، دفاع کر رہا ہے تو صرف اپنا۔ دفاع کے لیے کوشش کر رہا ہے تو اپنے لیے اور خلاصی کا آرزومند ہے تو صرف اپنے لیے لیکن افسوس آج یہاں خلاصی پانے کی کوئی سبیل نہیں۔

ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیا جا رہا ہے اس لیے جھگڑا بے سود، نہ یہاں حجت و دلیل کی کوئی حاجت ہے اس کے باوجود ان کے ساتھ کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔ ہر چیز عملوں کی کھلی کتاب میں درج ہے۔ فیصلہ اس کے مطابق کیا جا رہا ہے۔

میدانِ حشر کے نمایاں کردار

سورۃ ابراہیم میں داعیانِ حق پر ظلم کرنے والوں اور دنیوی زندگی کی دل فریبیوں میں کھو جانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے اور میدانِ حشر کے تین نمایاں کرداروں کی تصویر عبرت انگیز انداز میں پیش کی گئی ہے۔

۱ ــــــــ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

(ابراہیم[۱] ۱۵-۱۷)

اور انہوں نے فیصلہ چاہا تھا تو یوں ان کا فیصلہ ہوا، ہر جبّار دشمنِ حق نے منہ کی کھائی۔ پھر اس کے بعد آگے اس کے لیے جہنم ہے۔ وہاں اسے کچھ لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل ہی سے اتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا۔ اور آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کا لاگو رہے گا۔

۲ ــــــــ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

اور یہ لوگ جب اکٹھے اللہ کے سامنے بے نقاب ہوں گے تو اس وقت ان میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے " دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتے ہو؟" وہ جواب دیں گے " اگر

---

[۱] بہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۷۰ویں سورت ہے۔ اس سے پہلے سورۃ نوح نازل ہوئی لیکن اس میں قیامت کا کوئی خاص منظر نہیں پیش کیا گیا۔

فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ
وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ
بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ
اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

(سورۃ ابراہیم ۲۱ - ۲۲)

اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے۔ اب تو یکساں ہے خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر، بہر حال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔" اور جب فیصلہ چکا دیا جائیگا تو شیطان کہے گا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔"

۳۔ ——— وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ
غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ
تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ
لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

ابراہیم ۴۲ - ۴۳

اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ کو تم اس سے غافل نہ سمجھو۔ اللہ تو انہیں ٹال رہا ہے اس دن کے لیے جب حال یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں۔ سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ نظریں اوپر جمی ہیں اور دل اڑے جاتے ہیں۔

۴۔ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ
دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ
مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا
بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

ابراہیم ۴۴ - ۴۵

اور (اے محمدؐ!) اس دن سے تم انہیں ڈراؤ جبکہ عذاب انہیں آلے گا۔ اس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ "اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے۔ ہم تیری دعوت کو لبیک کہیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔" مگر انہیں صاف جواب دے دیا جائے گا کہ "کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں ہے؛ حالانکہ تم اُن قوموں کی بستیوں میں رہ بس چکے تھے جنہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا تھا اور دیکھ چکے تھے کہ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا اور ان کی مثالیں دے دے کر ہم تمہیں سمجھا بھی چکے تھے۔

۵۔ ——— يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ
غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ

ڈراؤ انہیں اس دن سے جبکہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب

فِی الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ ظاہر ہو جائیں گے۔ اس روز تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوں گے تارکول کے لباس پہنے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جا رہے ہوں گے۔ ابراہیم ۴۸-۵۰

داعیانِ حق پر ظلم کرنیوالے اور جہنم پہلا منظر بڑا عجیب ہے۔ اگرچہ ان کی دنیوی زندگی اور آخرت کے درمیان ایک وقفہ موجود ہے لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے آخرت دنیا میں ہی موجود ہے۔ لیجئے یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں ہی اللہ سے فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ ان لوگوں کو فتح و نصرت عطا کرے، جو برسرِ حق ہیں اور ان لوگوں کو اس دنیا میں ہی خائب و خاسر کرے جو باطل پر ہیں۔ اللہ نے یہ دعا قبول کر لی ہے۔ ہر جبّار دشمنِ حق نے اس دنیا ہی میں مُنہ کی کھائی ہے ——— وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ ——— یہ انجام تو اس دنیا میں ہُوا ہے۔ اس کے بعد جہنم ہے جس کے کنارے پر وہ کھڑا ہے کہ ابھی اس میں گرا کہ گرا۔ نہیں، بلکہ وہ تو جہنم ہی میں پڑا ہے۔ اس میں ہر طرف سے موت کے اسباب، اس پر موت وارد کر رہے ہیں لیکن نہ اُسے موت آتی ہے نہ اسے چین نصیب ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے فوراً بعد ایک سخت ترین عذاب ہے جو ہر لحظہ اسے اپنی گرفت میں لیتا چلا جاتا ہے ——— وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ ———

غور فرمائیے! کتنا عجیب منظر ہے کہ ناحق ظلم و تشدد کرنے والا دنیا میں کھڑا ہے اور عین اس کے پیچھے جہنم ہے۔ یعنی سخت ترین عذاب قدم بقدم اس کے پیچھے ہے۔ یُوں لگتا ہے جیسے یہ سب کچھ تخیل میں دکھائی دے رہا ہے اور نگاہوں کے سامنے اس کی مجسم تصویر آئی کھڑی ہے۔

تین کردار اور ان کا حشر دوسرے منظر میں ان لوگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو دنیا میں بڑا بنے بیٹھے تھے۔ نیز ان لوگوں کا جن پر وہ اپنی دھونس جمایا کرتے تھے۔ اس منظر کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں لیکن یہ منظر بھی بڑا عجیب ہے۔ اس لیے کہ اس میں بھی ایک نئی بات کا اضافہ ہے۔ یہ اضافہ دورانِ گفتگو ایک تیسری شخصیت کی شمولیت ہے۔ یہ شیطان کی شخصیت ہے۔ اس طرح اس منظر میں عالمِ خیال میں تین فریق نظر آتے ہیں۔

۱۔ ضُعَفَاء: وہ لوگ جو دنیا میں طاقتور اور مقتدر لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے اور اُن کا دُم چھلّا بنے رہتے تھے۔ یہ دراصل ہمیشہ ضعف و کمزوری کا شکار، ناقص العقل اور پست حوصلہ

لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا ملجا و ماویٰ ہمیشہ دنیا میں بڑائی کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر جبکہ انہیں عذاب میں جھونک دینے کا فیصلہ ہوتا ہے وہ ان مدعیانِ کبریائی سے اس عذاب سے خلاصی دلانے کی درخواست کرتے اور ان پر دنیا میں انہیں دھوکہ دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ یہ روش اپنی طبعی کمزوری اور جانی پہچانی تھڑدلی کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ بڑائی کے دعویدار: ان کا کاخِ کبریائی اب پیوندِ خاک ہو چکا ہے۔ وہ اپنے انجام سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔ وہ دنیا میں ان کمزوروں کے معاملے میں بڑے تنگ دل تھے جن کے لیے اس رسوا کن عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں جس میں وہ اس وقت مبتلا ہیں۔ اسی لیے وہ یا تو ان سے چھٹکارا دلانے کی درخواست کرتے ہیں — حالانکہ آج خود ان کی اپنی نجات بھی ان کے بس میں نہیں — یا انہیں دھوکے سے گمراہی میں مبتلا کرنے کا مجرم گردانتے ہیں جبکہ اس تذکرے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ پھر اُن سے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بن پڑتا کہ انتہائی دُکھ اور تکلیف میں پکار اٹھتے ہیں — لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ — اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے۔

۳۔ شیطان: جو اپنی شخصیت میں موجود ساری فریب کاری اور مغالطہ انگیزی، بے شرمی اور ڈھٹائی، مکاری اور شیطنت کے باوصف اپنے پیروکاروں کے سامنے عین اس وقت جبکہ اصلاحِ احوال کی کوئی صورت باقی نہیں رہی — اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ نے ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا لیکن اس کے برعکس اس نے ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا کیونکہ اس کا وعدہ محض دھوکہ تھا۔ پھر وہ انہیں مزید دکھ دینے اور رنج پہنچانے کی غرض سے انجام کی تمام ذمہ داری سے دست بردار ہو جاتا ہے —

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ — میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو — یہی نہیں بلکہ وہ اس استہزا میں یہ کہہ کر مزید اضافہ کرتا ہے — اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ — بلاشک میں تمہارے شرک کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تم مجھے خدا کا شریک ٹھیراتے رہے ہو۔ میں اس کی ذمہ داری سے بھی بری الذمہ ہوں۔

بلاشک! یہ بالکل سچ ہے! کیوں نہ ہو، وہ شیطان تو ہے ہی!

اس موقعہ پر تینوں فریقوں کی اس تصویر میں پیروؤں کا اپنے پیشواؤں سے بے تعلق ہو جانا اور پیشواؤں کا اپنے پیروؤں سے نا آشنا بن جانا بڑی تعجب انگیز بات ہے حالانکہ اُس وقت اُنہیں بے تعلقی کا کوئی فائدہ ہے نہ بچنے والبتگی کا لیکن آزمائش کی اس سخت رنج دہ گھڑی میں اس طرح کی بے اعتنائی ہر فریق کی طبعی خصوصیت کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس موقعہ پر اپنی پوزیشن صاف کرتے ہوئے شیطان کا جواب بھی منطقیانہ ہے اور حالات کی جو تصویر قرآن کھینچتا ہے اس میں اس کا کردار بھی منطقیانہ ہے۔ ورنہ دوسروں کی عزتوں کے ساتھ کھیلے بغیر، دوسروں کی برائی میں لذت محسوس کیے بغیر اور دوسروں کو فریب سے گمراہی پر ڈال کر ان کی گمراہی کی ذمہ داری سے انکار کیے بغیر تو وہ شیطان نہیں ہو سکتا!

پتھرائے ہوئے دیدے اور اکڑی ہوئی گردنیں

تیسرا منظر خوف و دہشت، ندامت و شرمندگی اور عاجزی و فروتنی کا منفرد نقشہ پیش کرتا ہے۔ جس کی ہولناکی میں منظر کے اندر موجود بھیانک سائے مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ غم واندوہ کی وجہ سے سسکیاں نکل رہی ہیں۔ یہ دیکھیے! ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں ان میں کوئی حرکت نہیں۔ وہ تیز تیز چل رہے ہیں۔ سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ بڑائی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے جسم ہی زنجیروں میں جکڑے لکڑی کی مانند اکڑے ہوئے ہیں۔ نہ ان کی آنکھیں حرکت کرتی ہیں۔ نہ جو کچھ انہیں دکھائی دیتا ہے اُسے پردۂ دماغ پر منتقل کرتی ہیں! ان کے دل فارغ ہیں جن سے خوف اُڑ گیا ہے اور ان پر حیرت چھا گئی ہے۔

یہ منظر ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ اس میں کسی پہلو سے کوئی خامی نہیں ہے۔ ہولناکی اتنی ہمہ گیر ہے کہ منظر کے کئی اجزا اور کئی پہلوؤں میں نظر آتی اور اپنا عکس مختلف افراد اور عناصر پر ڈالتی ہے۔

زندگی کی دلفریبیاں اور ظالموں کی خود فراموشی

چوتھے منظر میں ظالمین کی تصویر ہے جس دن کہ عذاب اُنہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے وہ آگے بڑھ کر یہ التجا کرتے ہیں ـــــ رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ ـــــ "خدایا! ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے تاکہ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں اور رسولوں کی پیروی کریں۔ تب انہیں وعید آمیز جواب دیا جاتا ہے ـــــ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ ـــــ ؟ ـــــ کیا تم وہی

لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں ہے؟ دنیوی زندگی کی دل فریبیوں نے تمہیں دھوکہ دیا تو تم موت کو بھی بھول گئے اور زندگی بعد موت کو بھی۔ اور اپنے سے پہلے ظالم لوگوں کے بُرے حشر سے بھی آنکھیں بند کر لیں۔ حالانکہ تم ان کی بستیوں میں رہ بس چکے تھے۔ تمہیں ان سے سبق سیکھنا چاہیئے تھا۔ اب ان کا بُرا حشر تمہارے سامنے ہے ـــــــ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ ـــــــ اب تم پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ــ لیکن اس بُرے حشر کا تم پر کوئی اثر نہیں ہُوا۔ ہم نے گزشتہ قوموں کی مثالیں دے دے کر تمہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن تم نے اُن سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی"۔

یوں یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے وہ اپنے کیے کا انجام پا لیتے ہیں اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نہ تو آج ان کے لیے عذاب الٰہی سے نجات کی توقع کی کوئی گنجائش ہے نہ اس کی درخواست کی مجال۔

پابہ زنجیر و آتش بہ کنار مجرمین پانچواں منظر اس ہمہ گیر تغیر کا منظر ہے جو ہر اس چیز پر حاوی ہے جس سے دنیا میں انسان کو واسطہ پڑتا ہے۔ یہ نئی صورتِ حال ہے جس کا مشاہدہ آنکھیں اور دوسرے حواس کر رہے ہیں ـــــــ

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ـــــــ اس روز زمین و آسمان بدل جائیں گے اور ان کی ہیئت وہ نہ رہے گی جو اس وقت ہے۔ چنانچہ ہر چیز بدل گئی ہے وہ آج بالکل نئی صورتِ حال سے دوچار ہیں ـــ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ـــــ وہ خدائے واحد و قہار کے دربار میں پیشی کے لیے بلا روک و بلا حجاب نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں جو وحشت ناکی موجود ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ اس لیے کہ عالمِ آخرت میں ہر چیز نئی ہے اس غرابت میں ہر سُو وحشت ناکی کا سماں ہے۔ خدائے واحد و قہار کے دربار میں حاضری کے لیے نکلنے کا منظر بھی بڑا ہیبت ناک ہے۔

ذرا ایک نگاہ اٹھا کر دیکھیئے! کیسا عجیب منظر ہے ـــ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ ـــــــ آج آپ مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھ رہے ہیں ـــ وہ لباس پہنے ہوئے ہیں لیکن تارکول کا! جو سیاہ رنگ، جسم کو داغدار کرنے والی اور آگ سے بھیک اٹھنے والی ہے۔ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے

یعنی ہتھکڑیاں لگے، بیڑیاں پہنے دو دو کی ٹولیوں میں دوزخ کی طرف لے جائے جا رہے ہیں۔ وہاں دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے ـــــ تَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ـــــ ذرا تصور میں لائیے ان کے تارکول کے بنے ہوئے لباس میں آگ سر سے پاؤں تک شدت سے بھڑک رہی ہے۔ کائنات کے اس ہمہ گیر تغیر و تبدل اور خدائے واحد و قہار کے دربار میں حاضری کے اس منظر میں وحشت ناکی کا تخیل مادی بھی ہے اور معنوی بھی۔ اسی طرح ان کے چہروں پہ آگ کے لپٹنے اور ان کے دست بستہ و پابہ زنجیر ہونے میں عذاب کا تصور حسّی بھی ہے اور معنوی بھی۔ یہ سب کچھ ایک طرح کی توہین و تذلیل ہے جس سے وہ اس وقت دوچار ہیں۔

اہلِ ایمان کی پُرسکون جائے قیام

قیامت کے روز اہلِ کفر و اہلِ ایمان کے انجام کا موازنہ سورۃ انبیاء میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

۱ ـــــ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ (الانبیاء[1] ۳۸-۴۰)

یہ لوگ کہتے ہیں: "آخر یہ دھمکی پوری کب ہوگی اگر تم سچے ہو" کاش! ان کافروں کو اس وقت کا کچھ علم ہوتا جب کہ یہ نہ اپنے منہ آگ سے بچا سکیں گے نہ اپنی پیٹھیں، اور نہ ان کو کہیں سے مدد پہنچے گی۔ وہ بلا اچانک آئے گی اور انہیں اس طرح یک لخت دبوچ لے گی کہ یہ نہ اس کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو لمحہ بھر مہلت ہی مل سکے گی۔

۲ ـــــ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (الانبیاء ۹۷-۱۰۰)

اور وعدۂ برحق کے پورا ہونے کا وقت قریب آ لگے گا تو یکایک ان لوگوں کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا تھا کہیں گے "ہائے ہماری کم بختی! ہم اس چیز کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے، بلکہ ہم خطا کار تھے" (اُن سے کہا جائے گا) "تم اور تمہارے وہ معبود جنہیں تم پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، وہیں تم کو جانا ہے۔ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو وہاں نہ جاتے۔ اب سب کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ وہاں

---

[1] ترتیبِ نزول کے لحاظ سے یہ ۷۳ ویں سورت ہے۔

وہ پھنکارے ماریں گے اور حال یہ ہو گا کہ اس میں کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی۔

٣- إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾

(الانبیاء ۱۰۱-۱۰۴)

رہے وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو گا، تو وہ یقیناً اس سے دُور رکھے جائیں گے، اس کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من بھاتی چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا پریشان نہ کرے گا، اور ملائکہ بڑھ کر ان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ "یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" وہ دن جبکہ آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے، اور یہ کام ہمیں بہرحال کرنا ہے۔

اہلِ کُفر اور آگ کے بھبھوکے

پہلے منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ دوزخ کی آگ کافروں پہ چاروں طرف سے حملہ آور ہے۔ عالمِ تصور میں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دیوانہ وار اپنے چہروں اور پیٹھوں کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ اُنہیں اپنی مضبوط گرفت میں لیتی جا رہی ہے۔ بیچارے بے بس ہو گئے ہیں۔ آگ اچانک ان پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ کر رہی ہے۔ وہ ہمت ہار کر ہاتھ پاؤں مارنے سے عاجز اور غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ حواس باختہ کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ ہر طرف سے آگ انہیں بھسم کیے جا رہی ہے لیکن وہ اسے روک نہیں سکتے۔ دراں حالیکہ نہ ان سے عذاب ٹالا جا رہا ہے نہ اُنہیں مزید مہلتِ عمل دی جا رہی ہے۔ قیامت کی یہ اچانک آمد اُن کی عجلت پسندی کے جواب میں ہے۔ کیونکہ وہ تو کہا کرتے تھے "اگر تم سچے ہو تو آخر قیامت کی آمد کی یہ دھمکی کب پوری ہو گی۔" —— مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ —— درحقیقت "قیامت کا دفعتہً" برپا ہونا ان کی اسی خواہش کا نتیجہ ہے۔ اس سے ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اس افتاد نے ان گرفتارانِ عذاب کو اس کی روک تھام سے عاجز اور ازدیادِ مہلت و تاخیر سے بالکل محروم کر دیا ہے۔

اعترافِ جُرم اور فیصلہ کُن حکمِ ربّانی

اس کے بعد سیاقِ کلام دوسرا منظر پیش کرتا ہے جس میں پہلے منظر کا وہ عنصر بھی موجود ہے جس

میں قیامت اچانک برپا ہو جاتی اور اس ناگہانی آفت کی آمد سے مجرمین حیران و ششدر ہو کر رہ جاتے ہیں ——— فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ——— قیامت برپا ہوتے ہی کفر کرنے والوں کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ گئے ہیں۔ ادائے مدعا کیلئے سیاقِ کلام میں "شَاخِصَةٌ" ——— کا لفظ استعمال ہوا ہے جو پیش نظر مقصود کی پوری عکاسی کرتا ہے پھر کلام منظر کی عکاسی سے مکالمۂ باہمی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میدانِ حشر میں پھٹے دیدوں والے یہ لوگ بول اٹھتے ہیں ——— یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ——— "ہائے ہماری کم بختی! ہم اس چیز کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم خطاکار تھے۔" اس سے اس شخص کے رنج و کرب کا اندازہ ہوتا ہے جس پر ایک خوفناک حقیقت اچانک منکشف ہوا اور وہ انتہائی دکھ اور تکلیف کے ساتھ اپنی خطاکاری کا اعتراف بھی کرے اور اس پر نادم بھی ہو لیکن بہت سی قیمتی گھڑیاں گزر جانے کے بعد!

اس حادثۂ جانکاہ کے اچانک ظہور میں آنے کے بعد حالتِ سراسیمگی میں جب وہ اعترافِ گناہ کر لیتے ہیں تو خدائے واحد و قہار کی طرف سے ایک فیصلہ کن حکم جاری ہوتا ہے ——— اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ———

تم اور تمہارے وہ معبود جنہیں تم پوجتے تھے جہنم کا ایندھن ہو وہیں تم کو جانا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم میدانِ حشر میں کھڑے انہیں اپنے خداؤں کی معیت میں جہنم کی طرف آتے مشاہدہ کر رہے ہیں وہ سب کے سب جہنم کا ایندھن اور اس کا لقمہ بن گئے ہیں۔ عین اس موقعہ پر آنکھوں کے سامنے موجود اس واقعہ سے ایک برہان قاطع ہمارے سامنے رکھ دی جاتی ہے ———

لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ——— اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو دوزخ میں ہرگز نہ جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنہیں تم خدا بنائے بیٹھے تھے وہ ہرگز خدا نہ تھے۔ یہ دلیل ایک وجدانی دلیل ہے جس کا انحصار اس منظر پر ہے جو وقوعِ قیامت سے صدیوں پہلے تصورِ انسانی میں منعکس ہوتا ہے۔ پھر کلام آگے چلتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ بالفعل لو جھل لو جھل قدم اٹھائے دوزخ میں داخل ہو گئے ہیں۔ کلامِ الٰہی دوزخ میں ان کی کیفیت سے یوں پردہ ہٹاتا ہے۔ "وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" ——— وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ——— یہاں ان کا حال اس شخص کا سا ہے جو سخت اذیت میں مبتلا ہو کر ہوش و حواس کھو چکا ہو ——— لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ——— وہاں وہ ناقابلِ برداشت گرمی کی وجہ سے حواس باختہ

ہو کر پھنکارے مار رہے ہیں۔ مارے تکلیف کے چیخ و پکار کا یہ عالم ہے کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی —

دوزخ کی سرسراہٹ سے دُور اہلِ ایمان کا ڈیرا

چلئے انہیں چھوڑیئے! آیئے ان سے ذرا ہٹ کر تھوڑی دیر کے لیے اہلِ ایمان سے مل لیں۔ دیکھئے! یہ لوگ اس دردناک عذاب سے دُور ہی رکھے گئے ہیں یہاں ان کے کانوں تک اس کی سرسراہٹ کی آواز تک نہیں پہنچتی ——— اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ——— لفظ "حسیس" کے حروف کی زبان سے ادائیگی بذاتِ خود اس کی حقیقت سے پردہ کشائی کر رہی ہے — آگ کی سرسراہٹ — یہ ایسی آواز ہے جس کے تصور سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جلد پہ کپکپی طاری ہو جاتی ہے اسی لیے اس کی آواز سے ان لوگوں کو محفوظ کر دیا گیا ہے جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے ——— اَلَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ——— چنانچہ وہ سخت قسم کی گھبراہٹ سے بچ گئے ہیں۔ فرشتے ان کے دوست بن گئے ہیں تاکہ ان کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو۔ نہایت تزک و احتشام سے ان کا استقبال کر کے ان کے دلوں میں یوں طمانیت پیدا کرتے ہیں ——— هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ——— مرحبا! آیئے، انعام و اکرام کا یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا —

یوں یہ پورا سین ان مناظر پر ختم ہو جاتا ہے جو اس کے ساتھ ہی پردۂ تصور پر آتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ آسمان اس دن اس طرح لپیٹ دیا گیا ہے جس طرح کوئی منشی کسی بڑے کاغذ میں چھوٹے خطوط و رقعات لپیٹ کر یوں رکھ دیتا ہے کہ ان کے کونے سمٹ سمٹا جائیں ان کے ٹکڑے اکٹھے کر لیے جائیں اور ان کا گول بنڈل بنا دیا جائے۔ جیسا کہ قرآن میں ایک دوسرے موقعہ پر اس کا ذکر آیا ہے۔

یہ منظر انقلاب و انتہاء کائنات کا منظر ہے ——— كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ — جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے یہ اللہ کا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس کے ذمے ہے۔ اور یہ کام اسے بہر حال کر کے رہنا ہے — وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ———

عالمِ برزخ اور حیاتِ اُخروی

سورۃ المومنون میں قرآن، عالمِ برزخ اور حیاتِ اُخروی کی ایک ہلکی سی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:-

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّىْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِىْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِىْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

(المومنون[1] ۹۹ - ۱۱۵)

(یہ لوگ اپنی کرنی سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ "اے میرے ربّ، مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا"۔ ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک۔ پھر جونہی کہ صور پھونک دیا گیا ان کے درمیان پھر کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائیگی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے۔ "کیا تم وہی لوگ نہیں ہو کہ میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے"؟ وہ کہیں گے "اے ہمارے رب، ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی ہم واقعی گمراہ لوگ تھے۔ اے پروردگار، اب ہمیں یہاں سے نکال دے، پھر ہم ایسا قصور کریں تو ظالم ہوں گے۔" اللہ تعالےٰ جواب دے گا "دور ہو میرے سامنے سے، پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ تم وہی لوگ تو ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمیں معاف کر دے، ہم پر رحم کر، تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے، تو تم نے ان

---

[1] بہ لحاظ نزول یہ ۷۴ ویں سورت ہے۔

کا مذاق بنا لیا۔ یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے آج اُن کے اس صبر کا میں نے یہ پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔"

پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا" بتاؤ، زمین میں تم کتنے سال رہے؟" وہ کہیں گے" ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہم وہاں ٹھہرے ہیں، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے"۔ ارشاد ہوگا" تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونا۔ کاش تم نے یہ اس وقت جانا ہوتا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے؟"

عالمِ برزخ میں قیام

منظر کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب آدمی پر نزع کی حالت طاری ہوتی ہے اور عین پیغام اجل آجانے پر آدمی توبہ کا اعلان کرتا اور تلافیٔ مافات کے لیے دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کرتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے گویا ہم اس منظر کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس خواہش کا جواب خواہش کرنے والوں کی بجائے عام ناظرین کو دیا جاتا ہے تاکہ انہیں خاص کر متوجہ کیا جا سکے —— كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ——

"ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے"۔ یہ محض ایک لایعنی سی بات ہے اس اس کا کہنے والا کسی درخورِ اعتناء کا مستحق نہیں ہے۔ یہ خوف و دہشت میں کہی ہوئی بات ہے جس کی کوئی حیثیت اور کوئی جواب نہیں۔ سو یہ ہے وہ صورتِ حال جس میں رُوح اس سے جدا ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد ان سب مرنے والوں کے پیچھے اس دن تک ایک برزخ حائل ہے جس میں وہ دوبارہ زندہ اٹھائے جائیں گے — وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ —

موت کے بعد عالمِ برزخ میں قیام کی یہ مدت مختصر ہوتی ہے۔ پھر صور پھونکا جاتا ہے اور وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بے شک وہ اٹھ تو کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن اب ان کے آپس کے تمام تعلقات منقطع ہو گئے ہیں —— فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ —— آج ان کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں ہے۔ ان پر وحشت و ہولناکی طاری ہے۔ بیچارے مورتی بنے خاموش کھڑے ہیں۔ ایک دوسرے سے کچھ پوچھ بھی نہیں رہے۔ اس کے بعد نیکیوں اور برائیوں کے تولے جانے کی مجسّم تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جیسا کہ ایک دوسرے منظر میں یہ نقشہ گزر چکا ہے — یہاں زیادہ دیر ٹھہرنے کی نوبت نہیں آتی کہ فوراً ایک نیا منظر شروع ہو جاتا ہے

مجالِ کلام بھی نہیں

عملوں کے ناپ تول کا کام جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ ہم ان لوگوں کے پیچھے ہو لیتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہروں کو دوزخ کی آگ چاٹ رہی ہے ان کے چہرے کیا ہیں ہڈیوں سے

ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ ایک طرف تو یہ جسمانی عذاب ہے جو محسوس ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قلب و روح کے لیے اذیت بھی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت میں ضمیر انہیں ملامت کر رہا ہے۔ یہ چیز ان کی طویل گفت گو سے صاف عیاں ہے ذرا سنیئے! ـــــ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ـــــ "کیا تم وہی لوگ نہیں ہو کہ میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے" انہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید اب انہیں بات کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے اس لیے اب ان کی درخواست پوری ہونے والی ہے اور ان کا اعترافِ گناہ قبولیتِ درخواست کے لیے مفید ہے اس لیے جواب دیتے ہیں ـــــ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ـــــ اس اعتراف سے تلخیٔ حقیقت اور ان کی شومیٔ قسمت ٹپکی پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ التجا کرتے ہیں ـــــ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ـــــ "اے ہمارے پروردگار، اب ہمیں یہاں سے نکال دے پھر ہم ایسا قصور کریں تو ظالم ہوں گے" ـــــ گویا وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے انہوں نے اپنے اخلاق تباہ کر لیے تھے۔ اس لیے انہیں صرف سوال کی حد تک ہی جواب دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ بلکہ شاید یہ ایسا سوال ہے جس کا ان سے کوئی جواب نہیں مانگا گیا چنانچہ انہیں سخت قسم کی جھڑکی دی جاتی ہے ـــــ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ـــــ "بس دور ہو میرے سامنے سے، پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے بات نہ کرو" ـــــ چپ رہو، کمینے اور ذلیل لوگوں کی طرح منہ بند کرو۔ جس انجام سے تم دوچار ہو اس کے تم واقعی مستحق ہو۔ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ "اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمیں معاف کر دے، ہم پر رحم کر، تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے تو تم نے ان کا مذاق بنایا۔ یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے" تمہارا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے انکار کیا اور اپنے آپ میں مگن رہے بلکہ ضد میں تم یہاں تک بڑھے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں اور اس کی رحمت کے طلب گاروں کا مذاق اڑایا اور ان پر ہنستے رہے۔ دیکھو آج ان کے اس صبر کا میں نے یہ پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں ـــــ اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ـــــ

کیا یہ زندگی بے مقصد ہے؟ اس سخت اہانت آمیز جواب، نیز اس اہانت کی اصل وجہ اور اس کی سزا بیان کرنے کے بعد ان سے ایک اور سوال کیا جاتا ہے ـــــ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ـــــ ؟ ـــــ بتاؤ! تم زمین میں کتنے سال

رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کتنی مدت زمین میں ٹھہرے اس لیے جواب دیتے ہیں ـــــ لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ـــــ ہم ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ ہی ٹھہرے ہوں گے۔ دراصل وہ اپنے انجام سے اتنے ناامید و مایوس ہو چکے ہیں کہ سمجھ رہے ہیں کہ زیادہ مدت ٹھہرے ہوں یا کم اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں۔اس لیے کہتے ہیں ـــــ فَسْئَلِ الْعَادِّيْنَ ـــــ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ "ہم حساب دان نہیں ہیں" پھر بارگاہِ ایزدی سے اس کا جواب کیا ملتا ہے سنیئے! جو کچھ عنقریب ہونے والا ہے اس کے لحاظ سے تم بہرحال تھوڑی دیر ہی ٹھہرے ہو۔ کیونکہ ہم نے تمہیں جلدی ہی دوسری زندگی دے دی۔ دنیا میں کئے ہوئے عملوں کا محاسبہ کیئے بغیر چارہ بھی کوئی نہ تھا ـــــ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ـــــ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی لوٹ کر نہیں آنا ہے۔اس لیے تم نے انکار کیا اور اسی لیے تم فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہو؟ اب دیکھ لو، جو کچھ تم نے سمجھ رکھا تھا اس کی وجہ سے تم کہاں کھڑے ہو؟

قیامت میں مجرمین کی تمنائے واپسی

۱- وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ

(السجدہ - ۱۲)

کاش! تم دیکھو وہ وقت جب یہ مجرم سر جھکائے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے (اس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے) اے ہمارے رب ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں واپس بھیج دے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اب یقین آگیا ہے۔

۲- اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ

(السجدہ ۱۹--۲۰)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے تو جنتوں کی قیام گاہیں ہیں۔ ضیافت کے طور پر ان کے اعمال کے بدلے میں اور وہ جنہوں نے فسق اختیار کیا ہے۔ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔جب کبھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو اب اسی آگ

لہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۷۵ ویں سورت ہے۔

کے عذاب کا مزا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

پہلا منظر ان مجرمین کا منظر ہے جو اپنے رب کے حضور میں سر جھکائے کھڑے ہیں۔ ذلت و رسوائی کے مارے چہرے اوپر اٹھاتے ہیں نہ آنکھیں ملاتے ہیں۔ منظر کو تازہ اور مستحضر رکھنے کے لیے شروع میں کلام کا انداز خطاب کا نہیں محض بیان کا ہے۔ جونہی ہم ان مجرمین کو بارگاہ ایزدی میں اس حال میں کھڑا دیکھتے ہیں وہ اچانک بول پڑتے ہیں۔ گویا پہلے جملے کا مقصود منظر سے پردہ اٹھانا ہے تاکہ ہم مجرمین کو دیکھ لیں اور ان کی بات سن لیں۔ چنانچہ وہ سر جھکائے التجا کرتے ہیں "اے ہمارے رب! ہم نے خوب دیکھ سُن لیا۔ ہمیں واپس لوٹا دے تاکہ ہم نیک عمل کر لیں۔ اب ہمیں یقین آگیا ہے۔" آنکھوں کے سامنے اپنا حشر دیکھ کر اب انہیں قیامت اور آخرت کی زندگی کا یقین آگیا ہے۔

دوسرا منظر مدنی آیات میں آنے والا ہے اس لیے اس کے بیان کا اصل موقعہ وہیں ہے جہاں ہم مدنی آیات بیان کریں گے اگرچہ یہاں عقلاً سیاق و سباق کے لحاظ سے ان آیات کے مدنی سورتوں میں بیان کرنے کی طرف کوئی خاص راہنمائی نہیں ملتی۔ تاہم جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر جو منظر پیش کیا گیا ہے وہ مدنی سورۃ الحج میں پیش کردہ منظر سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ ہم نے یہ بھی اندازہ کر لیا ہے کہ باہم مشابہ یا آپس میں زیادہ سے زیادہ موافقت رکھنے والے مناظر اکثر یکے بعد دیگرے نازل ہونے والی سورتوں میں آتے ہیں لیکن یہ سب کچھ ظن و تخمین ہے کیونکہ ترتیب نزولی میں کوئی حتمی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا قاری سے التماس ہے کہ وہ اس منظر کا مشاہدہ سورۃ الحج میں پیش کردہ منظر کے ساتھ ہی کرے جس کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا۔

عذاب آخرت اور نظام کائنات کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور، کتاب مسطور اور بیت معمور کو بطور دلیل پیش کر کے قیامت عذابِ آخرت اور ثوابِ عقبیٰ کا نقشہ سورۃ طور میں یوں پیش فرمایا ہے:

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ

قسم ہے طور کی، اور ایک ایسی کھلی کتاب کی جو رقیق جلد میں لکھی ہوئی ہے اور آباد گھر کی، اور اونچی چھت کی اور موجزن سمندر کی کہ تیرے

السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۭ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۭ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

(الطور[1] ۱-۱۶)

رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں وہ اس روز واقع ہوگا جب آسمان بُری طرح ڈگمگائے گا اور پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے۔ تباہی ہے اس روز اُن جھٹلانے والوں کے لیے جو آج کھیل کے طور پر اپنی حجت بازیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ جس دن انہیں دھکے مار مار کر نارِ جہنم کی طرف لے چلا جائے گا اس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ "یہ وہی آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، اب بتاؤ، یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھ نہیں رہا ہے؟ جاؤ اب جھلسو اس کے اندر تم خواہ صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لیے یکساں ہے، تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗــــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ مُتَّكِــــِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّــتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَـقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِی ٔبِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝

(الطور ۱۷-۲۸)

متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے لطف لے رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کا رب انہیں دے گا اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا (ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے، جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجۂ ایمان میں ان کے نقشِ قدم پر چلی ہے ان کی اس اولاد کو بھی ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہ دیں گے ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔ ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت، جس چیز کو بھی ان کا جی چاہے گا خوب دیے چلے جائیں گے۔ وہاں وہ ایک دوسرے سے جامِ شراب لپک لپک کر لے رہے ہوں گے جس میں نہ یاوہ گوئی ہوگی نہ بدکرداری اور ان کی خدمت میں وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو انہی کے لیے مخصوص ہوں گے، ایسے خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے (دنیا میں گزرے ہوئے) حالات پوچھیں گے۔ یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے، آخر کار اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم پچھلی زندگی میں اسی سے

---

[1] بہ لحاظ نزول یہ ۷۶ ویں سورت ہے ؛

دعائیں مانگتے تھے، وہ واقعی بڑا محسن اور رحیم ہے۔

نظامِ کائنات کی شہادت

ان مناظر میں پیش کردہ تصاویر و خیالات سے غیر شعوری طور پر استدلال کا رنگ غالب ہے۔ ان کے مطالعہ و مشاہدہ کے لیے ایسے منجھے ہوئے شاعر کے ذہنِ رسا کی ضرورت ہے جو اس بات کا فہم رکھتا ہو کہ نفسِ انسانی میں ان تصاویر و خیالات سے کیسے استدلال کیا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کے درمیان بظاہر دُور کا تعلق بھی نہ ہو۔ چنانچہ یہاں کچھ چیزوں کے وقوع پر کچھ دوسری چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ پہلی قسم کی چیزوں (مقسم علیہ) اور دوسری قسم کی چیزوں (مقسم بہ) کے درمیان تناسب و استدلال کا یہ رنگ موجود ہے۔ قبل ازیں سورۃ العادیات اور سورت المرسلات میں تناسب و استدلال کے دو مختلف انداز موجود ہیں جن میں آپس میں بھی کئی پہلوؤں سے فرق موجود ہے۔

یہاں سب سے پہلے کوہِ طور کی قسم ہے۔ طور وہ خاص پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ قسم قرآن کے قاری کو حضرت موسیٰؑ اور ان تختیوں کا قصہ یاد دلاتی ہے جن پر حضرت موسیٰؑ کو وحی لکھ کر دی گئی تھی۔ کوہِ طور کی قسم کے بعد پتلی جھلی پر لکھی ہوئی کتاب کی قسم ہے۔ یہ گویا پہلا استدلال ہے۔ اس کے بعد بیت المعمور کی قسم ہے یہ مسلمانوں کے لیے ایسا ہی مقدس مقام ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے کوہِ طور۔ یہ دوسرا استدلال ہے۔ پھر اونچی چھت کی قسم ہے جس سے مراد آسمان ہے یہ معنویت کے لحاظ سے مقدس ترین مقامات سے استدلال کی شکل ہے۔ "چھت" کا لفظ لفظی اور تصوری نقطۂ نظر سے اس سے متصل پہلی آیت میں مذکور "آباد گھر" کی ایک علامت ہے اور تیسری دلیل کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ پھر موجزن سمندر کی قسم ہے۔ بحرِ نیلگوں اپنے منظر اور اتھاہ پہنائیوں کے لحاظ سے چرخ نیلگوں کے ساتھ گہری مناسبت رکھتا ہے۔ دونوں سے وقوعِ عذابِ آخرت پر پُرزور استدلال کیا گیا ہے اس طرح یہ چوتھا استدلال ہے یہ سارے استدلال کلام کے پہلے حصے میں موجود ہیں جو قسم کے ساتھ مختص ہے۔ دوسرا حصہ جو مقسم علیہ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں قیامت کے مختلف مناظر و واقعات پر استشہاد پہلے حصے میں بیان کردہ اشیاء سے کیا گیا ہے اس لیے کہ دونوں میں ہم آہنگی اور تناسق موجود ہے۔ چنانچہ مقسم بہ اور مقسم علیہ کے ذکر کے بعد قیامت کے دن کی تفصیلات کا نقشہ ان الفاظ

میں کھینچا گیا ہے ——— يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ——— (جب آسمان بُری طرح ڈگمگائے گا)

قیامت کی یہ پُر ہیبت و لرزہ خیز صورتِ حال "بلند چھت" کو بطورِ شہادت کے پیش کر کے بیان کی جا رہی ہے یعنی جس طرح کسی بلند و بالا عمارت کی چھت جب لرز رہی ہو تو اس عمارت کی تباہی و بربادی یقینی ہو جاتی ہے اسی طرح آسمان کی یہ بلند و بالا چھت جو آج ہر لحاظ سے مستحکم اور قائم و دائم نظر آ رہی ہے قیامت کے روز اس پر شدید لرزہ طاری ہو گا اور یہ ہچکولے کھا رہی ہو گی۔ نیز اس روز یہ جامد و مضبوط پہاڑ اُڑے اڑے سے پھر رہے ہوں گے ——— وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ——— کوہ طور کے جمود و استحکام کو بطور گواہ پیش کر کے واقعۂ قیامت کی حقیقت بیان کی جا رہی ہے کہ کوہِ طور کی قسم کے یہ پہاڑ جو اپنے جمود و استحکام کی وجہ سے ہزار ہا سال سے اپنی جگہ سے ہلنے نہیں پائے۔ قیامت کے روز ان کی حالت یہ ہو گی کہ ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے پھر رہے ہوں گے۔ پس اس ہولناک دن میں تباہی و بربادی ان جھٹلانے والوں کے لیے ہے جو آج کٹ حجتیوں کے کھیل میں محو ہیں۔ کٹ حجتیوں کے کھیل میں غرق ہونا گویا موجزن سمندر میں غرق ہونا ہی ہے ——

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝ ———

یوں منظر کی تصاویر سے خیالات کا لطیف استدلال مکمل ہو جاتا ہے۔ جس کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جو لطیف شعور سے بہرہ ور ہو۔ مناظر ایسی ترتیب سے پیش کئے گئے ہیں جو استدلال سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے بعد یہ مناظر عذاب کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں جس میں اس بربادی کی تفصیل دی گئی ہے جو مکذبینِ حق کے انتظار میں ہے۔

مُکذّبینِ حق کی دُرگت

یہ ہیں وہ لوگ جنہیں دھکے مار مار کر آتشِ جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے ——— يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ——— عربی لفظ دعّ اپنی آواز ہی سے اپنے معنی کا تصور دلا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامع، مکذبین حق کی پیٹھوں میں دھکّے پڑنے اور گرزوں کی انیوں سے ٹھونکے لگا کر دھکیلنے کی آواز سن رہا ہے اس میں اور اس کھیل تماشے میں گہرا تقابل موجود ہے جس میں وہ دنیوی زندگی میں غرق تھے جونہی انہیں سختی اور عذاب کی طرف دھکیلا جا رہا ہے جہنم کی طرف اشارہ کر کے کہا جاتا ہے ——— هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ——— یہ وہی آگ تو ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر سیاقِ کلام کا لب و لہجہ عام خطاب کے بجائے دھمکی اور وعید میں تبدیل ہو جاتا

ہے ——— اَفَسِحۡرٌ ھٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ——— کیا یہ جو کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو جادو ہے ؟ — جیسا کہ تم آیاتِ الٰہی کے بارے میں کہا کرتے تھے حالانکہ ان میں سب سے نمایاں قرآن تھا — یا تم اندھے ہو گئے ہو اور جو کچھ تم دیکھ رہے ہو اس سے تم نے آنکھیں مونڈ لی ہیں ؟ اس کے بعد سیاقِ کلام میں دوبارہ خطاب کا انداز عود کر آتا ہے۔ حکم ہوتا ہے ——— اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ ——— جاؤ اب جھلسو اس کے اندر، تم خواہ صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے یکساں ہے۔ اس میں سے نہ نکلنے کی کوئی صورت ہے نہ فرار کی۔ درحقیقت تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے۔ جیسے تم عمل کر رہے ہو ——— اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ——— یہی ان کی جزا ہے۔ یہ جزا بلا وجہ نہیں ہے۔ اس کے کچھ اسباب موجود ہیں۔ اس میں اب کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے جیسا کہ قرآن کا یہ دستور ہے کہ وہ جنت و دوزخ کے مناظر ساتھ ساتھ بلکہ اکثر اوقات ایک دوسرے کے بالمقابل پیش کرتا ہے

دورِ قدح و شُربِ مُدام

اس موقعہ پر کلامِ الٰہی جنّت کی تصویر اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ وہ محسوس حقیقی جنّت ہے۔ جس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ البتہ ایک چیز یہاں نئی ہے۔ یہ اس نیک اولاد کا ذکر ہے جو والدین کے نقشِ قدم پر چلتی رہی ہے آج نہ اُن کے اجر میں کمی ہوگی نہ اِن کے اجر میں۔ شرابِ طہور کا جو جام وہ جنت میں پئیں گے اس کی کیفیت جس اچھوتے انداز میں بیان کی گئی ہے وہ ہماری توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ——— يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ ——— وہ ایک دوسرے سے شرابِ طہور کا جام لپک لپک کر لے رہے ہیں۔ اصل عربی میں لفظ تنازع استعمال ہوا ہے جس کے معنی عموماً "جھگڑے" کے لیے جاتے ہیں۔ حالانکہ جنت کے پُرمسرّت گھر میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہاں اس سے مراد آگے بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے سے شرابِ طہور کا وہ جام لینا اور دینا ہے جو حد سے زیادہ خوشذائقہ اور پاکیزہ ہے۔ جس کا دَور پاک باز لوگوں میں مشترک چلے گا۔ اسی طرح ہم ایک اور نئی چیز دیکھتے ہیں۔ نوعمر لڑکے شرابِ طہور کے ساغر لیے دوڑے پھر رہے ہیں۔ یہ نوعمر لڑکے صرف اہلِ جنت ہی کی خدمت و تواضع کے لیے مخصوص ہیں ——— وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ ——— ان کی خدمت میں وہ نوعمر لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو

انہی کے لیے مخصوص ہوں گے۔ ایسے خوبصورت جیسے آب و تاب، چمک دمک اور حفاظت کی خاطر چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ اور اس شرابِ طہور کی خصوصیت یہ کہ نہ اس میں بادہ گوئی ہو گی نہ بدکرداری۔ شراب کی یہ بڑی لطیف عکاسی ہے۔ کیسی بے نظیر شراب ہے یہ کہ اس میں لغو بات نہیں۔ گویا لغو بات وہ بکواس ہے جو دنیا کی شراب پینے والے عموماً بدمست ہو کر بکتے ہیں۔ یہ چیز دنیا میں پی جانے والی شراب کی سرشت میں داخل ہے لیکن اس کے برعکس جنت کی یہ شراب ایسی عجیب و غریب ہے کہ اس بیہودہ بکواس سے بھی پاک ہے اور گناہ سے بھی پاک!

آخری منظر بلند تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھنے والوں، شرابِ طہور کے جام پر جام لنڈھانے والوں اور نہایت پسندیدہ میوہ کھانے والوں کے درمیان باہمی گفتگو کا منظر ہے۔ ہاں! باہمی گفت گو اور پرانی یادیں تازہ کرنے کا منظر ہے۔ دیکھئے ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں ——— وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ ———
آج جس نعمتِ ابدی سے ہم کنار ہیں اس کے اسباب پر آپس میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ——— اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ ——— ہم اپنے گھروں میں بے خوف و خطر رہتے ہوئے بھی آج کے دن اور اس دن کی تکالیف سے ڈرتے تھے۔ لیکن اللہ نے ہم پر احسان کر دیا ہے اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے اس عذاب سے بچا لیا ہے۔ جس کا مزہ تکذیبِ حق کا ارتکاب کرنے والے آج چکھ رہے ہیں۔ دراصل اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنا جسم و جان اپنے خالق و پروردگار کے حوالے کر دیا تھا ہم اسی کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ گئے تھے اور اس دن کے عذاب سے بچنے کی دعائیں اسی سے مانگا کرتے تھے۔ بلاشک وہ بڑا محسن اور بڑا رحیم ہے اس نے ہماری دعائیں قبول فرمالی ہیں اور ہمیں اس نعمتِ ابدی سے نواز دیا ہے۔ آج ہم جس نعمتِ بے پایاں سے بہرہ مند ہیں اس سے بہرہ یاب ہونے کا اصل راز یہی ہے ——— اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ———

یوں اس منظر پر متاعِ جنت کی تصویر ختم ہوتی ہے۔ وہ متاعِ جنت جو محسوس کی جا سکتی ہے جو تصور میں لائی جا سکتی ہے اور جو قلب و روح کی دولت ہے۔

انکارِ دعوتِ حق اور آخرت کی رُوسیاہی

دعوتِ حق کا انکار کرنے والے قیامت کے روز اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے اور پچھتائیں گے لیکن اس روز اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ عذاب ان کے سامنے ہوگا اس کی ایک جھلک دیکھتے ہی ان کا رنگ فق ہو جائے گا۔

۱۔ وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

(سورۃ الملک[1] ۶ - ۱۲)

جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے اور وہ جوش کھا رہی ہوگی۔ شدتِ غضب سے پھٹی جاتی ہوگی۔ ہر بار جب کوئی انبوہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے کارندے ان لوگوں سے پوچھیں گے "کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے "ہاں، خبردار کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے۔ تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔" اور وہ کہیں گے کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں نہ شامل ہوتے۔" اس طرح وہ اپنے قصور کا اعتراف خود کر لیں گے، لعنت ہے ان دوزخیوں پر۔ جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، یقیناً ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر۔

۲۔ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝

(الملک ۲۵ - ۲۷)

یہ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟" کہو "اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ میں تو بس صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔" پھر جب یہ اس چیز کو قریب دیکھ لیں گے تو ان سب لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے، جنھوں نے انکار کیا ہے اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز جس کے لیے تم تقاضے کر رہے تھے۔

انکارِ حقیقت کا انجام، حسرت

"تخمیص" ایسا اندازِ بیان ہے جو کسی تصویری خاکے میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ اس سے غیر مرئی خیالات

---

[1] بہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۷۷ویں سورت ہے۔

اور بے جان اشیا جسم و جان پاکر زندہ و مجسم انسان کی شخصیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بڑا پیارا اور پُر تاثیر اندازِ بیان ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات میں جہنم ایک زندہ و متحرک وجود کی حیثیت میں پیش کی گئی ہے۔ اہلِ کفر کو اس میں یوں جھونکا جا رہا ہے جیسے کسی غول بیابانی کے آگے پھینکا جا رہا ہو اور وہ دھاڑیں مار کر ان پر پل پڑے۔ جہنم سخت جوش میں ہے حتیٰ کہ اس کا جوشِ غضب کناروں سے باہر چھلکا جا رہا ہے۔ منظر اتنا خوفناک ہے کہ دل دھک دھک کر رہے ہیں اور جسموں پر کپکپی طاری ہے۔ لوگ اس دھاڑتے ہوئے غولِ بیابانی سے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ ہم سنتے ہیں کہ دوزخ کے محافظ فرشتے دوزخ میں پھینکے جانے والے ہر گروہ سے بار بار ایک ہی سوال پوچھ رہے ہیں ــــــ اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ؟ ــــــ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ۔ اس وقت ہر گروہ ایک ہی صورت حال سے دوچار ہے اس لیے سب کا جواب بھی ایک ہی ہے ــــــ بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا ــ کیوں نہیں! ڈرانے والا ہمارے پاس ضرور آیا تھا۔ لیکن ہم نے اسے جھٹلا دیا۔ بلکہ بڑے ڈھیٹ پنے سے اس کی بات کا انکار کر دیا ــــــ وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ اے پیغمبرانِ خدا! خدا نے تو کوئی چیز بھی نازل نہیں کی تم خود ہی بہت بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو" ورنہ ہم تو بالکل سیدھی راہ پر ہیں۔ اِدھر وہ اعترافِ گناہ کرتے ہیں اُدھر وہ شرم و حیا کا نقاب اتار پھینکتے ہیں۔ اور سرے سے اس بات ہی کا انکار کر دیتے ہیں کہ ان کے کان اور عقل سلامت ہیں۔ ورنہ وہ ضرور دعوتِ حق سنتے اور اس پر غور کرتے ــــ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ کاش! ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں نہ شامل ہوتے! یہ ہے بھی حقیقت۔ جب تک انسان ان کانوں سے محروم نہ ہو جائے جو ہدایت کی بات سُن سکیں اور جب تک اس عقل سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے جو حق کی طرف راہنمائی کرتی ہو۔ انسان دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں نہیں جا سکتا۔ بہرحال اب تو انہوں نے خود اعترافِ جرم کر لیا ہے! لعنت ہے ان دوزخیوں پر! پھٹکار ہے دعوتِ حق کا انکار کرنے والوں پر!

دوسری طرف اختصار کے ساتھ مومنین صالحین کے بارے میں فرمایا جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

دوزخ کی جھلک باعثِ رُوسیاہی دوسرا منظر ایک طرح سے بڑے عجیب انداز

میں ختم ہوتا ہے۔ منکرینِ حق حسبِ معمول آخرت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور شک کے انداز میں پوچھتے ہیں ——— مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ——— اگر تم سچے ہو تو بتاؤ قیامت کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ جواب ملتا ہے ——— اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ——— بلاشک اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ دراصل اس جواب کے بین السطور میں یہ کہا گیا ہے کہ "برا ہو تمہارا" تمہاری بے خبری میں وہ مقررہ دن تو فی الواقع آ گیا ہے۔ وہ دن اچانک ان کے قریب آ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال تصور میں آتی ہے لیکن سیاقِ کلام پیش آنے والے مناظر کو پل بھر میں لوحِ خیال پر مجسم صورت میں پیش کر دیتا ہے ——— فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ——— جب وہ اسے بالکل اپنے قریب پاتے ہیں اہلِ کفر کے چہروں پر سیاہی پھیل جاتی ہے۔ ان کے چہرے بڑے بھیانک معلوم ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے "یہ وہی کچھ تو ہے جس کا تم تقاضا کر کے جھٹلایا کرتے تھے۔"

عذاب کے اچانک آ جانے کا یہ منظر ذہنِ انسانی پر کئی گنا گہرا اثر ڈالتا ہے۔ کیونکہ عذاب ان پر اس طرح اچانک آ نازل ہوتا ہے جس کا انہیں سان گمان تک نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جب وہ آتا ہے وہ حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں کہ کیا واقعی یہ عذاب ہی ہے؟۔

رسولِ خدا کی نافرمانی اور میدانِ حشر

سورۃ الحاقۃ[1] میں قیامت کے ہولناک منظر کی تفصیلی تصویر یوں کھینچی گئی ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ ۢبِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ ۢبَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾

ہونی شدنی! کیا ہے وہ ہونی شدنی؟ اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے ہونی شدنی؟ ثمود اور عاد نے اس اچانک ٹوٹ پڑنے والی آفت کو جھٹلایا۔ تو ثمود ایک سخت حادثہ سے ہلاک کئے گئے اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط رکھا۔ (تم وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ وہاں

---

[1] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے اس سورت کا نمبر ۷۸ ہے۔

لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِذَا
نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ
وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ
الۡوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾
وَّالۡمَلَكُ عَلٰٓى اَرۡجَآئِهَا ؕ وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ
يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ
خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ
هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ ﴿١٩﴾ اِنِّيۡ ظَنَنۡتُ اَنِّيۡ مُلٰقٍ حِسَابِيَهۡ ﴿٢٠﴾
فَهُوَ فِيۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِيۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوۡفُهَا
دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا بِمَآ اَسۡلَفۡتُمۡ فِي الۡاَيَّامِ
الۡخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ
يٰلَيۡتَنِيۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِيَهۡ ﴿٢٥﴾ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ ﴿٢٦﴾
يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغۡنٰى عَنِّيۡ مَالِيَهۡ ﴿٢٨﴾
هَلَكَ عَنِّيۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ﴿٢٩﴾ خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ
الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِيۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ
ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ
الۡعَظِيۡمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيۡسَ
لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ﴿٣٦﴾
لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخٰطِئُوۡنَ ﴿٣٧﴾

(سورۃ الحاقۃ ١ - ٣٧)

اس طرح پچھڑے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور
کے بوسیدہ تنے ہوں۔ اب کیا ان میں سے
کوئی تمہیں باقی بچا نظر آتا ہے؟ اور اسی
خطائے عظیم کا ارتکاب فرعون اور اس سے
پہلے کے لوگوں نے اور تل پٹ ہو جانے والی
بستیوں نے کیا۔ ان سب نے اپنے رب کے رسول
کی بات نہ مانی تو اس نے ان کو بڑی سختی کے
ساتھ پکڑا۔ جب پانی کا طوفان حد سے گزر
گیا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر دیا تھا تاکہ
اس واقعہ کو تمہارے لیے ایک سبق آموز یادگار
بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کی یاد
محفوظ رکھیں۔ پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک
ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر
ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا
اس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا
اس دن آسمان پھٹے گا اور اس کی بندش ڈھیلی
پڑ جائے گی، فرشتے اس کے اطراف و جوانب
میں ہوں گے اور آٹھ فرشتے اس روز تیرے
رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہونگے
وہ دن ہوگا جب تم لوگ پیش کیے جاؤ گے۔
تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہ رہ جائے گا۔ اس وقت
جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں
دیا جائے گا وہ کہے گا "لو دیکھو، پڑھو میرا نامۂ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے
والا ہے۔" پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا، عالی مقام جنت میں جس کے پھلوں کے گچھے جھکے پڑ
رہے ہوں گے (ایسے لوگوں سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے بدلے
میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے ہیں۔ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا
وہ کہے گا "کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش
میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا
اقتدار ختم ہو گیا۔" (حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک
دو، پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو

کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ لہٰذا آج نہ یہاں اس کا کوئی یار غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا جسے خطاکاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔

وہ ہونی شُدنی کیا ہے؟ الحاقۃ سے مراد قیامت ہے۔ قیامت کے لیے اس لفظ کا استعمال اس کی معنویت کے لحاظ سے ہوا ہے۔ الحاقہ کے معنی ہیں وہ واقعہ جس کا پیش آنا برحق ہے۔ عدلِ الٰہی کا برحق ہونا اور نیک و بد کی جزا کا فیصلہ ہونا اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس واقعہ کے بالفعل ظہور میں آنے کا اولین تقاضا ہے جیسا کہ تھوڑا آگے چل کر اس سورت میں اس کی وضاحت ہوگی۔ کیونکہ ابتدائی دو سوالوں کے فوراً بعد عاد و ثمود کے قیامت کی تکذیب کرنے کا ذکر آنے والا ہے۔

اس لفظ کے استعمال میں تصویری پہلو بھی ملحوظ ہے کیونکہ اس میں واقعہ کے ساتھ صوتی ہم آہنگی موجود ہے۔ اس کی آواز کسی وزن کے اوپر اٹھا کر کسی ٹھکانے پر ٹکا کر رکھ دینے سے بہت مشابہ ہے۔ چنانچہ الحاقۃ میں حرف "الف" کے ساتھ "ح" کی آواز کسی وزن کے اٹھانے کی مانند ہے۔ اس کے بعد "ق" کی تشدید اور آخر میں "ت" جو وقف کی وجہ سے ساکن ہے صوتی اعتبار سے ایسی ہے جیسے وزن کو ٹکا کر رکھ دیا جائے۔ یوں قرآن کے الفاظ و عبارات سے پیدا ہونے والی آواز منظر اور اس کے واقعات کی معنویت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ محسوس ہوتی ہے۔

بات "الحاقۃ" کی چل نکلی ہے۔ آئیے ہم منظر و پس منظر کے وسیع تر دائرے پر نگاہ ڈالیں۔ ان آیات میں پوری فضا خوف و دہشت، عظمت و بزرگی کی فضا ہے جس سے ایک طرف تو انسان کے دل میں قدرتِ الٰہی کی عظمت و کبریائی کا احساس ہوتا ہے دوسری طرف اس قدرتِ الٰہی کے مقابلے میں وجودِ انسانی کی حقارت و بے حقیقتی کا اذعان۔ کلام کے الفاظ اپنے معانی، صوتی موزونیت اور فقرات کی مجموعی بندش کے ساتھ اس منظر اور اس پر طاری پُر رعب و مہیب فضا کو پیدا کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ کلام کا آغاز لفظ واحد — الْحَاقَّةُ ﴿١﴾ سے ہوتا ہے جس کی بظاہر کوئی خبر نہیں۔ اس کے بعد سوال ہوتا ہے — مَا الْحَاقَّةُ ﴿٢﴾ — وہ ہونی شدنی کیا ہے؟ — اس استفہام کے ذریعے پیش آنے والے حادثۂ عظیم کی عظمت و ہیبت سے چونکانا مقصود ہے۔ پھر مخاطب کی اس حادثہ سے بے خبری اور سوال کے ناقابل فہم ہونے کا شدید احساس دلا کر اس حادثۂ جانکاہ کے ہول و جلال میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ ارشاد

ہے —— وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَآقَّةُ ؁ —— آپ کیا جانیں وہ ہونی شُدنی کیا ہے؟

عاد وثمود کا انکار

کلام آپ کو اس سوال کا جواب دیئے بغیر چھوڑ دیتا ہے۔ آپ اس ہولناک حادثۂ عظیم کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں جس کا آپ کو کوئی علم نہیں نہ جس کا علم آپ کے بس میں ہے۔ منظر کے سامنے اس بے چارگی میں کھڑے آپ لمحہ بھر کے لیے عالمِ حیرت واستعجاب میں مستغرق رہتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے —— كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَةِ ؁ —— آپ نہیں جانتے کہ یہ "الحاقہ" کیا ہے؟ یہ دراصل "القارعۃ" یعنی اچانک ہولناک طریقے سے گڑگڑاتے آنے والی گھڑی قیامت ہے کیا آپ نے اس کا بالفعل وقوع میں آنا محسوس کیا؟ کیا آپ کے دل میں اس کی خوفناک گڑگڑاہٹ کا احساس ہُوا؟ حقیقت یہ ہے کہ عاد وثمود نے اسی "القارعہ" کو جھٹلایا تھا لیکن انجام کیا ہُوا؟ ——

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ ——————

قوم ثمود تو ایک نہایت سخت دھماکے سے ہلاک کی گئی اور قوم عاد کے لوگ ایک بڑی شدید طوفانی آندھی کے ہاتھوں لقمۂ اجل ہوئے۔

قیامتِ کبریٰ کا ہولناک تصوّر

"الطاغیۃ" نہایت زوردار دھماکہ —— جس کے نام میں سرکشی، پھیلاؤ اور ہمہ گیری کا مفہوم موجود ہے۔ نیز "صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ" —— شدید طوفانی آندھی، دونوں اگرچہ اپنی شدت وہولناکی میں القارعۃ سے کم تر ہیں لیکن القارعہ کے بعد دونوں کا ذکر شاید اس لیے کیا گیا ہے تاکہ آپ کو القارعۃ کی شدت وہولناکی کا احساس قدرے نزدیک سے ہو جائے۔ چنانچہ یہ "طاغیۃ" اور "صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ" دونوں تباہی وبربادی کے لحاظ سے اسی نوع کے حادثات ہیں جس نوع کے حادثے کی خبر "الحاقہ" کی صورت میں دی جا رہی ہے۔ قوم عاد وثمود کی تباہی اس دنیا میں انہی خوفناک حادثات کے ذریعے ہوئی جس کے آثار اب بھی آپ کے قرب وجوار میں موجود ہیں۔ اس افتاد کی نوعیت ایک لحاظ سے الحاقہ کی تھی اور ایک لحاظ سے القارعہ کی جب آپ الحاقہ کے جامع تصور کے ادراک سے عاجز رہے —— اور یقیناً آپ اس سے عاجز ہیں تو آپ کے سامنے (زبردست دھماکے کی آواز اور "صرصر عاتیۃ" (زبردست طوفانی آندھی) کی صورت میں الحاقہ کا ایک چھوٹا سا نمونہ رکھ دیا گیا ہے۔ یہ دونوں حادثات اس دنیوی زندگی میں رُونما ہونے والے حادثات ہیں۔ گویا یہ قیامتِ صغریٰ ہے۔ اس پُرہول فضا

کے اندر ان حادثات کو اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ تصور میں لایا جائے تو ایک خوفناک منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ایک تند و تیز طوفان ہے جو خوفناک آواز کے ساتھ پوری سات راتیں اور آٹھ دن چلتا رہتا ہے جس میں لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کھجور کے کھوکھلے بوسیدہ تنوں کی طرح گرے پڑے ہیں ——— فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ لیجئے اب یہ آپ کے سامنے گرے پڑے ہیں ذرا انہیں غور سے دیکھئے ۔ ان میں سے کوئی باقی بچا نظر آتا ہے ؟ --- فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝ ——— ہر گز نہیں! کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔ جب اس قیامتِ صغریٰ میں تباہی و بربادی کا عالم یہ ہے تو پھر آپ کو اس سے نصیحت پکڑنی چاہیئے۔ اس سے ضرور عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور قیامتِ کبریٰ میں ہونے والے ہولناک انجام سے ڈرنا چاہیئے۔ اپنے دل کے دریچے وا کر دینے چاہئیں تا کہ ان دیکھی اور ان جانی حقیقتوں پر ایمان آپ کے قلب و روح کے اندر داخل ہو سکے۔

رسولِ خدا کی نافرمانی کا انجام زاں بعد آپ کے سامنے ایک اور منظر آتا ہے جو ممکن ہے کہ آپ پر الحاقۃ ہی کا سا خوف اور القارعہ ہی کا سا ہول طاری کر دے۔ وہ دیکھیں فرعون، اس سے پہلے کے سرکش لوگ اور قوم لوط۔ دنیا میں جن کی بستیاں ان کی بغاوت و سرکشی کی پاداش میں تلپٹ کر دی گئی تھیں۔ اپنے عملوں کے پٹارے میں گناہ و سرکشی کے ڈھیر لیے یوں آ پہنچے ہیں جیسے کوئی جسم دار چیز ہے جو وہ اٹھا کر لائے ہیں۔ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی ہے ——— فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ ——— گو یہ رسول تعداد میں زیادہ ہیں لیکن کلام میں ان کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کر کے انہیں ایک رسول کی حیثیت دی گئی ہے اس لیے کہ خدائے واحد کی طرف سے سب کا پیغام ایک ہی ہے۔ اس نافرمانی کی پاداش میں رب ذوالجلال نے ان پر بڑی سخت گرفت کی ہے ——— فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ ——— اس پکڑ کو "رابیۃ" کے لفظ سے تعبیر کر کے اس کے اور "الطاغیۃ" کے درمیان گہرا ربط قائم کیا گیا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ آگے بڑھ کر ہر چیز پر چھا جاتی ہے۔ ہر ایک بپھر کر بحر متلاطم کی طرح بے قید و شوریدہ سر بن جاتی ہے۔ چنانچہ کلام میں بیان کردہ مناظر کا یہ باہمی ربط و تناسب پورے میدانِ حشر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جونہی ہم ان ہولناک، ہمہ گیر اور محیّر العقول مناظر کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اچانک ہمارے سامنے پُرہیجان طوفان کا منظر آجاتا ہے جو اپنی ہولناکی، حیرت انگیزی اور ہمہ گیری میں ان مناظر سے پوری پوری مناسبت رکھتا ہے ـــــ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ﴿۱۱﴾ ـــــ جب پانی کا طوفان حد سے گزر گیا تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کر دیا تھا تاکہ اس واقعہ کو تمہارے لیے ایک سبق آموز یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کی یاد محفوظ رکھیں۔ یوں انسان کا محدود بشری احساس و شعور "الحاقۃ" کی غیر محدود ہولناکی اور اس ہمہ گیر، زبردست اور خوفناک دھماکے کے مناظر کی پیش رفت کے لیے بالکل تیار ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد منظر اپنی تکمیل کو پہنچنے لگتا ہے۔ ایک جھٹکے کے ساتھ پوری کائنات دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے ـــــ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ ﴿۱۶﴾ ـــــ پھر جب ایک دفعہ صُور میں پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا۔ اس دن آسمان پھٹے گا اور اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے گی ـــ جب ہم میدانِ حشر کے وسیع اسٹیج پر نگاہ ڈالتے ہیں جہاں یہ سب مناظر ظہور میں آرہے ہیں تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ "الحاقۃ" (ہونی شدنی واقعہ) القارعۃ (کھڑکھڑانے والی) الطاغیۃ (زوردار دھماکہ) العاتیہ (زبردست طوفان) الرابیہ (زوردار پکڑ) الدکّۃ الواحدہ (ایک زبردست چوٹ) اور الواقعہ (قطعی پیش آنے والا واقعہ) یہ سب ایک ہی عظیم ہولناک حادثے کی مختلف کیفیات کے مظہر ہیں۔ حادثے کی ان کیفیات میں پیدا ہونے والی دھنوں اور ان کی تعبیر کے لیے وضع کردہ الفاظ میں گہری مناسبت موجود ہے۔ آپ غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جو چیز الفاظ اور مناظر کے درمیان ہم آہنگی اور موزونیت پیدا کر رہی ہے وہ ان کی انقلاب انگیزی، شوریدگی اور تلاطم خیزی ہے جو سر سے پاؤں تک آدمی کے شعور کو متاثر کر رہی ہے۔ اس سے اس پر ایک طرح کا خوف و دہشت طاری ہے۔ یہ چیز آدمی کے قلب و ضمیر کی گہرائیوں میں ایک زلزلہ برپا کر کے اسے جھنجھوڑ رہی ہے۔

قیامت کا منظر اور حاملینِ عرش

کوئی ماہرِ عکاسِ فطرت اس سے بڑھ کر یکسانیت اور موزونیت اور کہیں نہیں پائے گا جتنی یکسانیت نہایت زوردار دھماکے، زبردست طوفانی آندھی انتہائی مضبوط گرفت، حد سے بڑھی ہوئی طغیانی جو گرداب میں گھری ہوئی کشتی کو غرقاب کر دیتی ہے، صورِ اسرافیل کی ایک خوفناک پھونک اور ریزہ ریزہ کرنے والی چوٹ میں اور قیامت کے اٹل واقعہ نیز اس آسمان میں پائی جاتی ہے جس کی ساخت، شکست و ریخت کی وجہ سے ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ یہ سب مظاہر ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ ان کی وسعت ایک، ان کا نغمہ ایک — یہ سب میدانِ حشر کے بڑے اسٹیج پر پھیلے ہوئے ہیں اور پوری فضائے بسیط پر اپنا نقش ثبت کر رہے ہیں۔ قیامت کے اس ہولناک حادثے کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا ہی قرآن کا اصل مقصود ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ نظامِ عالم کو درہم برہم کرنے والا یہ تند و تیز طوفان قدرے تھم جاتا ہے اور لمحہ بھر کے لیے پوری فضا پر سکون و سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ یہ گویا نئے منظر کا پیش خیمہ ہے۔ گو ہولناکی اب بھی موجود ہے لیکن اس میں زبردست ہیجان و اضطراب کے بعد ایک طرح کا سکون اور ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ اس وقت کی کیفیات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ ——————— (چاروں طرف

فرشتے جمع ہوں گے اور آٹھ فرشتے اپنے سروں پر تمہارے رب کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس روز جب تمہیں دربارِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا تمہارا کوئی راز چھپا نہ رہ جائیگا)

لیجئے اب یہ سارا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ ان مقامات کو جنہیں اسلام بالخصوص ممتاز اور نمایاں طور پر بیان کرنا چاہتا ہے ہم اپنے تصور میں مجسم صورت میں دیکھتے ہیں کیسی منظر کی ایسی عکاسی کہ انسان کے تصور میں وہ اپنی طبعی مادی شکل میں مجسم نظر آئے یا انداز بیان شعور و وجدان پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے اس منظر میں آسمان پھٹ گیا ہے اس میں شگاف پڑ گئے ہیں اور بوسیدگی آ گئی ہے۔ قدرتِ الٰہی کے اس عظیم کارنامہ کے موقعہ پر فرشتے آسمان کے چاروں طرف پھیلا دیے گئے ہیں۔ ادھر دیکھئے! یہ عرشِ الٰہی ہے سب پر اس کی عظمت و جلال کا رعب طاری ہے۔ ایک جماعت نے اسے اٹھا رکھا ہے حاملینِ عرش کی یہ جماعت آٹھ فرشتے ہیں یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں۔ لفظ "ثمانیہ" کی

موسیقائی سُریں ان آٹھ حاملینِ عرش کے اردگرد پھیلی ہوئی فضا میں موجود سُروں سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ کلامِ الٰہی میں آٹھ کے عدد سے اس عدد کی حقیقت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اس چیز کی کثرت اور منظر کے ساتھ اس کی گہری مناسبت مراد ہے جس کے لیے یہ عدد بولا گیا ہے۔ یعنی قطار در قطار فرشتے عرشِ الٰہی کو اٹھائے خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔ انصاف کی کچہری لگی ہے۔ تمام لوگ جمع ہیں۔ پیشی شروع ہوتی ہے اتنے بڑے جمِّ غفیر میں قلب و ضمیر کی کوئی مخفی ترین بات بھی چھپی نہیں رہ سکتی۔

اعمال ناموں کی تقسیم اس مجسّم منظر کی تکمیل اس بات پر ہوتی ہے کہ حاضرین دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا ہے۔ دوسرا وہ جس کے بائیں ہاتھ میں ——— فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖۙ ——— جس کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا ہے اس کی مسرت و اطمینان کی کوئی حد نہیں رہی۔ مارے خوشی کے پکار اٹھتا ہے ——— هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْۚ ——— "لو ذرا دیکھو تو میرا نامۂ اعمال! پڑھو تو سہی! زور دار دھماکے اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ آنے والے اس حادثۂ عظیم کے خوف سے مجھے گمان ہوتا ہے کہ میرا تو حساب بے باق ہونے والا ہے۔ لیجئے مجھے تو اپنے ربِ رحیم کی طرف سے گناہوں سے مغفرت اور انعامِ ابدی کا پروانہ مل گیا ہے ——— اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْۚ ———

پھر سب لوگوں کے سامنے ہمارے اس خوش نصیب ساتھی کو اپنے اعمال کا بہترین بدلہ مل جاتا ہے۔ ——— فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍۙ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍۙ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ——— "وہ دل پسند عیش میں ہو گا یعنی عالی مقام جنت میں جس کے پھلوں کے گچھے جھکے پڑے ہوں گے۔" اس عالی مقام جنت میں جس طرح اس کی عزت افزائی مادی طور پر ہوتی ہے اسی طرح اس کی عزت و توقیر روحانی طور پر بھی ہوگی۔ جونہی اس فیصلے کی رُو سے وہ اپنے بلند مقام پر پہنچتا ہے ہم خود اپنے کانوں سے عرش بریں سے ذات باری تعالیٰ کا یہ فرمان سنتے ہیں ——— كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓئًۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ——— "مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے ہیں"— یعنی یہ عزت و تکریم جو تم اس وقت پا رہے ہو تمہاری ان نیکیوں کا بدلہ ہے جو تم نے دنیا میں کیں۔ گویا یہ تمہارا اپنا حق ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔

ادھر دوسری طرف جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو وہ شخص دکھائی دیتا ہے جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں تھمایا گیا ہے۔ بیچارہ حسرت و یاس اور شرم و ندامت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک لمبی ہوک ہے جو اس کے جسم سے نکل رہی ہے۔ ایک بے جان لاشے کی مانند بے حس و حرکت پڑا ہے زبانِ حال و قال سے کہہ رہا ہے:

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾

کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا، کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا۔" لیکن آخر اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی دنیوی جاہ و جلال کی یہ بے وفائی اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی۔ نہ وہ حسرت و ندامت کے چرکوں سے نڈھال ہو کر یوں زباں بندی ہی کا سوچ سکتا ہے! اس کی پیشی طوالت پکڑتی ہے تاکہ حسرت و یاس اور شرم و ندامت کے تیر اس کے سینے میں پیوست ہوں اور اس کے قلب و ضمیر پر اس درد و تکلیف کا گھاؤ گہرا ہو۔ جب یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے عالمِ بالا سے ایک حکم سنائی دیتا ہے جس کی تعمیل سے کسی کو مجالِ انکار نہیں ہے۔ مارے خوف کے ہمارا سانس رُکا جاتا ہے اور ہم ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

پکڑو اسے اور اس کے گلے میں پھندا ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔" کہ مشکیں بند حالت بے بسی کی عالت میں جہنم میں پڑا جلتا رہے۔ یہاں ہر بات کھول کھول کر کہی جا رہی ہے۔ ہر چیز کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہر حرکت کچھ مہلت لے رہی ہے۔ یوں معاملہ طول پکڑ رہا ہے۔ فنّی حسن و کمال، وجدانی اثر انگیزی اور دینی مقصدیت کا اقتضاء یہی ہے کہ منظر کی کیفیات بیان کرتے وقت طوالت اختیار کی جائے۔ چنانچہ الفاظ کی یہ دُھنیں، کلمات کا یہ زیر و بم اور عبارات کا یہ سلسلہ بسلسلہ اظہارِ مدّعا یہ سب ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں جو اس زنجیر کے ملتی جلتی ہیں جو حلقہ در حلقہ ستّر ہاتھ لمبی ہے ناظرین کی نگاہوں اور ان کے تخیل میں یہ سب مشترک ہیں جس سے پیش کردہ منظر اور اس سے مطلوب تأثر میں گہری مناسبت کا احساس ہوتا ہے۔

اعلانِ فردِ جرم اس طویل پُر ندامت و تکلیف دِہ صورتِ حال کے بعد جبکہ فرمانِ الٰہی

کی گھمبیر فضا سے دُور ہو جاتی ہے نہ صرف یہ کہ اس صورتِ حال کی سنگینی میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ طعن و تشنیع کا مزید چرکا یوں لگتا ہے کہ ناظرین کے پورے مجمع کے سامنے اس کے جرموں سے پردہ ہٹا دیا جاتا اور اس کی فردِ جرم علی الاعلان سنا دی جاتی ہے ——— اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ ——— "یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا"۔ —— ایمان سے اس بے نیازی اور غربا و مساکین کے بارے میں اس طرح کے حسد کے بعد اور کس بدلے کی امید کی جا سکتی ہے! اس موقعہ پر موجود ہر شخص کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آج یہاں نہ اس کا کوئی مخلص غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھووَن کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا ہے جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا ——— فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ[1] ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾ ظاہر ہے یہ دھووَن کی شکل میں کھانا اس کے لیے جسمانی عذاب ہے اور کسی بے لوث دوست کی غمگساری سے محرومی اس کے لیے روحانی عذاب ہے گویا جسمانی و روحانی عذاب اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے!

اس انتہائی ہولناک دن میں —— جبکہ زبردست دھماکہ سے پوری فضا دہل رہی ہے اور کائنات کے اٹل انجام کا حادثہ وقوع میں آ چکا ہے —— میدانِ حشر میں حیاتِ انسانی کی مجسم زندہ تصویر سامنے آ جاتی ہے اور دیکھنے والے کے شعور و وجدان پر اس کا تاثر اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ جاتا ہے اور جب قبولِ حق اور ادخالِ ایمان کے لیے قلبِ انسانی کے تمام در تیچے وا ہو جاتے ہیں تو اس وقت کسی تاکیدی قسم کی حاجت باقی نہیں رہتی اور اعلان ہوتا ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ[2] بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۗ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ ———

"سو میں قسم نہیں کھاتا ہوں ان چیزوں کی، جو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جو تم نہیں دیکھتے کہ بلا شبہ وہ (قرآن) رسولِ کریم کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں ہے لیکن تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو اور یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں ہے لیکن تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔ یہ فی الحقیقت رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے"۔

---

[1] غسلین سے مراد زخموں کا دھووَن بھی ہے اور وہ سیّال مادہ بھی ہے جو دوزخ کی تپش سے پگھل پگھل کر دوزخیوں کے جسموں سے نکلے گا۔ [2] اس آیت کا ترجمہ تین طرح ہو سکتا ہے (باقی ۲۹۳ پر)

اب حق اتنا واضح ہو چکا ہے کہ مزید کسی قسمیہ تاکیدی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

کفّار کا چیلنج اور اس کا جواب

کفار نے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو چیلنج دیا کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کی تم وعید سناتے ہو کیونکہ ہم تو ایمان لانے کے نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اس عذاب کا نقشہ کھینچا گیا ہے:۔

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿١﴾ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿٥﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿٦﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾

(سورۃ المعارج ۱-۱۸)

مانگنے والے نے عذاب مانگا ہے (وہ عذاب) جو ضرور واقع ہونے والا ہے، کافروں کے لیے ہے۔ کوئی اسے دفع کرنے والا نہیں، اس خدا کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ ملائکہ اور روح اس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ پس اے نبی، صبر کرو، شائستہ صبر۔ یہ لوگ اسے دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں (وہ عذاب اس روز ہوگا) جس روز آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائیگا اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنے ہوئے اون جیسے ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا حالاں کہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین

(بقیہ ص ۲۹۲) فَلَا أُقْسِمُ "میں اگر "لا" صلہ کا سمجھا جائے تو اس کا ترجمہ یوں ہوگا: "پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم نہیں دیکھتے کہ ....." عام اردو مترجمین نے جن میں مولانا شاہ عبدالقادرؒ مولانا شاہ رفیع الدینؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہم شامل ہیں یہی ترجمہ کیا ہے۔ اور اگر "لا" کو مشرکین کے قول کا جواب سمجھا جائے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا" نہیں! (یعنی جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ نہیں بلکہ) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جو تم نہیں دیکھتے کہ..." ..... " یہ ترجمہ محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اختیار کیا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لا کو نافیہ سمجھا جائے۔ اس صورت میں ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر متن میں دیا گیا ہے۔ یہ مفہوم مصنف مرحوم سید قطب شہیدؒ نے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے پہلے کی عبارت سے واضح ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں یہ ترجمہ اختیار کیا گیا ہے۔ (مترجم)

خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ ہوگی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی۔ پکار پکار کر اپنی طرف بلائے اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری۔ اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ يُوفِضُونَ ۝ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝
(المعارج ۴۲ - ۴۴) [1]

لہٰذا انہیں اپنی بیہودہ باتوں اور اپنے کھیل میں پڑا رہنے دو یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے جب یہ اپنی قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت ان پر چھا رہی ہوگی۔ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

روح اور فرشتوں کی پرواز

پہلا سین یکے بعد دیگرے سامنے آنے والے چند مناظر پر مشتمل ہے۔ چنانچہ پہلا منظر اللہ تعالیٰ کی طرف اوپر پرواز کرتے ہوئے روح اور فرشتوں کا منظر ہے۔ سیاقِ کلام منظر کی عکاسی مجسم صورت میں کرتا ہے۔ یہ وہ انداز بیان ہے جسے قرآن نے انسان کے شعور و احساس کو بیدار کرنے کے لیے اکثر و بیشتر اختیار کیا ہے عالمِ تخیل میں اگر جھانک کر دیکھا جائے تو یہ عجیب منظر دکھائی دیتا ہے۔ ارض و سماء کے درمیان دور حدِ نظر تک پھیلی ہوئی فضائے بلند ہے جس میں یہ نوری مخلوق اوپر کی طرف پرواز کر رہی ہے اس عالمِ مادی میں اس کی ایک مبہم سی خیالی تصویر ہی ہمارے تصور میں آتی ہے اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ چیز نفسِ انسانی کے خفیہ احساسات کو ابھارتی اور تیز کرتی ہے۔ یہ صورتِ حال ہے اس دن کی جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ یہ قیامت کا دن ہے یہ وہ دن ہے جو اپنے واقعات و حادثات کے لحاظ سے اتنا ہی طویل ہے جتنا کہ وہ لوگ تصور کر سکتے ہیں جو اپنے اعمال کا حساب دے رہے ہیں۔ قیامت کے دن کی یہ طوالت سیاقِ کلام میں اس اعلیٰ ترین بلندی سے پوری مناسبت رکھتی ہے جس میں فرشتے مالکِ عرش بریں کے حضور پہنچنے کے لیے پرواز کرتے ہیں اس طرح تخیلی فضا اور تصویری افق کے درمیان رفعت و وسعت کے اعتبار سے موجود یکسانیت بڑی واضح اور حقیقی یکسانیت ہے۔ در اصل یہ عجیب و غریب منظر اگلے منظر کی تمہید ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝ ـــــ جس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا۔

---

[1] بہ لحاظ نزول ۷۹ ویں سورت ہے۔ جو مکہ میں نازل ہوئی۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ـــــــــ یعنی پگھل کر سیاہ سیال مادہ بن جائے گا

— اور پہاڑ دھنے ہوئے اون کی مانند ہوں گے یعنی جیسے دُھنے ہوئے اون کے باریک چمکیلے اڑتے ہوئے ریشے ہوں۔

کوئی پُرسانِ حال نہیں اس کے بعد تیسرا منظر شروع ہوتا ہے یہ ان لوگوں کا منظر ہے جو خوف و دہشت میں اسی طرح مبتلا ہیں جس طرح زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اس میں مبتلا ہے۔ جب یہ منظر اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آتا ہے تو عین توقع کے مطابق ان پر ذہول طاری ہو جاتا ہے۔ آدمی کی توجہ اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ اس کے دل و دماغ میں اپنے سوا کسی دوسرے کے بارے میں کچھ سوچنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ـــــــ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ـــــــ "کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہیں پُوچھتا"

ماحول کی ہیبت ناکی نے امیدوں کے تمام سہارے منقطع کر دیے ہیں۔ سب دم بخود ہیں سب کو اپنی ہی بپتا پڑی ہے کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں۔ سب ایک دوسرے کو دکھائی دے رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو آمنے سامنے بھی کرتے ہیں کہ شاید وہ اسے دیکھ کر اس کے حالِ زار پر ترس کھائے اور اس کی مدد کو پہنچے۔ لیکن سب بے بس ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ میں گم ہے۔ ہر ایک کو اپنا غم کھائے جا رہا ہے۔ یہ حال تو سب لوگوں کا ہے جن میں اچھے بُرے سب شامل ہیں۔ کسی "مجرم" پر کیا بیت رہی ہو گی؟ اُف! مارے خوف کے اس کی عقل ماری گئی ہے ہیبت نے اس کے اوسان خطا کر دیے ہیں۔ بیچارے کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ اب کوئی آرزو باقی ہے تو وہ صرف یہ کہ کسی طرح چھٹی دے کر اس دن کے عذاب سے جان چھڑا لے اور بس ـــــ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ ـــــ کیسی چھٹی؟ اپنے عزیز ترین لوگوں کو فدیے میں دے کر یا ان لوگوں کو جن کی خاطر کبھی وہ خود فدیہ دیا کرتا تھا، جن کے دفاع میں وہ خود سینہ سپر ہو جایا کرتا اور جن پہ کبھی وہ خود اپنی جان نچھاور کیا کرتا تھا۔ یعنی اولاد کو، اپنی بیوی کو اور اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا، فدیہ دے کر اپنی گلو خلاصی کرانے کی خواہش و مجبوری نے اس کے نزدیک خود اپنی ذات کے سوا دنیا کی کسی چیز کی بھی اہمیت باقی نہیں چھوڑی۔ اس کی تمنا اب صرف یہی ہے کہ کسی طرح ساری دنیا کے لوگوں کو فدیہ میں دے کر خود نجات حاصل کرے لیکن افسوس ان میں سے کوئی بھی اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ کام آئے بھی کیسے؟ کیونکہ اب

تو وہ ہے اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو چمڑی اُدھیڑ رہی ہے اور ہر اس شخص کو پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہی ہے جس نے حق سے منہ موڑا، پیٹھ پھیری اور مال جمع کر کے اسے سینت سینت کر رکھا ——— كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝ ——— سیاقِ کلام ہمارے سامنے آگ کا ایسا خوفناک منظر پیش کر رہا ہے جس کے سامنے یہ مجرم کھڑا ہے۔ اس کی جان آگ کے شعلوں کی نذر ہو رہی ہے۔ اور وہ دل میں کبھی پوری نہ ہونے والی دیوانوں کی سی تمنائیں لیے ہوئے ہے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں —" إِنَّهَا لَظَىٰ —" یہ آگ بھڑک بھڑک کر ہر چیز کو راکھ کیے جا رہی ہے —" نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ —" چہروں اور سروں کی کھال ادھیڑ ادھیڑ کر زور سے کھینچ رہی ہے۔ یہ بولتی چالتی آفت ناگہانی ہے۔ اس بات کا انتظار نہیں کرتی، کہ ایندھن اس تک پہنچے بلکہ یہ خود بھبک بھبک کر ہر ایسے شخص کو اپنی طرف بلا رہی ہے جس نے دینِ حق سے پیٹھ پھیری اور سرتابی کی — تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ آج یہ سرکش و باغی لوگوں کو اپنی طرف بلا رہی ہے بالکل اسی طرح جس طرح دنیا میں انہیں ہدایت و اطاعتِ خداوندی کی طرف بلایا جاتا تھا۔ آج یہ انہیں اپنی طرف بلا رہی ہے۔ دراں حالیکہ اس سے راہِ فرار اختیار کرنا ان کے بس میں نہیں ہے۔ حالانکہ دنیا میں جب انہیں دینِ حق کی طرف بلایا جاتا تھا وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ بھاگ جاتے تھے! ہائے، کتنی خوفناک ہے یہ پکار! جسے بلایا جا رہا ہے اس کے لیے خواہ نخواہ اس پکار پر "لبیک" کہے بغیر چارہ نہیں! بیچارہ وہاں موجود ہر شخص سے رہائی کی درخواست کرتا ہے لیکن آج رہائی دلانے کی ہمت کس میں ہے؟

پیشانی میں ذلت کے آثار دوسرا منظر اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کا حال بیان کرنے کے بعد آتا ہے جس کی چند مثالیں ہم پہلے دیکھ چکے ہیں جیسا کہ قرآن نے ہمیشہ ایک ہی منظر کی دوبارہ عکاسی کرتے وقت نیا اندازِ بیان اختیار کیا ہے اس منظر کی عکاسی بھی نئے انداز میں کی گئی ہے، "یہ دیکھئے" یہ لوگ قبروں سے نکل کر ان بتوں کے استھانوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں جن کی یہ دنیا میں پوجا کیا کرتے تھے! دراصل یہ ان کے دنیا میں گزرے ہوئے حال پر ایک طنز ہے۔ بلاشک دنیا میں وہ ان بتوں کی طرف دوڑے جایا کرتے تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ آج قیامت کے روز بھی یہ لوگ اسی طرح تیزی سے دوڑے جا رہے ہیں۔ لیکن اُن کی اُس دوڑ میں اور اِس دوڑ میں زمین و آسمان کا فرق ہے!

آج وہ اپنے بتوں کے استھانوں پر نہیں بلکہ خالقِ کائنات مالک یوم الدّین کے دربار میں جا رہے ہیں۔ ہاں! محاسبۂ اعمال کے لیے جا رہے ہیں۔ آج ندامت سے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں اور ذلت کے خوف سے رنگ فق ہوا جا رہا ہے ——— خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ——— آج ان کی پیشانیوں میں ان کی قسمتوں کے بڑے واضح نقوش دیکھے جا سکتے ہیں۔ دیکھیے! ذلت و رسوائی کی کیسی مجسّم تصویر بنے ہیں۔ یہ تصویر ان کی اس تصویر سے کتنی گہری مناسبت رکھتی ہے جس میں وہ دنیا میں لہو و لعب میں منہمک نظر آتے ہیں بلاشک ان کے قدم آج بھی بڑی تیزی سے اٹھ رہے ہیں لیکن افسوس ان کی یہ تیزروی لہو و لعب کی طرف نہیں ذلت و رسوائی کی طرف ہے۔ دنیا میں اُن کی پُرمسرت خوش فعلیاں آخرت میں ان کی ذلت و رسوائی کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ آج ایک ایک حرکت اور ایک ایک دن کا حساب چکایا جا رہا ہے۔ کتنا مکمل ریکارڈ ہے اور کتنا کامل حساب! درحقیقت یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ——— ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ——— کاش! انہوں نے اس کی کچھ فکر کی ہوتی!

فیصلے کا مقررہ دن اور خادمانِ بارگاہ

فیصلے کے مقررہ دن اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کی کیا تواضع ہوگی اور خادمانِ حق بارگاہِ ایزدی میں کس طرح امتثالِ امر کے لیے صف بستہ کھڑے حاضر ہوں گے تفصیل ملاحظہ ہو۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَىْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

جس روز صور میں پھونک ماردی جائیگی۔ تم فوج در فوج نکل آؤگے اور آسمان کھول دیا جائے گا یہتی کہ وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائیگا اور پہاڑ چلائے جائیں گے یہاں تک کہ وہ سراب ہو جائیں گے۔ دراصل جہنم ایک گھات ہے، سرکشوں کا ٹھکانا جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے اس کے اندر کسی ٹھنڈک اور پینے کے قابل کسی چیز کا مزہ وہ نہ چکھیں گے، کچھ ملے گا تو بس گرم پانی اور زخموں کا دھوون دائن کے کرتوتوں کا، بھرپور بدلہ۔ وہ کسی حساب کی

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

(سورۃ النبا[۱] ۱۸ - ۴۰)

توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیات کو انہوں نے بالکل جھٹلا دیا تھا، اور حال یہ تھا کہ ہم نے ہر چیز گن گن کر لکھ رکھی تھی۔ اب چکھو مزہ ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں ہرگز اضافہ نہ کریں گے۔ یقیناً متقیوں کے لیے کامرانی کا ایک مقام ہے، باغ اور انگور اور نوخیز ہم سن لڑکیاں اور چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں کوئی لغو اور جھوٹی بات وہ نہ سنیں گے۔ جزاء اور کافی انعام تمہارے رب کی طرف سے، اس نہایت مہربان خدا کی طرف سے جو زمین اور آسمانوں کا اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے جس کے سامنے کسی کو بولنے کا یارا نہیں۔ جس روز روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے وہ دن برحق ہے۔ اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کرے۔ ہم نے تم لوگوں کو اس عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب آلگا ہے، جس روز آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش! میں خاک ہوتا۔

یہ کارنامۂ تخلیق کس کا ہے؟

یہ مناظر اس سوال کے جواب میں پیش کیے جا رہے ہیں جو سورۃ کے آغاز میں آچکا ہے۔ چنانچہ سورت کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے ــــــ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ ــــــ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟ پھر آخرت کے بارے میں ان کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ــــ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ ــــــ ہرگز نہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہاں، ہرگز نہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا ــــ یہ اندازِ بیان تہدید آمیز ہے۔ گویا ارشاد ہوتا ہے وہ وقت دور نہیں ہے جب وہی چیز حقیقت بن کر ان کے سامنے آجائے گی جس کے بارے میں وہ شک کر رہے ہیں۔ اس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ ان کا ظن و گمان غلط تھا حقیقت وہی تھی جس کی رسول نے خبر دی تھی لیکن اس وقت حقیقت کا علم ہو جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا لہٰذا قبل اس کے کہ اس مقررہ دن کی تصویر لوگوں کے سامنے رکھی جائے دنیا ہی کے ایسے مناظر پیش کیے جاتے ہیں جن میں اس شخص کے لیے کافی دلیل موجود ہے جو دلیل کا طالب اور نظامِ فطرت پر غور و فکر کا

---

[۱] زمانۂ نزول کے لحاظ سے یہ ۸۰ ویں سورت ہے۔

خواہش مند ہو چنانچہ نظامِ کائنات سے استشہاد کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :—

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ۝۶ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝۷ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝۸ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝۱۳ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝۱۵ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ۝۱۶ ——

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا اور تمہیں (مردوں اور عورتوں کے) جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا۔ اور تمہاری نیند کو باعثِ سکون بنایا، اور رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش کا وقت بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کئے۔ اور ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا اور بادلوں سے لگاتار بارش برسائی تاکہ اس کے ذریعہ سے غلّہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں —— جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ سب مناظر وقوعِ آخرت پر بیّن دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو ہستی یہ سارا نظامِ کائنات بغیر کسی کی مدد کے چلا رہی ہے یقیناً وہ اس سے مختلف دوسرا نظام بھی برپا کر سکتی ہے۔

ہنگامۂ محشر کا منظر اس کے بعد فیصلے کے دن کے مناظر کی عکّاسی شروع ہوتی ہے جس کا اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہوا ہے اور جس کا وقت بھی مقرر کر رکھا ہے۔ سب سے پہلے صُور میں پھونک مارنے کا منظر ہے۔ جس میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ فوج در فوج لوگ میدانِ حشر کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ بعد ازاں زمین و آسمان کی موجودات کا منظر ہے۔ جس میں آسمان کو احکامِ الٰہی کی تعمیل میں فرشتوں کی آمد و رفت کے لیے یا آفاتِ سماوی کی یورش کے لیے پوری طرح کھول دیا گیا ہے حتّٰی کہ اب اس میں دروازے ہی دروازے اور راستے ہی راستے بن گئے ہیں کہ اس میں فرشتے بھی آ جا رہے ہیں اور ہر طرف سے زلزلۂ قیامت کی آفات بھی ٹوٹ ٹوٹ پڑ رہی ہیں۔ حالانکہ قبل ازیں سخت ترین سات طبقات پر مشتمل تھا۔ جس میں کسی کا گزر ممکن نہ تھا۔ نیز پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ایسا متحرک و رواں کر دیا گیا ہے کہ سرعتِ حرکت اور تیزیٔ رفتار سے وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب بن گئے ہیں حالانکہ قبل ازیں وہ میخوں کی طرح سخت مضبوطی کے ساتھ ایک جگہ گڑے ہوئے تھے۔ دیکھئے اب ہم خود دیکھ رہے ہیں کہ جہنم کافروں کی تاک میں گھات لگائے بیٹھی ہے۔ دراصل یہ دنیا میں ظلم کرنے والوں کا ٹھکانا ہے جہاں انہیں بہرحال لوٹ کر آنا ہے۔ یہاں وہ محض سیر و تفریح اور مٹرگشت کے لیے نہیں بلکہ باقاعدہ قیام کرنے اور رہنے

بسنے کے لیے آئیں گے۔ یہاں وہ کسی ٹھنڈی اور پینے کے قابل چیز کا مزہ تک نہیں چکھ پائیں گے بلکہ انہیں پینے کو کچھ ملے گا بھی تو سخت کھولتا ہوا پانی ہوگا جس سے حلق اور پیٹ کی انتڑیاں جل بھن جائیں گی۔ علاوہ ازیں مزید کچھ ملے گا تو وہ دوزخ کی آگ سے پگھلتے ہوئے جسموں سے نچڑنے والا مواد ہوگا جو کھولتے ہوئے پانی سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہوگا۔ یہ بدلہ اُن کے عملوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ دنیا میں انہیں "یوم الحساب" کی آمد کی کوئی توقع نہ تھی بلکہ وہ پوری شدت کے ساتھ اس کی آمد کو جھٹلایا کرتے تھے۔ حالانکہ اس اثنا میں ان کے اعمال ایسی کتاب میں ریکارڈ ہو رہے تھے جس میں نہایت چھوٹی سی چھوٹی بات بھی چھوٹنے نہیں پائی۔

اس دردانگیز منظر میں ان کی المناک صورتِ حال دیکھنے کے بعد ہم ہمہ تن گوش ہیں ہماری توجہ زجر و توبیخ کے ان کلمات کی طرف منعطف ہوتی ہے جن سے تبدیلیٔ حالات سے مایوسی ٹپکی پڑتی ہے ——— فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ——— اب چکھو مزہ (اپنے کئے کا، ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں ہرگز اضافہ نہ کریں گے۔ سچ ہے اب اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھنے کے سوا چارہ بھی کیا ہے!

اس کے بعد اس منظر کے برعکس ایک دوسرا منظر **صف بستہ خادمان بارگاہِ ایزدی میں** سامنے آتا ہے۔ یہ منظر جنت میں خدا ترس اطاعت گزاروں کا منظر ہے (اس کے کئی نمونے پہلے گزر چکے ہیں) آج وہ کامرانی و کامیابی سے ہم کنار ہیں۔ ان کی عیش و بہار کے لیے باغ ہیں، انگور ہیں، جوانی بھری ہم عمر لڑکیاں ہیں چھلکتے ہوئے جام ہیں۔ کیسی پاکیزہ و پُرکیف زندگی ہے کہ نہ وہاں کوئی لغو و واہیات بات ہے نہ ان کے کان کسی جھوٹ سے آشنا ہیں۔ یہ اُن کے اعمال کا نہایت منصفانہ بدلہ ہے جو کڑی جانچ پڑتال کے بعد دیا جا رہا ہے۔

اس منظر کی تکمیل اس سین پر ہوتی ہے جس پر قیامت کے سارے منظر ختم ہو جاتے ہیں۔ حشر کے وسیع و عریض میدان پر ملائکہ اور روح پرے باندھے صف بستہ کھڑے ہیں۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ صرف وہی زبان کھول سکتا ہے جسے رب رحمان کی طرف سے اجازت ملے گی اور جس کی بات بھی صحیح اور معقول ہوگی۔ کیونکہ فرشتے صرف اُسی معاملے میں بات کرتے ہیں جس کے بارے میں بولنے کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ ان مقربین بارگاہِ خداوندی کی بھی عجب شان ہے۔ یہ گناہوں سے بالکل پاک ہیں۔ لیکن ان جیسی پاکباز ہستیاں بھی بارگاہِ ایزدی

میں نہایت ادب و خاموشی سے اس طرح ایستادہ ہیں کہ بلا اجازت و بے حساب بول نہیں سکتیں۔ پوری فضا پر رعب و ہیبت طاری ہے جس میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ جونہی ہر شخص اپنی کشتِ اعمال پر نگاہ ڈالے اپنی فصلِ جزا کا اندازہ کر لے۔ اور اس میں بھی کوئی عجب نہیں کہ کافر یہ پکار اٹھے کہ کاش! میں مٹی ہو گیا ہوتا! یہ بھی گویا زبانِ حال و زبانِ قال سے اس خوف و ندامت کا اظہار ہے کہ انسان یہ تمنا کرے کہ کاش! اُس کا وجود اس دنیا میں ناپید ہوتا اور اس کی حیثیت ایک غیر مرئی حقیر سے عنصر سے زیادہ کچھ نہ ہوتی! یہ حالت اسے موجودہ سخت تکلیف دہ صورتِ حال کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتی ہے۔

قیامت کا ہنگامۂ عظیم

جب قیامت کا ہنگامۂ عظیم برپا ہو گا تو لوگوں کی حالت کیا ہو گی۔ سورۃ النازعات اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتی ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۭ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۭ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۭ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۭ

(النازعات ۱-۱۴)[1]

قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو ڈوب کر کھینچتے ہیں اور آہستگی سے نکال لے جاتے ہیں اور ان (فرشتوں) کی جو (کائنات میں) تیزی سے تیرتے پھرتے ہیں، پھر (حکم بجا لانے میں) سبقت کرتے ہیں، پھر (احکامِ الٰہی کے مطابق) معاملات کا انتظام چلاتے ہیں۔ جس روز ہلا مارے گا زلزلے کا جھٹکا اور اُس کے پیچھے ایک اور جھٹکا پڑے گا۔ کچھ دل ہوں گے جو اس روز خوف سے کانپ رہے ہوں گے، نگاہیں ان کی سہمی ہوئی ہوں گی۔ یہ لوگ کہتے ہیں "کیا واقعی ہم پلٹا کر پھر واپس لائے جائیں گے؟ کیا جب ہم کھوکھلی بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟ کہنے لگے "یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی!" حالانکہ یہ بس اتنا کام ہے کہ ایک زور کی ڈانٹ پڑے گی اور یکایک یہ کھلے میدان میں موجود ہوں گے۔

۲ ——— فَاِذَا جَاۗءَتِ الطَّاۗمَّةُ الْكُبْرٰى ۡ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۚ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ

پھر جب وہ ہنگامۂ عظیم برپا ہو گا جس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا۔ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے دوزخ کھول کر رکھ دی جائے گی۔ تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہو گی اور جس نے اپنے

---

[1] یہ مکی سورت ہے جو ترتیبِ نزول کے لحاظ سے ۸۱ ویں سورت ہے۔

(النازعات ۴۰-۴۱)

رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا تھا جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

۳ — يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾

(النازعات ۴۲-۴۶)

۳- یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ "آخر وہ گھڑی کب آکر ٹھہرے گی؟ تمہارا کیا کام کہ اس کا وقت بتاؤ اس کا علم تو اللہ پر ختم ہے تم صرف خبردار کرنے والے ہو ہر اس شخص کو جو اس کا خوف کرے جس روز یہ لوگ اسے دیکھ لیں گے تو انہیں یوں محسوس ہو گا کہ (یہ دنیا میں یا حالتِ موت میں) بس ایک دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر تک ٹھہرے ہیں۔

کارکنانِ قضاؤ قدر کی مُستعدی اور پُر شدائد حادثات

اس موقعہ پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز ہانپ رہی ہے کانپ رہی ہے۔ عالمِ واقعہ میں پیش آنے والے واقعات، ان کی تعبیر کے لیے وضع کردہ الفاظ، تصاویر اور معانی سب اس بات کی غمازی کر رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر چیز سخت تکلیف، گھبراہٹ یا بیقراری میں بھاگ رہی ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں کہ اس کے چاروں طرف کیا ہو رہا ہے۔ کلام میں ان مناظر و کیفیات کی گہری چھاپ لگی ہے۔ مناظر کی ایک ایک جزئی کے ساتھ اس کی مناسبت بدرجۂ اتم موجود ہے یہ النّٰزِعٰتِ (گہرائی میں جا کر کھینچنے والے) النّٰشِطٰتِ (آہستگی کے ساتھ کھینچنے والے) السّٰبِحٰتِ (تیزی سے تیرنے والے) السّٰبِقٰتِ (حکم بجالانے میں سبقت کرنے والے)۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ (کائنات کا انتظام کرنے والے) یہ سب کیا ہیں؟ ان کی حیثیت کیا ہے؟ انہیں ہو کیا گیا ہے؟ سب بھاگم بھاگ میں ہیں۔ سب ہانپ رہے ہیں، کانپ رہے ہیں۔ خواہ یہ فرشتے ہیں جب بھی اور خواہ یہ کوئی اور مخلوق ہیں جب بھی۔ سب نیا جہان بنا رہے ہیں نئے نقوش ابھار رہے ہیں۔ لیکن ہر کام نہایت تیزی، سرعت اور ایک جھٹکے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہر چیز کا یہی حال ہے ——— يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ ——— جس روز گھن گرج کا دھماکہ ایک زلزلہ برپا کر دے گا اور اس کے پیچھے فوراً دھماکے کے بعد دھماکہ ہوتا چلا جائے گا (الرَّاجِفَةُ یہ پہلی بار کی گھن گرج ہو گی اور الرَّادِفَة دوسری بار کی گھن گرج) بہرحال یہ سلسلے پُر شدائد حادثات و مناظر تمہید ہیں اس منظر کی جس میں ہم پوری نوعِ انسانی پر گزرنے والی کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ ——— کچھ دل ہیں جو اس روز

خوف سے کانپ رہے ہیں - ان کی نگاہیں شرم وندامت سے جھکی ہوئی ہیں — آخر دل کیوں نہ کانپیں اور نگاہیں کیوں نہ جھکیں۔ حالانکہ ہم خود جُو دور بیٹھے ہیں ان لرزہ خیز واقعات اور خوفناک واردات سے زبردست تاثر لے رہے ہیں - ہمارے دلوں پر کپکپی طاری ہے ہمارے اوسان خطا ہیں - زوردار جھٹکے اور پریشانی کے گہرے باطنی تصور نے ہمیں اپنی گرفت میں لے رکھا ہے عین اس گھڑی میں جبکہ پوری فضا پر لرزہ کی حالت طاری ہے - سیاق کلام ہماری توجہ اس دن کی تکذیب کرنے والوں کی طرف منعطف کرتا ہے اور ان کی وہ باتیں دہراتا ہے جن سے شک و ریب کی بُو آتی ہے - آج ان کی باتیں کتنی پوچ اور مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں - چنانچہ وہ تعجب سے یہ کہہ رہے ہیں : — أَئِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ؟ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؟ — کیا واقعی ہم پلٹا کر واپس لائے جائیں گے ؟ کیا اس وقت جب ہم کھوکھلی بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے ؟ — انہیں یہ بات کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ اس قبر سے انہیں واپس لوٹا لیا جائیگا جس میں وہ دفن کیے گئے ہوں گے اور ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی اس واپسی کے بارے میں وہ بڑے طنزیہ انداز میں کہتے ہیں : — تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ! — اچھا ! پھر تو یہ واپسی بڑے گھاٹے کی ہوگی ! لفظ " إِذًا " قبر سے واپسی پر ان کی طنز کی غمازی کرتا ہے۔

ان کی یہ بات نقل کرنے کے بعد کلام ہمیں پھر وہیں لے آتا ہے جہاں لمحہ بھر پہلے ہم تھے۔ اور ان کے استفسار اور طنز و استہزاء کا فیصلہ کُن جواب ان الفاظ میں دیتا ہے — فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ — " بے شک یہ تو صرف ایک زور کی ڈانٹ ہے " بس قیامت کا دھاکہ یہاں ڈانٹ ہوگی - کیونکہ فرمانِ خداوندی کا مذاق اڑانے والی طبیعتوں کے لیے ایسی ہی ڈانٹ مناسب ہو سکتی ہے - یہ ڈانٹ پڑتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ یکایک وہ کھلے ہموار میدان میں ہیں - اس ڈانٹ کے فوراً بعد یہ حادثہ یوں اچانک رُونما ہوتا ہے کہ پوری فضا زبردست تیزی کے ساتھ بدل جاتی ہے اور آنکھ جھپکنے میں یہ ظہور میں آجاتا ہے۔

آفاق والنفس کی شہادت اور ہنگامۂ عظیم

اس کے بعد سلسلہ کلام میں فرعون و حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو جاتا ہے - حادثات کی یہ سریع الوقوع افتاد قدرے آہستہ اور ان کی رفتار کچھ دھیمی پڑ جاتی ہے - پھر اس قصے کے بعد ارض وسماء کے مظاہر اور ہر اس چیز کی تصویر پیش کی جاتی ہے جو قوت و طاقت کا مظہر ہے

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ

ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ۝ وَ الْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ ــــــــــــــــ کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی ؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی۔ پھر اس کا توازن برقرار کیا اور اس کی رات ڈھانکی اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا، اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے سامانِ زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ــــــ جس طرح ہم کلمات کی دھنوں اور ان کی ظاہری تصویروں میں ایک مخصوص قوت برقی رو کی طرح سرایت کیے ہوئے محسوس کرتے ہیں اسی طرح ہم ان جملہ مظاہر قدرت میں یہ خاص قوت قاہرہ جھلکتی دیکھتے ہیں۔ یہ قوتِ قاہرہ آسمان کی بناوٹ سے لے کر اس کی چھت کو اونچا اٹھانے اور اس کا توازن برقرار رکھنے تک، سارے عالم کو تاریکئ شب میں ڈھانک دینے اور سپیدۂ صبح کو روشن کر دینے تک اور زمین کو فرش کی طرح نیچے بچھا کر اس میں پہاڑوں کو گاڑ دینے تک ہر ہر عمل اور ہر ہر صنعت میں نمایاں نظر آ رہی ہے۔

اس موقعہ پر قیامت کا جو پہلو پیش کرنا مقصود ہے یہ منظر اس کی تمہید بھی ہے اور اس سے گہرا ربط بھی رکھتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ (ہنگامۂ عظیم) کا نام دیا گیا ہے اَلطَّآمَّة کا لفظ اپنی آواز کے لحاظ سے اپنے معنی کی خود تصویر ہے یعنی وہ حادثۂ عظیم جو سب کو محیط ہے، سب پر حاوی ہے جو اپنے پھن پھیلائے سب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ یہ بلند و بالا ایستادہ آسمان، یہ فرش کی مانند بچھی ہوئی زمین، یہ میخوں کی طرح گڑے ہوئے پہاڑ، یہ سیاہ چادر تانے ہوتے رات اور یہ ضیاپاش صبح روشن، سب اس کی لپیٹ میں ہیں۔ یہ ہنگامۂ عظیم اپنی وسعت و ہمہ گیری کی وجہ سے سب پر اثر انداز ہے۔ یہ حادثہ پوری آن کے ساتھ آتا ہے اور ہر چیز پر چھا جاتا ہے۔ تمام حادثات اس حادثۂ عظیم کے سامنے ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس ہنگامۂ عظیم کے روز دیکھنے والوں کے لیے دوزخ کے پردے ہٹا دیے گئے ہیں۔ چلیے دیکھیے! اس کی ہر چیز بالکل نمایاں نظر آ رہی ہے۔ جو شخص دنیا میں لغاوت و سرکشی میں حد سے تجاوز کر گیا تھا آج اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ــــــ (سرکشی و لغاوت میں اس کا یہ تجاوز آج کے ہنگامۂ عظیم کی وسعت و ہمہ گیری سے کتنی گہری مناسبت رکھتا ہے) فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ اس کے برعکس جو شخص اس دنیا میں قیامت کے روز اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا، آج اس کا ٹھکانا جنت ہے ــــــ دنیا میں اس کا خوف اس دن کی ہولناکی

سے گہری نسبت رکھتا ہے۔ —— وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ ——

گھمبیر خوف کا احساس تیسرے منظر میں جبکہ دل ودماغ پر گھمبیر خوف کا احساس طاری ہوتا ہے سلسلۂ کلام ان لوگوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو قیامت کی اس گھڑی کے بارے میں شک میں پڑے ہوتے ہیں اور نبی علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ وہ قیامت کب قائم ہوگی؟ جواب ملتا ہے: —— فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ —— اس کا وقت بتانے سے تمہارا کیا کام؟ —— جواب کتنے رعب وجلال سے دیا جارہا ہے۔ صاحب عظمت رسول ؐ کو یوں کہا جاتا ہے کہ "اس کا وقت بتانے سے تمہارا کیا کام؟" یعنی اے رسول! یہ چیز تمہارے اختیار وذمہ داری سے باہر ہے۔ اس کے وقت وقیام کے تعین کا نہ تمہیں کوئی اختیار ہے نہ علم۔ (مُرْسٰهَا کے الفاظ ایک اتھاہ سمندر کا تصور دلاتے ہیں جس میں گھڑی ایک مقررہ جگہ پر اپنا لنگر ڈالے گی) آپ کا کام تو صرف یہ ہے کہ ہر اس شخص کو خبردار کریں جسے اس کا خوف دامن گیر ہو ورنہ اس کا علم تو بس تمہارے رب ہی کے پاس ہے۔" آپ غور کریں تو معلوم ہو کہ ماحول کی ہر چیز ہولناکی میں اضافہ کر رہی ہے حتیٰ کہ مُرْسٰهَا ۝ کی ہائے ممدودہ بھی بھری ہوئی لمبی دھنیں پیدا کر رہی ہے جو ماحول سے پوری مطابقت رکھتی ہیں۔ یہ گھڑی ان پر اچانک آنازل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں بس ایک دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ جب حادثے کی اس ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ اس کے یکایک واقع ہونے کا تصور کریں تو ہولناکی دوہری ہوجاتی ہے لیکن اس کا بظاہر منظر ایک ہی ہوتا ہے۔ اس طرح پورے ماحول میں اول سے آخر تک منظر کی تصویر کے ساتھ پوری پوری مطابقت نظر آتی ہے۔

معزز رپورٹروں کا تقرر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں شتر بے مہار نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی زندگی کا مکمل ریکارڈ مرتب کروانے کا انتظام کر دیا ہے۔ اس کے مقرر کردہ فرشتے اس کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں اور قیامت کے روز وہ سب کچھ اس کے سامنے لاکر رکھ دیا جائے گا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے بکھر

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِىْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

(سورۃ انفطار[1] ۱ - ۱۹)

جائیں گے اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے اور جب قبریں کھول دی جائیں گی اس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا سب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔ اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نک سک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا؟ ہرگز نہیں بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم لوگ جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو، حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں، ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔ یقیناً نیک لوگ مزے میں ہوں گے اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور اس سے ہرگز غائب نہ ہو سکیں گے اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں، تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ یہ وہ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ فیصلہ اس دن بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا۔

یہاں قیامتِ عظمیٰ کے روز ہولناک اور انقلاب انگیز طبیعی مناظر پیش کر کے دوبارہ غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ دیکھئے آسمان پھٹ گیا ہے اور اس میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ ستارے بکھر کر منتشر ہو گئے ہیں۔ سمندر کناروں سے باہر اچھل کر بہہ نکلے ہیں۔ قبریں اکھاڑ کر کھول دی گئی ہیں۔ ارض و سماء پر دہشت طاری ہے۔ پورے نظامِ طبیعی میں ایک تند و تیز حرکت کارفرما ہے جب ماحول کا احساس اپنے نقطۂ عروج کو پہنچتا ہے اور نفسِ انسانی کے تمام دریچے وا ہو جاتے ہیں تو کلامِ الٰہی شعورِ انسانی کو نصیحت و عبرت پکڑنے کے لیے جھنجھوڑتا ہے — يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ —؟— اے انسان! تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟ یہ خطاب دراصل بنی نوع انسان کی حساس ترین چیز یعنی اس کی "روحِ انسانیت" کو خطاب ہے۔ یہ خطاب ایسا ہے کہ جو دلوں کو ٹھونکا لگا رہا ہے۔ انسان کے باطن میں اس کے پروردگار کی عنایات اور اس کے خالق کی خالقیت کے نشانات کا شعور زندہ و بیدار کر رہا ہے۔ وہ خالق جس نے اسے بہترین ساخت میں پیدا کیا حسین صورت عطا کی اور معتدل و متوازن قویٰ ودیعت کیے اور نہایت موزوں اور سلیم فطرت بخشی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خالقِ حقیقی

[1] نزول کے لحاظ سے ۸۲ ویں سورت ہے۔

جس صورت میں چاہے اسے جوڑ کر پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ پھر اس نے اسے شترِ بے مہار نہیں چھوڑ دیا کہ دنیا میں جس طرح چاہے کرتا پھرے اور کوئی اسے پوچھنے والا نہ ہو بلکہ اس نے اس کی ایک ایک حرکت کا حساب رکھنے کا انتظام کیا ہے —— وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ —— بلاشک تم پر ایسے نگران مقرر ہیں جو معزز رپورٹر کی حیثیت سے تمہارے ہر فعل کو جانتے اور رپورٹ کر رہے ہیں ——

اس منظر میں دو طرح کی کیفیات کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایک وہ خوفناک و وحشت انگیز کیفیات جو نظامِ فطرت میں نظر آ رہی ہیں۔ دوسری وہ جو خود نفسِ انسانی کے باطن میں رونما ہوتی ہیں۔ اس کے بعد کلامِ الٰہی جزا و سزا کے مناظر کی عکاسی شروع کر دیتا ہے ہے۔ دیکھئے نیکو کار لوگ جنت میں ہیں اور بدکار دوزخ میں۔ یہ دیکھئے، یہ دوزخ کے عذاب کا تفصیلی منظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ منظر انسان کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگانے میں سب سے بڑھ کر ہے، خصوصاً ان لوگوں کے ضمیر کو جگانے کے لیے جو آج اس دنیا میں اس دن کی تکذیب کر رہے ہیں۔ یہ دیکھئے یہ دوزخ ہے۔ جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہاں سے ہرگز غائب نہ ہو سکیں گے —— يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ —— پھر قیامت کے روز کی عظمت و ہیبت کو نمایاں کرنے کے لیے روزِ جزا کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے پھر اس کی وسعت و ہمہ گیری کا تصور دلانے کے لیے تجاہلِ عارفانہ کے انداز میں اس سوال کو دہرایا جاتا ہے —— وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ —— پھر اس دن کی عظیم ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت خاص طور سے ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے —— يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ —— یہ وہ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اس دن فیصلہ بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا اس دن بادشاہی صرف اسی کی ہوگی باقی سب اس کے حضور میں عاجز و بے بس ہوں گے ۔

ارض و سماء کی فرماں برداری

ارض و سماء اس دنیا میں بھی حکمِ خداوندی کی اطاعت کر رہے ہیں اور قیامت کے برپا کرنے میں بھی وہ اپنے پروردگار ہی کی فرماں برداری میں لگ جائیں گے۔ یہ نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا —— جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے

الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴿٦﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

(سورۃ الانشقاق ۱-۱۵)[1]

فرمان کی تعمیل کرے گا اور اس کے لیے حق یہی ہے کہ اپنے رب کا حکم مانے۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے حق یہی ہے کہ اس کی تعمیل کرے۔ اے انسان! تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا، اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا۔ اس نے سمجھا تھا کہ اسے کبھی پلٹنا نہیں ہے۔ پلٹنا کیسے نہ تھا، اس کا رب اس کے کرتوت دیکھ رہا تھا۔

یہ ایک عمومی منظر ہے جس میں آسمان کے پھٹ جانے اور زمین کو اس انداز میں ہموار کر دینے کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ اب اس میں کوئی اونچی نیچی جگہ باقی نہیں رہی۔ یہ تقریباً وہی منظر ہے جو قبل ازیں پیش کیا جا چکا ہے۔ البتہ اس میں چند ایسی نئی باتیں بھی ہیں جو منظر میں کئی قیمتی پہلوؤں کا اضافہ کر رہی ہیں۔

اس منظر میں آسمان پھٹتا ہے لیکن وہ حدوثِ مادہ کے اس عمل میں اکیلا نہیں ہے۔ اسی طرح وہ اس عمل میں خودسر بھی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے پروردگار کا تابع فرمان ہے۔ اس نے اپنی باگ ڈور اپنے پروردگار کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ پھٹنے کے معاملہ میں بھی وہ اسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے اور اس کے لیے حق بھی یہی ہے۔ اسی طرح زمین ہموار ہو جاتی ہے۔ اس کی پہاڑیاں اور بلندیاں سب برابر ہو جاتی ہیں۔ اس کے اندر جو مردہ انسان اور اعمالِ انسانی کی جو شہادتیں مدفون و محفوظ ہیں انہیں باہر نکال کر خالی ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ بھی آسمان کی طرح اپنے رب کی فرماں بردار ہے۔ اپنا پیٹ خالی کر دینے میں اسی کا حکم بجا لاتی ہے۔ گویا مدت سے جس امانت کو اٹھائے ہوئے تھی اسے مالکِ حقیقی کے حوالے کر کے بالآخر اس ذمہ داری کے بوجھ سے سبک دوش ہو گئی ہے۔

یہ ہے حالت تسلیم و رضا کی، انقیاد و اطاعت اور ادائیگی امانت کی، جس میں فطرتِ انسانی نے اس بارِ امانت کو ٹھیک ٹھیک اصل مالک کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ چیز قیامت کے اس

---

[1] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے یہ ۸۳ ویں سورت ہے۔

وسیع منظر میں انسان پر گزرنے والی حالت سے گہری مناسبت رکھتی ہے ـــــ يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝ ـــــ (اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے) سو جس طرح ارض و سماء پروردگار عالم کے حضور پہنچ کر اپنا سارا بوجھ اس کے سامنے لا ڈالنے والے ہیں اسی طرح انسان اس دنیا میں حالات زمانہ کے تھپیڑے کھاتا مصیبتیں جھیلتا چار و ناچار اپنے رب کے حضور حاضری کے لیے کھنچا چلا جا رہا ہے۔ تاکہ بالآخر وہاں پہنچ کر اپنی جزائے اعمال پالے ـــــ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ ـــــ پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا، اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔ اس حقیقت کا علم ہمیں پیشتر ازیں کسی دوسرے منظر میں ہو چکا ہے۔ البتہ یہاں اتنی بات زائد ہے کہ وہ اپنا پروانۂ جزا لے کر اپنے اہل و عیال کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔ جیسا کہ عموماً اس موقعہ پر ہوتا ہے کہ جب آدمی کو کہیں سے مال مل جاتا ہے تو وہ خوشی خوشی گھر والوں کے پاس خوش خبری لے کر لوٹتا ہے۔ گھر والے اس کی خوش بختی کی باتیں کرنے لگتے ہیں کیونکہ جس شخص کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے نامۂ اعمال دیا جائے گا ـــــ اور یہ نامۂ اعمال دینے کا بالکل نیا انداز ہے ـــــ وہ دنیا میں اپنے گھر والوں میں خوش خوش واپس لوٹا کرتا تھا اسے یہ گمان تھا کہ وہ کبھی بھی اللہ کے ہاں لوٹ کر نہیں جائے گا۔ لیکن آج وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہاں جو چیز مقابلتاً پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کے سیدھے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ وہ آخرت میں اپنے گھر والوں میں خوش خوش لوٹے گا۔

نافرمانوں پر سکتے کا عالم

قیامت کی گھڑی اچانک آ جائے گی۔ خدا کے نافرمان حیران و ششدر رہ جائیں گے اور ان پر سکتے کی حالت طاری ہوگی۔ سورۂ روم میں اس موقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَ

اور جب وہ ساعت برپا ہوگی اس دن مجرم ہکّا بکّا رہ جائیں گے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ جس روز وہ ساعت برپا ہوگی اس دن (سب انسان) الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے

لِقَآیِٔ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴿۱۶﴾

(سورۂ روم ۱۲-۱۶)

نیک عمل کیے ہیں وہ ایک باغ میں شاداں و فرحاں رکھے جائیں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ہے وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ﴿۵۷﴾

(سورۂ روم ۵۵-۵۷)

اور جب وہ ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں، اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے مگر جو علم اور ایمان سے بہرہ مند کیے گئے تھے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تو تم روزِ حشر تک پڑے رہے ہو، سو یہ وہی روزِ حشر ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔ پس وہ دن ہوگا جس میں ظالموں کو اُن کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی۔ اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔

پہلا منظر مجرمین کا منظر ہے۔ قیامت کی گھڑی ان پر اچانک آجاتی ہے۔ وہ حیرت و استعجاب کی وجہ سے دم بخود ہو جاتے ہیں۔ ان پر اس شخص کی طرح سکتے کی حالت طاری ہو جاتی ہے جو ہر طرف سے مایوس ہو کر یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اب نہ تو آہ و فغاں کا کوئی فائدہ ہے نہ بھاگنے سے کچھ حاصل۔ پھر خدا کو چھوڑ کر وہ دنیا میں جن کو خدائی میں اس کا شریک ٹھہراتے اور ان کی بندگی و غلامی کرتے رہے تھے ان میں سے کسی کو بھی اپنا سفارشی اور حمایتی نہیں پاتے۔ بلکہ الٹا ان کے یہ ٹھہرائے ہوئے شریکانِ خدا ان کی عبادت و بندگی کا انکار اور ان کے ساتھ اپنے کسی قسم کے تعلق کی قطعی تردید کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد لوگ دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو خدا اور رسول اور یومِ آخرت پر ایمان لائے وہ باغِ جنت میں رکھے گئے ہیں۔ وہ مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے ان کے چہروں پر فرحت و شادمانی کی رونق برس رہی ہے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دنیا میں خدا اور رسول اور آخرت کا انکار کیا اور اس کے بھیجے ہوئے ضابطۂ حیات سے روگردانی کی وہ چار و ناچار، خواہ نخواہ دوزخ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

بعد ازاں ہمارے سامنے دوسرا منظر آتا ہے۔ یہ بھی مجرمین ہی کا منظر ہے جس میں وہ یکایک قبروں سے اٹھا دیے جاتے ہیں۔ ان کا احساس انہیں دھوکا دیتا ہے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ قبر میں وہ پل بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے کہ اٹھا دیے گئے ہیں۔ اس موقع پر علم و ایمان کی دولت سے بہرہ مند لوگ مداخلت کرتے ہیں ـــــ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس معاملے میں کچھ کہنے

لہ ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے یہ ۸۴ ویں سورت ہے۔

پر انہیں مامور کیا گیا ہے (جیسا کہ کسی سابقہ منظر میں ہم بیان کر چکے ہیں)، —— وہ ان کی جہالت و نادانی کا پردہ چاک کرتے اور وہ حقیقت بیان کرتے ہیں جو ان کی نظروں سے اوجھل رہی ہے۔ وہ انہیں بتاتے ہیں کہ "یہ حقیقت تو نوشتۂ خدا میں موجود ہے کہ جتنی مدت اس نے چاہا تم قبروں میں پڑے رہے حتیٰ کہ آج حشر کے روز تمہیں اٹھا دیا گیا ہے اور یہی وہ بعث بعد الموت ہے جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔"

اس صورتِ حال کے فوراً بعد جس چیز سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے وہ یہ اعلان ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ —————— پس حشر کا دن وہ دن ہے جس میں خدا کی بغاوت و سرکشی کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں کو ان کے حیلے بہانے کوئی نفع نہ دیں گے نہ انہیں معافی مانگنے کی مہلت ہی دی جائے گی۔ اُف! کتنی بے چارگی و بے بسی ہے!

کافر و مومن کے انجام کا فرق

قیامت کے روز کافر و مومن کے انجام کا فرق ذیل کی آیات میں ملاحظہ فرمائیے:

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
(العنکبوت ۵۴ - ۵۵)

یہ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ جہنم ان کافروں کو گھیرے میں لے چکی ہے (اور انہیں پتہ چلے گا) اس روز جبکہ عذاب انہیں اوپر سے بھی ڈھانک لے گا اور پاؤں کے نیچے سے بھی اور کہے گا کہ اب چکھو مزا اپنے کرتوتوں کا جو تم کرتے تھے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝
(العنکبوت ۵۸)

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔

یہ بڑا عجیب منظر ہے جس کی مثال ایک دوسرے انداز میں پیشتر ازیں گزر چکی ہے۔ یہ دیکھیے یہ لوگ پیغمبر خدا سے عذاب جلدی لے آنے کا تقاضا کر رہے ہیں۔ تقاضا کیا کر رہے ہیں وہ تو اس کی گرفت میں آ چکے ہیں۔ گویا جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ جس حیثیت میں اس منظر کو ہم دیکھ رہے ہیں وہ نہیں دیکھ رہے۔ ان کی غفلت و بے خبری بھی سخت حیرت انگیز ہے، کہ اپنے کفر

ؔ ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۸۵ ویں سورت ہے۔

ولبغاوت کے سبب دوزخ کے سر پر کھڑے عذاب کی جلد آمد کا تقاضا کر رہے ہیں حالانکہ وہ اپنے کرتوتوں کے ہاتھوں اس میں از خود گھرے پڑے ہیں۔ موقعہ و محل کی مناسبت سے دوزخ آخرت میں عذاب کی عکاسی کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ عذاب نے انہیں اوپر سے بھی ڈھانک رکھا ہے اور پیروں کے نیچے سے بھی گھیر رکھا ہے۔ بالفاظ دیگر ان کے چاروں طرف عذاب ہی عذاب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں ڈانٹ بھی پلائی جاتی ہے —— ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ —— جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے تھے آج اس کا مزا چکھو!

اس کے برعکس دوسری طرف اہلِ ایمان ہیں۔ کافر جس دوزخ میں چاروں طرف سے عذاب پا رہے ہیں اس کے عین بالمقابل جنت کے عالی شان بالاخانوں میں قیام کیے پُر عیش دائمی زندگی گزار رہے ہیں۔ دوزخ بھی ایک قیام گاہ ہے اور یہ جنت بھی۔ لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کفار پر پڑنے والی اہانت آمیز ڈانٹ ڈپٹ کے مقابلے میں اہلِ ایمان عزت و تکریم سے بہرہ اندوز ہیں۔ بے شک اچھے عمل کرنے والوں کے لیے یہ بہترین اجر ہے۔ مادی عیش و آرام کے علاوہ یہ روحانی آسودگی ہے جو اہلِ ایمان کو میسّر ہے۔

سِجّین اور عِلّیّین کی حقیقت

خدا کے نافرمانوں اور فرماں برداروں کے نامہائے اعمال علیحدہ علیحدہ دفتروں میں ریکارڈ کیے جا رہے ہیں۔ حسب ذیل آیات اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں :۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿۷﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿۸﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜرَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ

ہرگز نہیں، یقیناً بدکاروں کا نامۂ اعمال قید خانے کے دفتر میں ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ قید خانے کا دفتر کیا ہے؟ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو روزِ جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزر جانے والا بدعمل ہے اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ ہرگز نہیں، بالیقین اس روز یہ اپنے رب کی دید سے محروم رکھے جائیں گے

النعيم ﴿٢٤﴾ يسقون من رحيق مختوم ﴿٢٥﴾ ختمه
مسك وفي ذلك فليتنافس المتنافسون ﴿٢٦﴾ و
مزاجه من تسنيم ﴿٢٧﴾ عينا يشرب بها المقربون ﴿٢٨﴾
إن الذين أجرموا كانوا من الذين آمنوا يضحكون ﴿٢٩﴾
وإذا مروا بهم يتغامزون ﴿٣٠﴾ وإذا انقلبوا إلى أهلهم
انقلبوا فكهين ﴿٣١﴾ وإذا رأوهم قالوا إن هؤلاء
لضالون ﴿٣٢﴾ وما أرسلوا عليهم حافظين ﴿٣٣﴾ فاليوم
الذين آمنوا من الكفار يضحكون ﴿٣٤﴾ على الأرائك
ينظرون ﴿٣٥﴾ هل ثوب الكفار ما كانوا يفعلون ﴿٣٦﴾

(سورۃ مطففین[1] ۷ - ۳۶)

پھر یہ جہنم میں جا پڑیں گے، پھر ان سے کہا جائیگا کہ یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز نہیں، بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں ہے اور تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے وہ بلند پایہ لوگوں کا دفتر؟ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے اونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق محسوس کرو گے۔ ان کو نفیس ترین سر بند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی۔ جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔ اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس کے پانی کے ساتھ مقرب لوگ شراب پئیں گے مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مار مار کر ان کی طرف اشارے کرتے تھے؛ اپنے گھروں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے، اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں، حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ آج ایمان لانے والے کفار پر ہنس رہے ہیں، مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان کا حال دیکھ رہے ہیں۔ مل گیا ناکافروں کو ان حرکتوں کا ثواب جو وہ کیا کرتے تھے؟

پہلی بار قرآن مجید اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ بدکاروں کا نامۂ اعمال ایک مخصوص جگہ میں محفوظ ہے جو اس جگہ سے مختلف ہے جہاں نیکوکاروں کے نامہ ہائے اعمال محفوظ ہیں۔ چنانچہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ بدکاروں کا نامۂ اعمال "سجّین" میں ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ "سجّین"[2] کیا ہے اور کہاں ہے؟ البتہ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ قرآن کے اختیار کردہ اسلوب بیان کے مطابق یہ کوئی ایسی ہی جگہ ہے جو "علیین" کے مقابلے میں کسی پستی میں واقع ہے۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان گنہ گاروں اور ان کے پروردگار کے درمیان پردہ حائل کر

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۸۶ ویں سورت ہے۔ [2] اصل میں لفظ "سجّین" "سجن" سے ماخوذ ہے جس کے معنی جیل اور قید خانے کے ہیں۔ قرآن نے آخرت میں اس قید خانے کا تصور "اسفل السافلین" (پستی میں سب سے نچلا) کی صورت میں دیا ہے یعنی دوزخ کا سب سے نچلا حصہ۔ اسی لیے اسے یہاں "علیین" (بلند مرتبہ) کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں سزا کے مستحق لوگوں کے اعمال نامے درج کیے جا رہے ہیں اور یہ رجسٹر دوزخ کے نچلے حصے میں رکھا ہوا ہے۔

دیا گیا ہے ۔ یہ اُسے دیکھ نہیں سکتے ۔ بلاشک اللہ کو تو کوئی انسان بھی اپنی ان آنکھوں سے
نہیں دیکھ سکتا ۔ لیکن ان کے درمیان حائل پردہ دراصل معنوی اور باطنی پردہ ہے جسے مجسّم
صورت میں دکھایا گیا ہے ۔ اُن کے دلوں میں اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے ایسا حجاب پیدا
ہو گیا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف کبھی بھی نگاہ تک اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے بلکہ یاس و قنوطیت
کے عالم میں ندامت و شرمساری سے سر نیہوڑائے کھڑے ہیں ۔ ان کے دل ان کے اعمال کے
سبب زنگ آلود ہو کر ہدایت سے دُور ہو چکے ہیں اور ہدایت کی روشنی اُن سے دُور ہو گئی ہے ۔
ان کی بہترین جزا یہی ہے کہ آخرت میں انہیں اپنے رب کی دید سے محروم کر دیا جائے ۔ موقعہ و
محل کے لحاظ سے یہ کتنی موزوں جزا ہے !

اسی طرح ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ نیکوکار خوشنما مسندوں پر بیٹھے نظارے کر
رہے ہیں ۔ پُرعیش زندگی کی رونق ان کے چہروں پر جھلکتی نظر آتی ہے ۔ اس موقعہ پر قرآن پہلی
بار یہ صراحت کرتا ہے کہ انہیں شراب مشک بیز[1] پلائی جائے گی ۔ اس شراب میں تسنیم ملی ہوگی
تسنیم جنت کا وہ چشمہ ہے جس کے پانی سے مقربین بارگاہ سیراب ہوں گے ۔ یاد رہے ۔ یہاں
تسنیم کا ذکر بھی پہلی بار آیا ہے جس سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ یہ کوئی جنت کا چشمہ ہے جس سے
جنتی پیاس بجھائیں گے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ ان دونوں مناظر میں ـــ یعنی عالی شان جنت کا منظر جس کی نعمتوں
سے مقرب لوگ متمتع ہوں گے اور اس استہزاء آمیز ٹھٹھول کا منظر جو دنیا میں بدکار لوگ ایمان والوں
کے ساتھ کریں گے ـــ ان دونوں کے اندازِ بیان میں طوالت کا رنگ موجود ہے ۔ جب ان مناظر
کا بیان قدرے طول پکڑتا ہے خصوصاً دوسرے منظر کے بیان میں تو آخر میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا

---

[1] اصل الفاظ ہیں "خِتَامُهٗ مِسْكٌ" اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن برتنوں میں وہ شراب رکھی ہوگی
ان پر مٹی یا موم کے بجائے مشک کی مُہر ہوگی ۔ اس مفہوم کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ شراب
کی ایک نفیس ترین قسم ہوگی جو نہروں میں بہنے والی شراب سے اشرف و اعلیٰ ہوگی اور اسے جنت کے خدام
مشک کی مُہر لگے ہوئے برتنوں میں لا کر اہلِ جنت کو پلائیں گے ۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شراب
جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو آخر میں ان کو مشک کی بُو محسوس ہو گی ۔ یہ کیفیت دنیا کی شرابوں
کے بالکل برعکس ہے جن کی بوتل کھلتے ہی بُو کا ایک بھبکا ناک میں آتا ہے ، پیتے ہوئے بھی ان کی بدبُو
محسوس ہوتی ہے ۔ اور حلق سے جب وہ اترتی ہے تو دماغ تک اس کی سڑاند پہنچ جاتی ہے جس کی
وجہ سے بدمزگی کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں ۔
(حاشیہ از تفہیم القرآن جلد ششم)

ہے کہ "آج اہلِ ایمان کفار پر ہنس رہے ہیں اور بلند مسندوں پر بیٹھے ان پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کا نظارہ کر رہے ہیں"۔ اس سے دل پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

اس کے بعد کلام الٰہی دنیا میں اہلِ ایمان کا مذاق اڑانے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تنبیہہ کے انداز میں کہتا ہے "— هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ؟ — کفار دنیا میں جو کچھ کرتے رہے تھے، انہیں اس کا بدلہ مل گیا نا؟"

ہرگز نہیں، دنیا میں انہیں اس کا کوئی بدلہ نہیں دیا گیا وہ دنیا میں اسی حال میں تھے جس میں ہم نے انہیں ابھی دیکھ لیا۔ لیکن تا بکہ؟ لو، وہ اب دوزخ میں ہیں! یہاں بدلہ ملنے میں کچھ دیر نہیں! اُف! کتنا ہولناک ہے یہ منظر!

پیشواؤں کا اعلانِ برأت

خدا کے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کی ایک تصویر سورۃ البقرہ میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

۱۔ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

(البقرہ ۲۴-۲۵)

۔۔۔ تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو مہیا کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے — اور اے پیغمبر! جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کرلیں انہیں خوش خبری دے دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے، جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے۔ ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

۲— وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ

اور کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر انہیں سوجھنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں، اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب

لہ زمانۂ نزول کے لحاظ سے یہ ۸۷ ویں سورت ہے۔

تُمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

(البقرہ ۱۶۵۔۱۶۷)

وہ سزا دیکھ لے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور راہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے، مگر سزا پاکر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا، اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم ان سے بیزار ہو کر دکھا دیتے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

۳ ـــــ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾

(البقرۃ ۱۷۴)

حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کریگا اور نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا، اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔

دوزخ کا ایندھن اور جنّت کے پھل؟

پہلی آیت میں آتش جہنم کی نئی تصویر پیش کی گئی ہے۔ ہماری پہلی معلومات یہ ہیں کہ اس آگ کا ایندھن کچھ انسان ہوں گے اور کچھ جھوٹے خدا۔ لیکن یہ منظر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آگ کا ایندھن پتھر بھی بنیں گے۔ اس لحاظ سے انسان ان پتھروں کے برابر ہوں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان پتھروں کی پرستش ہی کی جاتی ہو کیونکہ یہ جہنم تو ہر چیز کو ہڑپ کر جائے گی خواہ انسان ہوں یا پتھر۔ اس میں دوزخ میں پڑنے والوں کی تحقیر کا پہلو موجود ہے۔ گویا وہ انسان نہیں پتھر ہی ہیں جو پتھروں کی جگہ چن دیے گئے ہیں۔

اسی طرح اس میں جنت کی تصویر بھی نئی ہے۔ جنت میں ملنے والے پھل بظاہر متشابہ ہوں گے لیکن ان کا ذائقہ مختلف ہوگا۔ جب بھی اہل ایمان کو یہ پھل دیئے جائیں گے وہ کہیں گے "ـــــ هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ـــــ" (یہ تو وہ پھل ہیں جو قبل ازیں ہمیں دنیا میں دیے گئے تھے) شاید ان پھلوں کی اس ظاہری مشابہت اور حقیقت میں ان کے مختلف الذائقہ ہونے میں ہی وہ غیر متوقع لذت و سرور ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ ظاہری مشابہت و حقیقت میں اختلافِ ذائقہ اس نعمتِ ابدی سے مستفیض ہونے والوں کی سادہ لوحی کا شفقت آمیز مذاق

بھی ہے جس سے جنت کے بارے میں ان کے احساس و شعور میں اضافہ ہوتا ہے اور شاید یہ اس قدرتِ قاہرہ کے مختلف مظاہر میں سے ایک مظہر بھی ہے جو انواع و اقسام کی باہم متشابہ اور بظاہر ایک جیسی اشیاء میں فرق پیدا کرتی ہے۔

دوزخ کی آگ اور حسرتیں دوسری آیات میں پیشواؤں اور ان کی پیروی کرنے والوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔ البتہ یہاں اس کی بعض جزوی تفصیلات مختلف ہیں۔ اس تفصیل میں ان کی باہمی گفتگو کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ دنیا میں جن کی پیروی کی گئی تھی وہ پیروی کرنے والوں کی پیروی سے برأت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ چیز ان کے دلوں میں اپنے پیشواؤں کے خلاف نفرت و بیزاری پیدا کردیتی ہے۔ وہ مارے غصے کے اپنے پورے کاٹتے ہیں۔ اب ان کی ایک ہی آرزو ہوتی ہے کہ انہیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اپنا بدلہ چکانے کے لیے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں اور بس — لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا — اے کاش! ایک دفعہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ ہم بھی ان سے اسی طرح اظہارِ بیزاری کریں جس طرح انھوں نے کیا ہے۔ لیکن افسوس! یہ ان کی حسرت ہی ہوگی ورنہ وہ آگ میں سے نکلنے والے نہیں ہیں — وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ —

تیسری آیت جسمانی اور روحانی عذاب کی ایک ایسی صورت پیش کرتی ہے جس کا ذکر یہاں پہلی مرتبہ کیا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ کی آیات تھوڑی قیمت میں بیچتے ہیں وہ گویا اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں — مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ — یہ حقیقتاً بڑا عجیب منظر ہے کہ آپ اپنے تصور میں انہیں آگ کھاتے دیکھتے ہیں۔ یہ آگ ان کے پیٹوں میں بھری پڑی رہتی ہے۔ البتہ آخرت میں انہیں ناقابلِ اعتناء سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نہ ان سے بات ہی کرتا ہے نہ انہیں پاکیزہ گردانتا ہے۔ افسوس کہ ان کے لیے سخت رسوا کن عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ بے شک یہ جسمانی عذاب سے بڑھ کر روحانی عذاب ہے کہ جس کی وجہ سے نہ ذہنی کوفت میں کوئی کمی ہوتی ہے نہ قلبی خفت میں تخفیف۔

قیامت کی سُرخروئی اور سیاہ رُوئی

قیامت کے روز اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ پر وارد ہونے والی مختلف کیفیات کی تصویر

سورۂ آلِ عمران میں یوں پیش کی گئی ہے:

۱ــــ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ

(آلِ عمران ۳۰)

وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کئے کا پھل حاضر پائے گا خواہ اس نے بھلائی کی ہو یا برائی۔ اس روز آدمی تمنا کریگا کہ کاش ابھی یہ دن اُس سے بہت دور ہوتا!

۲ــ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۞

(آلِ عمران ۷۷)

رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ قیامت کے روز نہ اُن سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ اُن کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔

۳ ـــــــــــ أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۞ خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۞ (آلِ عمران ۸۷-۸۸)

ان کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے، اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائیگی۔

۴ ـــــــــ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۞ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۞ (آلِ عمران ۱۰۶-۱۰۷)

(وہ اس روز سخت سزا پائیں گے) جبکہ کچھ لوگ سُرخ رُو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا جن کا منہ کالا ہوگا (اُن سے کہا جائے گا کہ) نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اس کفرانِ نعمت کے صلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔ رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔

۵ ــــــــــ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِۦ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ ۗ

(آلِ عمران ۱۸۰)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔

۶ ـــ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ

(آلِ عمران ۱۸۵)

آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو، کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔

ــ بہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۸۹ ویں سورت ہے۔

تمنّائے بے سُود

پہلا منظر روحانی سایوں پر مشتمل ہے جو تجسیم خیالی میں پیدا ہوتے ہیں
دنیا میں انہوں نے جو اچھے یا بُرے عمل کیے تھے جب وہ قیامت
کے روز حاضر کر دیے جاتے ہیں، تو آپ دیکھتے ہیں کہ یہ ذی حیات نفوس ہیں۔ گویا یہ کوئی مجسّم
چیز ہے جو حاضر کر دی گئی ہے۔ وہ اپنے سامنے ایک محسوس چیز پاتے ہیں جس سے احتراز کی
کوئی صورت نہیں۔ عین اس حال میں ان ذی حیات نفوس سے یہ روحانی سائے ابھرتے ہیں۔
قوتِ متخیّلہ انہیں ہمارے سامنے پوری طرح مشخّص کر دیتی ہے۔ دنیا میں انہوں نے جو عمل خود
کیے تھے وہ ان سے سخت متنفّر ہیں اور چاہتے ہیں کہ کاش ان کے یہ اعمال ان سے بہت
دور ہو جائیں۔ ذلت و رسوائی اور تمنائے بے سود کی یہ وہ منحوس گھڑیاں ہیں جن کا نقشہ ان چند
مختصر سے کلمات میں کھینچا گیا ہے۔

دوسرا منظر ان لوگوں کی تحقیر و توہین اور ان کے ساتھ روا رکھی گئی بے التفاتی کا منظر
ہے جنہوں نے ایک عہد کیا۔ پھر اپنے عہد کی پاسداری نہ کی اور اس عہد کے ساتھ دنیا کے
قلیل فائدے کی خاطر بے وفائی کی۔ یہ تصویر بھی پہلے گزر چکی ہے لیکن یہاں کسی قدر اضافے
کے ساتھ دوبارہ پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ یہاں اس بے وفائی اور لاپرواہی کا نتیجہ بھی
بے اعتنائی اور اہانت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ یعنی اللہ ان سے ہم کلام نہیں ہوگا نہ انہیں
گناہوں سے پاک کرے گا۔ مزید یہ کہ اللہ ان کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈالے گا۔ حالانکہ نگاہ
ڈالنا بات کرنے اور گناہوں سے پاک کرنے سے کم تر درجے کی چیز ہے۔ لیکن وہ اس ادنیٰ
سی نعمت سے بھی محروم رہیں گے۔ اس موقعہ پر ان کی حیثیت کا ذرہ بھر لحاظ نہیں کیا گیا۔
کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو نہیں توڑا؟ اور لوگوں سے اس کے بدلے معمولی سی
قیمت نہیں وصول کی؟ اچھا! تو سن لیں، وہ یقیناً "اس تحقیر و اہانت اور بے اعتنائی کے مستحق ہیں!"

پھٹکار ہی پھٹکار

تیسرا منظر عذاب کا ایک نیا رنگ پیش کرتا ہے جس کی تصویر پہلے نہیں
گزری۔ یہ عذاب آگ کا عذاب نہیں۔ نہ یہ تھوہر کے درخت کا عذاب
ہے۔ نہ یہ پگھلی ہوئی دھات کا عذاب ہے جو پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی کی مانند جوش
مارے گا۔ نہ یہ زخموں کے دھوون والا عذاب ہے۔ نہ یہ کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ہے
جسے دوزخی پیاسے اونٹ کی طرح غٹ غٹ پئیں گے۔ بلکہ یہ تو اور طرح کا عذاب ہے۔ بیشک
یہ ایسا عذاب ہے جسے انسان کے پیٹ اور بدن سے بڑھ کر اس کا قلب و روح زیادہ محسوس

کرتا ہے۔ یہ عذاب دراصل دوزخیوں پر اللہ کی، فرشتوں کی نیز سب انسانوں کی پھٹکار ہے ان سب کی لعنت میں سے صرف ایک ہی لعنت کا حال یہ ہے کہ وہ حیاتِ انسانی کو تاریک اور اسے شدید ترین عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ آدمی پر لوگوں کے ایک ہی گروہ کی طرف سے پڑنے والی لعنت اس کی زندگی کو جہنم بنا کر رکھ دیتی ہے تو تصور کیجئے اللہ کی طرف سے سب فرشتوں نیز سب انسانوں کی طرف سے پڑنے والی لعنت و پھٹکار بحیثیتِ مجموعی کتنی خوفناک ہوگی؟ درحقیقت یہ عذاب کی ایسی شکل ہے جس کی برداشت کی کسی میں سکت نہیں۔ یہ واقعی اس قابل ہے کہ اسے عذاب کا نام دیا جائے۔ یہ عذاب برسرِ موقعہ موجود ہے اس کے لیے کسی مہلت و انتظار کی کوئی حاجت نہیں ——— خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ——— (اس عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔)

باطن کا عکس چوتھے سین میں ہم عجیب منظر دیکھتے ہیں۔ کچھ چہرے ہمیں سیاہ نظر آتے ہیں۔ اور کچھ روشن۔ یہ بات ضروری ہے کہ ہم اب پہچان لیں کہ کن لوگوں کے چہرے سیاہ ہیں اور کن کے روشن۔ یہ منظر محسوس ہونے والا منظر ہے۔ لیکن یہ منظر اس نفسیاتی تاثر کی پیداوار ہے جس کا عکس کچھ مخصوص چہروں پر پڑتا ہے تو وہ سیاہ ہو جاتے ہیں اور جب کچھ دوسرے مخصوص چہروں پر پڑتا ہے تو وہ روشن و چمکدار ہو جاتے ہیں۔ یہ اس بات کی کافی دلیل ہے کہ ان کے اور ان کے دلوں پہ کیا کچھ بیت رہی ہے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے احساسات و جذبات ان کے چہروں پر اپنا عکس ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ——— فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ——— (پس جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے انہیں حکم ہوگا "کیا نعمتِ ایمان پانے کے بعد تم نے کفر اختیار کیا؟ سو چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کی پاداش میں جو دنیا میں تم کرتے رہے۔")

——— وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ———

(اور جن کے چہرے سفید براق ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)۔

ایک اعلانِ خداوندی میں منکرینِ حق کی سزا و تحقیر میں زیادتی اور دوسرے میں اہلِ ایمان پر ازدیادِ نعمت و تکریم موجود ہے۔

راہِ خدا میں تنگ دلی

پانچواں سین بھی بڑا عجیب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے دنیا میں اپنے فضل سے نوازا۔ رزق میں وسعت عطا کی۔ مال و متاع دیا لیکن وہ سب کچھ پر سانپ بن کر بیٹھ گئے اور سمجھ بیٹھے کہ وہ کامیاب ہیں۔ پھر قیامت کے روز آحاضر ہوئے۔ جو کچھ انہوں نے سینت سینت کر جمع کر رکھا تھا اب وہ مجسم صورت میں ان کے گلے کا ہار بنا دیا گیا ہے کہ سانس لینا ان کے لیے دو بھر ہو گیا ہے۔ سزا کی خاطر ان کے گلے میں اب نئے طوق ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنے گلے کے طوق اپنے گھروں سے لے کر آئے ہیں۔ یہ طوق اس مال و متاع کے ہیں جو دنیا میں ان کے قبضے میں تھا اور جسے وہ کنجوسی کر کر کے جمع کرتے رہے تھے۔ بے شک یہ عجیب قسم کی سزا اور خوفناک قسم کی جزا ہے!

چھٹا منظر عذاب کی شدت کی تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ تصویر نہ براہِ راست مرتسم ہوتی ہے نہ لفظاً اجاگر۔ اس منظر کی حیثیت بس یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کے الفاظ مخصوص عکس سامنے لا کر ڈال دیتے ہیں جس سے ذہنِ انسانی میں خوفناک منظر ابھرتا ہے ——— فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ——— (جو شخص دوزخ میں گرنے سے بچ گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب رہا)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص دوزخ میں گرنے والا ہے۔ دوزخ کے کنارے سے تھوڑا سا پیچھے ہٹنے کے لیے اسے سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ دوزخ سے پیچھے ہٹنے کی کوشش دراصل بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ لفظ "زُحۡزِحَ" بذاتِ خود اپنے معنی کی تصویر ہے۔ اس سخت تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد جس شخص کو نجات مل گئی وہ فی الحقیقت کامیاب رہا۔ وہ ان جان لیوا خطرات سے بچ گیا جو آدمی کو اپنی طرف پوری قوت سے کھینچے جا رہے ہیں، جن سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے سخت مجاہدے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یوں دوزخ کی طرف لے جانے والے سخت خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد وہ جنت میں داخل ہوتا ہے!

یہ منظر دوزخ سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کی خاطر سخت محنت طلب جدوجہد کا منظر ہے جسے دیکھ کر آدمی کے دل و دماغ میں یہ احساس جاگزین ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ بڑی انتھک تگ و دو اور بڑا کٹھن کام ہے۔ اور یہ کہ دوزخ آدمی کے راستے میں گھات لگائے بیٹھی ہے۔ کوئی شخص سخت کوشش، انتہائی توجہ، اپنی ہمت سے بڑھ کر طاقت

اور زبردست مجاہدے اور جہاد کے بغیر اس سے نجات نہیں پا سکتا!

حسرت آمیز ندامت

آتشِ دوزخ میں دوزخیوں کی حسرت آمیز ندامت کے منظر کی ایک جھلک یہ آیات بھی پیش کرتی ہیں :-

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

(الاحزاب[1] ۶۶ - ۶۸)

جس روز ان کے چہرے آگ پر الٹ پلٹ کئے جائیں گے اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی" اور کہیں گے "اے رب ہمارے، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کر دیا۔ اے رب، ان کو دُہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر۔"

پیشتر ازیں ہم دوزخیوں کو آتشِ دوزخ میں اوندھے منہ ڈالنے، مجرمین کو جہنم کی آگ میں بھون ڈالنے اور دوزخ کی آگ میں انہیں منہ کے بل گھسیٹنے کے مناظر دیکھ چکے ہیں۔ اب یہاں ہمارے سامنے ایک دوسرا ہی منظر ہے۔ یہ منظر اُن چہروں کا ہے جو آگ پر الٹ پلٹ کئے جا رہے ہیں۔ آخر انہیں الٹ پلٹ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے! آتشِ دوزخ تو انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے! یہ بڑا دہشت انگیز منظر ہے۔ اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ آگ بدن کے ہر حصہ اور چہرے کے ہر پہلو تک پہنچ جائے! اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ ہم انہیں پُر ندامت و حسرت آمیز آواز اور پُر تحقیر و ذلت آمیز لہجے میں یہ کہتے سنتے ہیں کہ "کاش ہم نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی" —— يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ؀ —— پھر ان کی یہ پُر یاس و پُر ندامت آہ مزید بلند ہوتی ہے اور ان لوگوں کے خلاف سخت تلخ و دردناک غیظ و غضب کی شکل اختیار کر لیتی ہے جن کے ہاتھوں وہ اس بُرے انجام کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ وہ پکار اٹھتے ہیں: "اے ہمارے رب، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کر دیا۔ اے رب! ان کو دُہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر۔"

اس کے بعد منظر ختم ہو جاتا ہے اور اس سارے غیظ و غضب کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

---

[1] بہ لحاظ زمانۂ نزول یہ ۹۰ ویں سورت ہے ۔

اور حاشیۂ خیال میں چہروں کے الٹنے پلٹنے، حسرت و یاس، دل کی کڑھن اور سخت تلخ غصے کے سوا کچھ محفوظ نہیں رہتا۔

قیامت کے روز انبیا کی شہادت

سورۃ النساء میں قیامت کے مختلف مناظر کی تصویریوں پیش کی گئی ہے:

۱۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ (النساء ۴۱-۴۲)

پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

۲ ——— إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝ (النساء ۵۶-۵۷)

جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا اور نیک عمل کیے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور انہیں ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔

۳ ——— وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ (النساء ۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

۴ ——— إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ (النساء ۱۴۵)

یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

سورۃ ترتیب نزولی کے لحاظ سے ۹۲ ویں سورت ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الممتحنہ نازل ہوئی۔ جس میں قیامت کا ذکر اشارے کے طور پر ہوا ہے۔

پہلے منظر کے مشاہدہ سے آدمی کے تحت الشعور میں ایک زبردست
عالمِ بے خودی اور حسرت گھڑی جان لیوا رسوائی اور نفس کُش ندامت کی تصویر نقش ہوتی
ہے۔ مجرمین حاضر اور گواہ پیش کر دیے گئے ہیں۔ ہر رسول اپنی اپنی قوم کی کارگزاریوں پر گواہی
دینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ عین اس موقعہ پر جن لوگوں نے دنیا میں کفر کی روش اختیار
کی اور رسول کی نافرمانی کرتے رہے، یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! زمین انہیں نگل لے! اس طرح کا
اسلوبِ بیان خاص قدر و قیمت کا حامل ہے۔ عام روزمرہ کے اسلوب میں ندامت و رسوائی کے
احساس کی اس درجہ بہتر ترجمانی نہیں ہوسکتی —— لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ —— کاش زمین
انہیں نگل لے اور سپردِ خاک کر دے —— میں کتنا زورِ بیان اور کتنی بلاغت موجود ہے!

حسنِ بیان کی یہ ندرت اور اس سے شعور میں اُبھرنے والے نفسیاتی نقوش اور ولول
کی گہرائی میں غور و فکر کے لیے پیدا ہونے والی وسعت نیز اس موقعہ پر پیدا ہونے والے احساسات
و جذبات، یہ سب میرے اور ان مختصر سے الفاظ کے معانی کی تہ اس تعبیر کے درمیان حائل
ہیں جو اس کے سوا کی جاتے۔ ان نقوش پر مشتمل یہ پُر ایجاز اسلوبِ بیان میرے حاشیۂ خیال
پر وہ تصویر دوبارہ منعکس کر دیتا ہے جس کا ذکر قرآن کے ان الفاظ میں پہلے گزر چکا ہے۔
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ —— اس روز ہر شخص اس حال میں ہوگا کہ وہ دوسروں
سے بے پرواہ ہو جائے —— یہ دونوں تصویریں اس ہولناک دن کی خالص نفسیاتی ہولناکی
کی عکاسی میں منفرد ہیں۔ یہ منظر اس ہولناکی کی عکاسی میں مادی اجسام کی پیدا کردہ ہولناکی پر غالب
ہے جس میں آسمان کا پھٹ جانا، زمین کا متزلزل ہونا، ستاروں کا جھڑ جانا اور سورج کا
بے نور ہو جانا وغیرہ حادثات شامل ہیں جو اس عظیم عالمِ طبیعی میں ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔

یہ ہولناکی نفسِ انسانی پر طاری ہوتی ہے اور عالمِ محسوسات پر طاری ہونے والی ہولناکی سے
کہیں بڑھ کر گھمبیر ہے۔ ہاں عالمِ طبیعی کی عظیم ہولناکیوں سے کبھی بڑھ کر! صرف تین چار کلموں میں ہمارے
تصور میں تصویروں اور عکسوں کے انبار لگ جاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا منظر محسوس عذاب کی ایک لمبی تصویر ہے۔ اگرچہ اس کے الفاظ
کھالوں کی بار بار تبدیلی تھوڑے ہیں لیکن تکرارِ فعل سے طوالت پیدا ہو گئی ہے ——
—— كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ —— جب
بھی ان کے بدن کی کھال گل جائے گی اس کی جگہ ہم انہیں دوسری کھال دے دیں گے تاکہ وہ خوب

عذاب کا مزہ چکھیں ــــ قرآن میں مناظر پیش کرنے کے سلسلے میں طوالت پیدا کرنے کے لیے جو ذرائع اختیار کیے گئے ہیں یہ اُن میں کا ایک ذریعہ ہے ۔ لفظ كُلَّمَا (جب بھی) پر غور کریں تو ہمارے تصور میں ایک خوفناک نقشہ ابھرتا ہے ۔ "جب بھی" کا یہ مفہوم ہے کہ کھالوں کے گلنے اور ان کی جگہ دوسری کھالوں کے تبدیل ہونے کا خوفناک عمل بار بار ہوتا ہے ۔ جو نہی خوف و دہشت میں اضافہ ہوتا ہے تکرارِ عمل کا پلش خیمہ بن جاتا ہے ۔ مہیب ہولناکی عالم خیال میں ابھرنے والے منظر کے احساس میں شدت پیدا کر دیتی ہے اور آدمی ایک ایسے منظر کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے جس کی اسے خواہش تک نہیں ہوتی ۔ الّا یہ کہ سیاقِ کلام اسے اہلِ ایمان کے منظر کی طرف متوجہ کر دے ۔ جس میں وہ ایسے باغوں میں گھنی چھاؤں میں فروکش ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ یہ منظر اس منظر کے برعکس ہے جس میں بدن کی کھالیں گل سڑ رہی ہیں ۔ ہر طرف آگ کے شعلے ہیں اور لپٹیں ۔ شدید عذاب کا منظر ــــ آگ بھڑکنے اور جسموں کے جھلسنے کا منظر ــــ دیکھنے کے بعد اس تکلیف دِہ فضا کی مناسبت سے اہلِ ایمان کی پُر بہار زندگی کا تصور قوّتِ حاسّہ کو ہر تکلیف سے سلامتی، ٹھنڈک، راحت اور ہمہ پہلو سکون کا احساس دلاتا ہے !

رُفقائے جنت اور منافقین

۳ ۔ تیسرا منظر جنت میں ہونے والی پُر خلوص عزت و تکریم کا ایک نیا رنگ پیش کرتا ہے ۔ یہ عزت و تکریم انبیاؑ، شہدا اور صلحاء کی رفاقت ہے ۔ انسان کے لیے یہی کافی ہے کہ اسے ایسی خلاصۂ کائنات ہستیوں کی صحبت نصیب ہو جائے ــــ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۶۹﴾ ــــ کتنے اچھے ہیں یہ ساتھی جو کسی کو میسر آئیں ــــ یہ انعامِ خداوندی کی وہ قسم ہے جو پاکباز ہستیوں اور پاکیزہ احساسات سے مناسبت رکھتی ہے ۔ وہ ہستیاں جن کے نزدیک رُوحانی اور ادبی انعام کی ایک اہمیت ہے ، وہ عالمِ محسوسات میں ملنے والے پسندیدہ ترین انعام کو اس کے برابر نہیں سمجھتے ۔ اس منظر میں اسی قسم کے انعام کی جھلک ہے ۔

۴ ۔ چوتھے منظر میں پہلی بار منافقوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ انہیں دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں دکھایا گیا ہے ۔ حسّی لحاظ سے بھی اور معنوی لحاظ سے بھی ۔ یہ اندازِ بیان نفسِ انسانی میں دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں کئی منزلہ اونچے بالاخانوں کے نیچے دبے ہوئے اَن دیکھے عذاب میں بوجھل احساس کے ساتھ تحقیر، غلامی کی جھلک کا احساس پیدا کرتا ہے !! ۔

زلزلۂ قیامت اور انسان کی حیرت

زلزلۂ قیامت کے موقعہ پر یہ کرۂ ارضی اپنے اندر محفوظ تمام اسرار اور دفینے باہر نکال کر رکھ دے گا۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

(الزلزال[1] ۱ - ۸)

جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا ڈالی جائے گی، اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی، اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے؟ اس روز وہ اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی، کیونکہ تیرے رب نے اسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہو گا۔ اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ ان کے اعمال اُن کو دکھائے جائیں۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

یہ سورت اپنے نظمِ کلام اور مناظر کی پیش رفت کے لحاظ سے زیادہ تر مکّی سورتوں کے مشابہ ہے۔ اس طرح یہ سورت اسی نوع کی بعض دوسری سورتوں التکویر، الانفطار، اور الانشقاق وغیرہ میں ہی شمار ہوتی ہے۔ اس میں جس ہولناکی کا منظر پیش کیا گیا ہے وہ طبعی مناظر کے نقطۂ نظر سے مادی اور حسِ انسانی کے اندر نفوذ و اثر انگیزی کے لحاظ سے حسّی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں زمین پوری شدت کے ساتھ لرزتی ہے اور اپنے تمام بوجھ نکال باہر کرتی ہے۔ یعنی اس میں گڑے ہوئے مُردہ اجسام، سونے چاندی کی قسم کے زیرِ زمین معدنی ذخائر اور قیمتی مخفی دفینے سب کچھ نکال کر باہر ڈال دیتی ہے۔ انسان ایک ایسے منظر کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہے جس سے وہ کبھی مانوس نہیں ہوا، جو اس کے احساس و ضمیر کو پوری طرح متاثر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اس حیرت و اس باختگی کے عالم میں پوچھتا ہے — مَا لَهَا؟ — "اس زمین کو کیا ہو رہا ہے" — یہ کیوں جھٹکے کھا رہی اور زبردست ہچکولے لے رہی ہے؟ یہ اپنے دفینے اور مدفون مُردہ اجسام کیوں باہر نکالے دے رہی ہے؟

اس کے بعد اچانک انسان کو ایک ایسے منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے جو شاید زمین کے زلزلے اور آسمان کے پھٹ جانے کے حادثے سے بھی بڑھ کر سخت ہے۔ وہ منظر یہ ہے کہ زمین اپنے رب کے حکم سے اپنی سرگزشتِ احوال بیان کرتی ہے۔ یوں زمین ایک نشہ مندہ نصیب

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۹۳ ویں سورت ہے۔

کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس سے پوری بنی نوعِ انسان کے کئے ہوئے جملہ اعمال کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ جواب میں سب کچھ بیان کرتی ہے۔ اس طرح وہ مدبّر و خالق کائنات کا حکم بجا لاتی ہے۔ اس روز سب لوگ منتشر حالت میں نکلتے ہیں ——— يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ——— قبروں سے سب اکیلے اکیلے اٹھتے ہیں۔ ہمہ گیر ہولناکی اور ہمہ پہلو مصروفیت انہیں تتر بتر کر دیتی ہے۔ وہ قبروں سے نکلے ہیں تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ ہاں، اس لیے نہیں کہ وہ بخوشی انہیں دیکھ لیں بلکہ اس لیے کہ انہیں جبراً اٹھا کر ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ بعد ازاں نہایت باریک تول والی میزان پر وزن کشی کا کام شروع ہو جاتا ہے جو ذرہ بھر نیکی ہو تو جھک جاتی یا ذرہ بھر برائی ہو تو اٹھ جاتی ہے، چنانچہ آج جس شخص نے بھی ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہے اور جس نے بھی ذرّہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ —

اہلِ ایمان کا نورِ ایمانی

قیامت کے روز اہلِ ایمان کے گرد نورانی حلقہ ہوگا یہ روشنی ان کے نورِ ایمان کی روشنی ہوگی،

۱ ——— يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

(الحدید[۱] ۱۲-۱۵)

اس دن جبکہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (اُن سے کہا جائیگا کہ) "آج بشارت ہے تمہارے لیے یہ جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ اس روز منافق مردوں اور عورتوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ مومنوں سے کہیں گے۔ ذرا ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں، مگر ان سے کہا جائیگا پیچھے ہٹ جاؤ اپنا نور کہیں اور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اس دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور باہر عذاب۔ وہ مومنوں سے پکار پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن جواب

---

[۱] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے ۹۴ ویں سورت ہے۔

دیں گے ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا، موقع پرستی کی، شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا، اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکا دیتا رہا۔ لہٰذا آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کھلا کھلا کفر کیا تھا۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے وہی تمہاری خبر گیری کرنے والی ہے اور یہ بدترین انجام ہے۔

۲۔ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

(الحدید ۲۱)

دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔

نورِ ایمانی سے استفادے کی درخواست

یہ منظر اپنے اجمال اور تفصیل کے لحاظ سے نیا ہے اور ان مناظر میں سے ہے جن کی چلتی پھرتی تصویر کے گہرے نقوش مرتسم ہونے کے بعد اس میں موجود کرداروں کی باہمی گفتگو ان میں جان ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ ہم ایک عجیب منظر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیجئے یہ ہیں وہ مومن مرد اور عورتیں جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان کے آگے آگے اور دائیں طرف لطیف و پرسکون شعاعیں ضیا پاشی کر رہی ہیں۔ یہ دراصل اُن کا نور ہے جس کی شعاعیں ان کے بدن سے نکل نکل کر ان کے سامنے ضو فشانی کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑا ہی پُر لطف منظر ہے۔ دیکھ لیں یہ عام انسانی جسم ہیں جو چمک رہے ہیں، ضیا پاشی کر رہے ہیں۔ نورانی شعاعیں ان کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر ان کے سامنے اور دائیں طرف پھیل رہی ہیں۔ منظر کے سٹیج پر کھڑے ہم نظارہ کرنے والوں کی نگاہیں اس نور پر جمی ہوئی ہیں۔ ہاں! ہم خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ مومن مردوں اور عورتوں کی جس طرح عزت افزائی ہو رہی ہے اور جس طرح آج انہیں اس عزت افزائی کی بشارت دی جا رہی ہے ہم خود اپنے کانوں سے اسے سُن رہے ہیں۔

—— بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

—— "آج تمہارے لیے خوش خبری ہے۔ تمہارے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے"۔ ——

یہ سین اس پُر لطف اور عجیب و غریب منظر پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ منافقوں کی ایک جماعت ہے جو دنیا میں اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی خوشامد اور ریاکاری

سے کام لے رہی ہے یا شاید جو کچھ وہ یہاں طلب کر رہے ہیں اس میں وہ مخلص ہی ہوں بہر حال آج یہ منافق مرد اور عورتیں اہلِ ایمان سے درخواست کرتے ہیں: "ذرا ایک نگاہ ہم پر بھی ڈالیں تاکہ ہم بھی تمہارے نور میں سے کچھ فائدہ اٹھائیں" ـــــ انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ ـــــ جونہی مومن مردوں اور عورتوں کی نگاہیں ادھر اٹھتی ہیں۔ ان میں سے بے نہایت لطیف و باریک نورانی شعاعیں نکلتی ہیں لیکن منافقوں کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔ جبکہ ساری زندگی وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہے ہوں! ایک نامعلوم آواز انہیں پکارتی ہے "واپس لوٹ جاؤ اپنا نور کہیں اور تلاش کرو ـــــ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ـــــ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ آواز دراصل ایک وعید ہے۔ دنیا میں انہوں نے جو نفاق کی روش اختیار کیے رکھی۔ اور گمراہی کے اندھیاروں میں بھٹکتے رہے ۔ اس سلسلے میں یہ یاد دہانی ہے۔ آج انہیں کہا گیا ہے: دنیا میں جو کرتوت تم کرتے رہے تھے انہی کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ واپس لوٹ جاؤ۔ کیونکہ نور وہیں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نور کا منبع تو دنیا کے دارالعمل میں کیا ہوا عمل ہے۔ اب اس کا وقت گزر چکا۔ واپس چلے جاؤ آج یہاں نور کی تلاش ممکن نہیں! شاید وہ اس طنزیہ جواب کو سمجھ نہیں پاتے اس لیے کچھ پیچھے لوٹتے ہیں، یا شاید وہ بات کو پا گئے ہیں اور انہیں رنج اور ندامت کا احساس ہے!

دنیا میں جھوٹی توقعات کا دھوکہ

بہر حال ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی گئی ہے جس نے دونوں کو ایک دوسرے سے پردے کے پیچھے کر دیا ہے۔ اس کے ایک طرف انعام پانے والوں کے لیے جنت ہے اور دوسری طرف سزا یافتگان کے لیے عذابِ دوزخ۔ ظاہر ہے کہ یہ دیوار ایک دوسرے کو دیکھنے میں مانع ہے لیکن ایک دوسرے کی آواز سننے میں مانع نہیں ہے۔ چنانچہ وہی منافقین اہلِ ایمان کو پکار کر کہتے ہیں ـــــ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ؟ ـــــ "کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ؟ ـــ کیا وجہ ہے کہ آج ہم تم سے جدا ہو گئے ہیں ؟ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ایک ہی جگہ نہ رہتے تھے؟ اور آج ہم تمہارے ساتھ ایک ہی جگہ نہیں اٹھا کھڑا کیے گئے ؟ وہ جواب دیتے ہیں: "ہاں" ـــ قَالُوا بَلَىٰ ـــــ کیوں نہیں! بات تو ٹھیک ہے! لیکن افسوس، تم نے اپنے آپ کو فتنے میں خود ڈالا ـــــ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ ـــ ـ تم نے اپنے آپ کو ہدایت سے خود باز رکھا۔ تم خود موقعہ کی انتظار میں رہے ـــ تَرَبَّصْتُمْ ـــــ تم خود حق قبول کر لینے کا

کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ نہ تم نے آخرت کی بھلائی اختیار کرنے کا فیصلہ ہی کیا کیونکہ کسی حتمی فیصلہ کے لیے جس یقین محکم کی ضرورت تھی وہ تمہیں حاصل نہیں تھا ـــــ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ـــــ تم شک میں پڑے ہوئے تھے اور جھوٹی توقعات نے تمہیں اس دھوکے میں مبتلا کر رکھا تھا کہ وہ تمہیں اس تذبذب سے نجات دلائیں گی اور تم دونوں کشتیوں پر سوار کئی گنا فائدے سمیٹ لو گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا ـــــ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ـــــ اور نوبت بایں جا رسید کہ وہ بڑا دھوکے باز تمہیں آخر وقت تک اللہ کے معاملہ میں دھوکہ دیتا رہا ـــــ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ـــــ یعنی وہ شیطان جس نے تمہیں شاید کامیابی کا سبز باغ دکھا رکھا تھا۔ اگرچہ تمہیں اس کے حصول کا کوئی پختہ یقین حاصل نہیں ہوا تھا۔ پھر اہلِ ایمان یاد دہانی اور توثیق کی خاطر اس بات کا ذکر کرتے ہیں ـــ گویا وہ مضبوط پوزیشن میں ہیں ـــ آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کھلا کھلا کفر کیا تھا۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے، وہی تمہاری خبر گیری کرنے والی ہے اور یہ بدترین انجام ہے ـــــ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ـــــ کیسی عجیب خبر گیری کرنے والی اور کیسا برا انجام

سورۃ میں نور کا ذکر دوبارہ آتا ہے ـــــ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ـــــ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور نور ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ـــــ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ـــــ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں وہ نور بخشے گا۔ جس کی روشنی میں تم چلو گے۔

ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اس نور کی ایک خاص حکمت نظر آتی ہے۔ پورے سبق میں نظم و ہم آہنگی کارفرما ہے۔ اس موقعہ پر بات منافقین کے بارے میں چل رہی ہے۔ منافقین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے باطن کو چھپاتے اور اپنے باطن کے پوشیدہ عزائم کے برعکس ظاہر کرتے ہیں۔ اور نفاق، خفیہ سازش اور در پردہ عداوت کے اندھیاروں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ نور ان

کے ان گھناؤنے خفیہ مقاصد کا پردہ چاک کرتا ہے۔ دراصل یہ نور ہی وہ موزوں ترین چیز ہے جسے اس وسیع منظر پر آزادی سے روشنی ڈالنی چاہیئے۔ تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کے سامنے روشنی ہو جائے، جبکہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں پڑے ہوں — جیسا کہ قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے — یعنی اندھیروں کے اندر — ان اندھیروں کے اندر جو ضمیر کی گہرائیوں میں مستور اندھیاروں سے گہری مناسبت رکھتے ہیں۔

حیاتِ دنیا کی حقیقت

۲۔ دوسرا منظر سورت کے سیاق وسباق کے لحاظ سے جنت پر مشتمل ایک بہت بڑے وسیع میدان کا منظر ہے جس کی وسعت زمین و آسمان پر مشتمل پوری کائنات کی وسعت کے برابر ہے۔ یہ اتنی بڑی وسعت ہے کہ جس میں اس وسیع میدان پر پھیلے ہوئے جنت کے مناظر کی عکاسی کی وسیع گنجائش موجود ہے۔ اسی وسعت کا تصور دلانا اس منظر کا اصل مقصود ہے۔ متاعِ دنیا اور اس کے تھوڑا ہونے کا ذکر کرنے کے بعد جنت کی اس وسعت کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ اس دنیوی زندگی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

—— اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ —————— —— خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی۔ پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں — اس کے بعد جنت اور اس کی وسعت و پہنائی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس طرح شعورِ انسانی میں دنیا کے اس مختصر اور قلیل سازوسامان اور جنت کی وسیع و بے پایاں نعمتوں کے درمیان وسیع موازنہ ہو جاتا ہے۔

مشروباتِ جنت و دوزخ

جنت میں داخل ہونے والوں کی تواضع کے لیے بھی مشروبات ہوں گے اور دوزخ میں داخل ہونے والوں کے لیے بھی لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ دونوں کی تصویر ملاحظہ ہو۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

(محمد[1] - ۱۵)

پرہیزگاروں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہہ رہی ہوں گی نتھرے ہوئے پانی کی، نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے دودھ کی جس کے مزے میں ذرا فرق نہ آیا ہوگا، نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی، نہریں بہہ رہی ہوں گی صاف شفاف شہد کی۔ اس میں ان کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش۔ (کیا وہ شخص جس کے حصہ میں یہ جنت آنے والی ہے) ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو آنتیں تک کاٹ دے گا؟

یہ جنت کی رنگا رنگ نعمتوں میں سے ایک نعمت کی عکاسی ہے۔ یہاں پانی کی نہریں ہیں دودھ کی نہریں ہیں، شراب کی نہریں ہیں اور شہد کی نہریں ہیں۔ یہاں ہر چیز بے حساب ہے کسی چیز کا سوتا خشک ہونے والا نہیں۔ چنانچہ یہ نہریں زندگی کی ان بہترین چیزوں پر مشتمل بہہ رہی ہیں جن کی انسان دنیا میں تمنا کرتا ہے اور جنہیں اگر پاتا بھی ہے تو تھوڑی سی مقدار میں پاتا ہے یہ بہترین قسم کی نہریں ہیں۔ ان کا ذائقہ بھی بہت بہترین اور لذیذ ہے۔ ان سب نعمتوں کے علاوہ یہاں کھانے کو ہر قسم کے میوے ہیں۔ یہی نہیں ان لذیذ ترین کھانوں اور مشروبات کے ساتھ ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے مغفرت بھی ہے۔

ایک طرف تو یہ سب کچھ ہے ادھر دوسری طرف دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کی زندگی ہے، جہاں کھولتا ہوا پانی ہے جس سے آنتیں گل سڑ رہی اور پیٹ کباب ہوئے جا رہے ہیں۔ یہ نظارہ بھی اپنی اثر انگیزی میں ویسا ہی نظارہ ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ اس لحاظ سے دونوں کمال کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ایک جنت کی نعمتوں کی عکاسی میں اور دوسرا دوزخ کے عذاب کی منظر کشی میں! پھر ہمیں پردۂ تصویر پر ایک خاص ڈھنگ سے مناظر کی پیش کاری میں تناسق و ہم آہنگی کا ایک خاص رنگ نظر آتا ہے۔ پورے منظر پر نگاہ ڈالیے۔ پورے کا پورا منظر مشروبات

[1] سالِ زمانۂ نزول کے لحاظ سے یہ ۹۵ ویں سورت ہے؟

کا منظر ہے۔ جنت میں بھی مشروبات ہیں اور دوزخ میں بھی۔ ذرا غور فرمائیے۔ جنت میں شفاف پانی ہے، دودھ ہے، شرابِ طہور ہے اور شہد مصفّٰی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس کے برعکس دوزخ میں کھولتا ہوا پانی ہے جو آنتوں کو کاٹ رہا ہے۔ لیکن ہے بہرحال مشروب ہی — پردہ ہائے تصویر اور نقش نگاریٔ تصویر کی اساس و جزئیات میں کیسی وحدت و موزونیت ہے!

اے اہلِ جنّت اَھْلاً وَّ سَھْلاً!

آخرت کا انکار کرتے ہی آدمی کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا۔ دوسری طرف اہلِ ایمان جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا باقاعدہ استقبال ہوگا۔ تصویر ملاحظہ فرمائیں:

۱ ——— وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(الرعد[1] ۵)

اب اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ "جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝۲۳ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۴

(الرعد ۲۳ - ۲۴)

ایسے باغ جو ان کی ابدی قیام گاہ ہوں گے وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو جو صالح ہیں وہ بھی ان کے ساتھ وہاں جائیں گے۔ ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ "تم پر سلامتی ہے، تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔" پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر!

۳ ——— وَمَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵

(الرعد ۳۵)

خدا ترس انسانوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال۔ یہ انجام ہے متقی لوگوں کا اور منکرینِ حق کا انجام یہ ہے کہ ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔

پہلے منظر کی خوبی یہ ہے کہ کفار کے ایک گروہ کی تصویر یوں پیش کی گئی ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں: ——— ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ۗ ——— کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے

---

[1] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے ۹۶ ویں سورت ہے۔

تو ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے ؟ — جونہی ان کی زبان سے نکلے ہوئے یہ کلمات ہمارے کانوں میں گونجتے ہیں ہماری آنکھوں کے سامنے ان کی تصویر یہ ہوتی ہے کہ —
الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ — طوق ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں — یہ وہ طوق ہیں جو وہ آخرت میں پہنیں گے۔ اندازِ بیان کی خوبی یہ ہے کہ وہ بجلی کی سرعت کے ساتھ اس دن کو ہمارے سامنے لا کر ہمارے "حاضر" میں شامل کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ طوق عین اس وقت ان کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں جبکہ ان کے منہ سے یہ بات نکل رہی ہے دراصل یہ ایک برق رو تخیل ہے۔ اسی طرح یہ بڑا عجیب و غریب تخیل بھی ہے۔

قبل ازیں ہم نے دیکھا ہے کہ آخرت کے روز جب فرشتے اہلِ ایمان سے ملاقات کرتے ہیں تو سلام و تحیتہ کہتے ہیں۔ جنت میں داخل ہونے پر انہیں مبارک بادیں دیتے اور تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے ہیں۔ یہاں ہم اوپر پیش کردہ دوسرے منظر میں دیکھتے ہیں کہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر اہلِ ایمان کے پاس جاتے ہیں — اور اس وقت اہلِ ایمان کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی ہوتے ہیں — فرشتے ہر طرف سے سلام کہتے اور آداب بجالاتے داخل ہوتے ہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۝ — آج تم پر ہر طرح کی سلامتی ہے۔ تم نے دنیا میں جس طرح (راہِ حق میں) صبر سے کام لیا۔ اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔ کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر! — کلامِ الٰہی کے الفاظ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۝ (ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں) اور — سَلَامٌ عَلَیْکُمْ — (تم پر سلامتی ہو) کو تصور میں لائیے۔ ہماری نگاہوں میں ایک ایسا منظر آجاتا ہے جس میں ہر طرف سے بہت سے لوگ داخل ہو ہو کر سلام کہتے اور مبارک بادیں دیتے نظر آتے ہیں۔ جس سے ہمارے دل میں بے حد و حساب آؤ بھگت، ہر طرف اَهْلًا وَّ سَهْلًا و "خوش آمدید" اور ہر پہلو سے دائمی سلامتی اور ہمیشہ ہمیشہ کی عزت افزائی کا نہایت گہرا احساس ابھرتا ہے۔

تیسرا منظر ہر دم رواں نہروں، ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے کھانوں اور لازوال سایوں کا منظر ہے۔ گویا یہ منظر سامانِ زیست کی فراوانی، حسن و جمال کی ارزانی اور علیش و آرام کی بے پایانی کا منظر ہے۔ یہ خدا ترس نیکو کاروں کا انجام ہے! اس کے برعکس دوسری طرف خدا کے منکر و نافرمان لوگوں کا انجام "آتشِ دوزخ" ہے!

رب رحیم کے بے پایاں انعامات

یہ ساری کائنات خدا کی قدرتوں کی مظہر اور آخرت کا گھر اہلِ ایمان کے لیے بے پایاں انعامات کا مرکز ہے۔ ان انعامات سے بہرہ اندوز ہونے والوں کے کئی درجات ہیں۔ ادھر خدا کے نافرمانوں کے لیے بھی ایک عقوبت خانہ ہے۔ دونوں کا بے نظیر عکس سورۃ الرحمٰن میں ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ

پھر (کیا بنے گی اس وقت) جب آسمان پھٹے گا اور لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا؟ اے جن و انس (اس وقت) تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کا گناہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی، پھر (دیکھ لیا جائے گا کہ) تم دونوں گروہ اپنے رب کے کن کن احسانات کا انکار کرتے ہو۔ مجرم وہاں اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ اس وقت تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (اس وقت کہا جائے گا) یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرمین جھوٹ قرار دیا کرتے تھے۔ اسی جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ گردش کرتے رہیں گے۔ پھر اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو تم جھٹلاؤ گے؟ اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو دو باغ ہیں۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں باغوں میں چشمے رواں۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ دونوں باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ جنتی لوگ ایسے فرشوں پر تکیے

مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ وَّ عَبۡقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسۡمُ رَبِّکَ ذِی الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ﴿۷۸﴾

(الرحمٰن ۳۷ - ۷۸)

لگا کے بیٹھیں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور باغوں کی ڈالیاں پھلوں سے جھکی پڑ رہی ہوں گی۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ ان نعمتوں کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہوگا۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ ایسی خوبصورت جیسے ہیرے اور موتی۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اے جنّ و انس، اپنے رب کے کن کن اوصافِ حمیدہ کا تم انکار کرو گے؟ اور ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہوں گے۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ گھنے سرسبز و شاداب باغ۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ دونوں باغوں میں دو چشمے فواروں کی طرح ابلتے ہوئے۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ ان میں بکثرت پھل اور کھجوریں اور انار۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ ان نعمتوں کے درمیان خوب سیرت اور خوبصورت بیویاں۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حوریں۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ ان جنّتیوں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جنّ نے اُن کو نہ چھوا ہو گا۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ وہ جنتی سبز قالینوں اور نفیس و نادر فرشوں پر تکیے لگا کے بیٹھیں گے۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے؟ بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل و کریم کا نام۔

خدا کی نعمتیں اور ناشکرے

اس سورت میں کلام کا اسلوبِ بیان اسی طرز کا ہے جیسا سورۃ المرسلات اور القمر میں ہے۔ یعنی یہ کہ خالقِ کائنات کی اپنی مخلوق پر نعمتیں پیش کر کے ایک ایک نعمت گنواتا اور ہر ایک کے ذِکر کے بعد سوال کرتا جاتا ہے — فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ — تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟ پوری سورت میں خطاب کا رُخ انسانوں اور جنّوں کی طرف ہے۔ آغازِ کلام میں خالقِ کائنات کی اُن نعمتوں کا ذِکر کیا جاتا ہے جو اس نے اپنی مخلوق پر دنیا کی زندگی سے لے کر آخرت کی زندگی تک کی ہیں۔ پھر ان نعمتوں کے ذِکر ہی میں ثواب و عذاب کی صورت میں خیر و شرّ کے بدلے کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ خیر، یہ تو ہیں اس طرح کی نعمتیں، لیکن بدلہ چکانے میں عدل و انصاف کا اہتمام بہت بڑی نعمتِ ایزدی ہے، جس کے مقابلے میں انسان بالکل عاجز ہے اور جسے فی الحقیقت

خدا کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔

قیامت کے مندرجہ بالا منظر پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا ہولناک حادثہ آسمان کے پھٹ جانے سے شروع ہوتا ہے۔ پہلی بار ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان پھٹ کر تیل کی بہتی ہوئی سرخی مائل تلچھٹ[1] کی مانند سرخ ہو گیا ہے۔ قیامت کا ایک عجیب و غریب منظر ہمارے سامنے ہے۔ لوگوں کے چہرے خاص طور پر اس کی دلیل ہیں۔ مجرمین اپنی پیشانیوں سے پہچانے جا رہے ہیں۔ وہ بغیر کسی ابتدائی علیک سلیک کے پیشانی کے بالوں اور پیروں سے پکڑ لیے جاتے اور مشکیں باندھیں کس کر پھینک دیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن و انس میں سے کسی سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھا تک نہیں جاتا ——— لَّا يُسْـَٔلُ عَن ذَنۢبِهِۦٓ إِنسٌ وَلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ ——— آخر پوچھنے کی حاجت بھی کیا ہے ؟ ان کے چہرے ان کے کرتوتوں کی خود غمازی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں گروہ ہیں ممی تو دیکھے بھالے، جانے پہچانے!

اس وقت جب کہ ان کی مشکیں باہیں کسی جاتی ہیں دیکھ کر آدمی کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور دل دھک دھک کرنے لگتے ہیں اور ہماری نگاہیں وقت کی اصل حقیقتِ حال پر جم کر رہ جاتی ہیں ——— هَٰذِهِۦ جَهَنَّمُ ٱلَّتِى يُكَذِّبُ بِهَا ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿۴۳﴾ ——— یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرمین جھوٹ قرار دیا کرتے تھے ——— ہاں، یہ وہی جہنم ہے! اور ہاں یہ بھی وہی لوگ ہیں جو اس جہنم اور کھولتے ہوئے پانی میں چکر لگا رہے ہیں ——— يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ ءَانٍ ﴿۴۴﴾ ——— دوزخ کی تپش میں پھینک دیے گئے ہیں۔ راحت کی تلاش میں، دوزخ اور اس کھولتے ہوئے پانی کے درمیان، کبھی ادھر کبھی اُدھر لڑھک رہے ہیں۔ اُف! خدا کی پناہ اس دوزخ سے، خدا کی پناہ اس پانی سے! ہائے کتنی سخت سزا ہے!

خدا ترس لوگوں کے درجات

اور جو شخص اس دنیا کی زندگی میں اپنے رب کے حضور جواب دہی کے لیے پیش ہونے سے ڈرتا رہا اُس کے لیے دو باغ ہیں ——— وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ جَنَّتَانِ ﴿۴۶﴾ ——— ہاں دو باغ! تو یوں پہلی بار دو باغوں کا ذکر ہوتا

---

[1] اصل عربی میں لفظ "وِرْدَۃً کَالدِّهَانِ" استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی سرخ چمڑے کے بھی ہیں جیسا کہ اوپر آیات کے ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے اور اگر "دِهَان" کو "دُهْن" کی جمع سمجھا جائے تو اس کے معنی روغن اور تیل کی تلچھٹ کے بھی ہیں۔ بعض مفسرین و مترجمین نے یہ معنی بھی لیے ہیں۔ مصنف شہیدؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (مترجم)

ہے۔ یہ دونوں باغ معروف بڑی جنت میں شامل ہیں۔ لیکن ان کی علیحدہ تخصیص ان دونوں کے مرتبے کے لحاظ سے ہے یا ان کی اعلیٰ قسم کے لحاظ سے۔ اور جیساکہ سورۃ "الواقعہ" میں ہمارے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ جنت میں کئی مراتب ہیں۔ وہاں سابقین مقربین ہیں۔ وھاں اصحاب الیمین ہیں۔ ان دونوں کے لیے نعمت بھری جنت ہے۔ جب ہم ان پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باغ کسی بلند مرتبہ گروہ کے لیے ہیں ادھر دوسری طرف جب ہم دوسرے دو باغوں کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں باغ بھی ہیں تو بظاہر انہی سے ملتے جلتے لیکن درجے میں کسی قدر کم ہیں۔ ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے فریق کے لیے مخصوص ہیں جن کا درجہ پہلے گروہ کے بعد آتا ہے۔

پہلے دو باغ اور چشمے آئیے ذرا پہلے دو باغوں کا نظارہ کرلیں۔ دیکھئے دونوں ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور کیسے سرسبز و شاداب ہیں —— ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ —— دونوں میں چشمے بہہ رہے ہیں —— فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ —— ان میں پھل بھی کیا خوب ہیں کہ ہر پھل کی دو قسمیں ہیں —— فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ —— ذرا دیکھئے تو! اہل جنت کس حال میں ہیں؟ —— مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ —— واہ سبحان اللہ! ایسے فرشوں پر گاؤ تکیے لگائے بیٹھے ہیں جن کے اوپر دبیز ریشم کی چادریں بچھی ہیں۔ یہ تو رہا ظاہری فرش یا بستر کا عیش و آرام۔ ادھر ان باغوں میں پھلوں سے لدی ڈالیاں نیچے جھکی پڑی ہیں —— وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ —— کہ ہر شخص کی دسترس میں ہیں۔ پھل توڑنے میں ذرا بھی دقت نہیں۔ یہ بجائے خود ایک قابل لحاظ لطف و آسودگی ہے! لیکن وہاں کتنی نعمتیں موجود ہیں اور کتنا ساز و سامان میسر ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا! حتیٰ کہ ان میں ایسی شرمیلی نگاہوں والی بیبیاں ہیں جنہیں ان جنتیوں سے قبل جنوں اور انسانوں میں سے کسی نے چھوا تک نہیں —— فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ —— گویا انتہائی پاک دامن ہیں کہ نہ ان پر کسی کی نظر پڑی ہے نہ انہیں کسی نے چھوا ہے۔ نہ کبھی خود انہوں نے نگاہیں اونچی کی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ ایسی مہ وش گداز جسم، پیکرِ حسن و جمال ہیں جیسے آبدار ہیرے اور موتی —— كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ —— یہ سب نعمتیں اور یہ عیش و بہار اس شخص کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے جو اپنی اس چند روزہ حیات مستعار میں اپنے پروردگار کے حضور

پیشی سے ڈر کر زندگی بسر کرتا رہا، جس کے دل میں ہر دم آخرت کا خوف رہا، جو ہر لحظہ خوفِ خدا سے سرشار رہا۔ ظاہر ہے نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ـــــ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ؟

دوسرے دو باغ اور نوالے

اب ذرا آگے بڑھیئے۔ ان سے ورے دو باغ ہیں ـــــ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ـــــ یہ دونوں اس دوسرے گروہ کے لیے مخصوص ہیں۔ ان دونوں کی خصوصیات پہلے دو باغوں کی نسبت قدرے کم ہیں۔ یہ دونوں بھی گھنے سرسبز ہیں ـــــ مُدْهَآمَّتٰنِ ـــــ ایسے سرسبز کہ ان کا سبزہ سبزہ زار کی وجہ سے سیاہی مائل نظر آتا ہے۔ ان میں دو چشمے اُبل رہے ہیں ـــ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ـــ جن کا پانی فواروں کی مانند پھوٹ رہا ہے۔ پہلے دو چشموں کا پانی روانی سے بہہ رہا ہے لیکن ان دو کا فواروں کی مانند پھوٹ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ پانی کا فواروں کی مانند پھوٹنا روانی سے بہنے کی نسبت اپنی خوبی کے باوجود کمتر ہے۔ پھر ان میں بکثرت پھل، کھجوریں اور انار ہیں ـــ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ـــ لیکن ادھر پہلے باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں! مزید برآں ان باغوں میں خوب سیرت خوبصورت بیویاں ہیں ـــ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ـــ یہ خوب صورت و خوب سیرت بیبیاں کون ہیں؟ یہ حوریں ہیں خیموں میں مقیم! ـــ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ـــ لفظ خیام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حوریں اپنے رنگ ڈھنگ میں دیہاتی دوشیزاؤں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ پُر نعم زندگی دیہاتی ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں پہلے دو باغوں میں جس پُر عیش زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے وہ شہری معاشرت کی تصویر ہے! جنت کی یہ حوریں ایسی پاک دامن بیبیاں ہیں کہ جنہیں کسی جنّ یا انسان نے چھوا تک نہیں ـــ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ـــ گویا عفت و پاکدامنی کا جوہر ان میں اور پہلی بیبیوں میں قدرے مشترک ہے۔ یہ بھی پاک دامن وہ بھی پاک دامن! لیکن خیال رہے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ اپنے حسن و جمال میں ہیرے اور موتی کی مانند ہیں۔ رہا ان باغوں کے مکینوں کا حال؟ تو وہ دیکھئے! ایسے سبز قالینوں اور خوبصورت غالیچوں پر تکیے لگائے فروکش ہیں کہ جن پر نادر قسم کی کڑھائی کی ہوئی ہے ـــ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ـــ تاہم پہلے گروہ کی آرام گاہوں کی خوبی یہ ہے کہ ان کے

استر سے مزیّن ہیں! نیز وہاں پھلوں سے لدی ٹہنیاں اہلِ جنّت پر جھکی پڑی ہیں!

اس طرح یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ جنت میں یہ دو علیٰحدہ علیحدہ درجے ہیں۔ پہلے درجے کی عکاسی شہری زندگی کے عیش و تنعم سے کی گئی ہے اور دوسرے درجے کی عکاّسی دیہاتی زندگی کے عیش و آرام سے۔ جنت کی یہ تصاویر و اشکال پیش کر کے کیا انہیں انسان کے عقل و شعور کے لیے قابلِ فہم اور قوتِ متخیلہ کے لیے قابلِ تصور نہیں بنا دیا گیا؟ میں از خود کوئی فیصلہ نہیں کرتا! نہ میرے پاس اس کی کوئی دلیل ہے! دلیل آپ پر واضح ہے۔ فیصلہ آپ خود کریں۔

جنّت نعیم اور ساقی ربّ کریم

خدا کے فرماں برداروں کو جنت میں کیا کیا نعمتیں ملیں گی؟ ایئر کنڈیشنڈ قیام گاہیں، شرابِ سلسبیل، بلوریں ساغر، ریشمیں لباس، خوش شکل و ہشاش بشاش خدام، غرضیکہ وہ سب کچھ ہوگا جس کا انسان تصور کر سکتا ہے۔

۱۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۝ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا

ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔ کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔ نیک لوگ (جنت میں) شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی، یہ ایک بہتا چشمہ ہوگا جس کے پانی کے ساتھ اللہ کے بندے شراب پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بسہولت اس کی شاخیں نکال لیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں۔ اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی، اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔

تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ۝ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ۝ عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(الدھر ۱۱-۲۲)

پس اللہ تعالیٰ اُنہیں اس دن کے شر سے بچا لیگا اور انہیں تازگی اور سرور بخشے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ جاڑے کی ٹھر۔ جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی، اور اس کے پھل ہر وقت ان کے بس میں ہوں گے (کہ جس طرح چاہیں انہیں توڑ لیں)۔ اُن کے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش کرائے جا رہے ہوں گے شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے۔ اور ان کو (منتظمین جنت نے) ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہوگا۔ ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی، یہ جنت کا ایک چشمہ ہوگا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھیر دئے گئے ہیں۔ وہاں جدھر بھی تم نگاہ ڈالو گے نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بڑی سلطنت کا سروسامان تمہیں نظر آئیگا۔ ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے، ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کارگزاری قابلِ قدر ٹھہری ہے۔

۲ —— اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ۝
(الدھر ۲۷)

یہ لوگ تو جلدی حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنیوالا ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

انسان دوراہے پر ان مناظر کے آغاز سے پہلے "انسان" کا ذکر کیا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں پیدا کیا ہے کہ اُسے دیکھنے سننے والا بنایا ہے اور اسے سیدھی راہ دکھانے کے بعد اس بات کی آزادی دے دی ہے کہ چاہے تو شکر کرنے والا بن جائے یا چاہے تو کفر کرنے والا —— اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝

—— اس کے بعد اس انجام کا ذکر کیا جاتا ہے جس انجام تک یہ دونوں راستے —— شکر گزاری کا راستہ اور ناشکری کا راستہ —— اسے پہنچاتے ہیں۔ قرآن کے اسلوبِ بیان کے مطابق یوں احساس ہوتا ہے جیسے ہم اس وقت وہ دونوں راستے دیکھ رہے ہوتے ہیں! دونوں راستوں پر چل کر لوگ اپنے اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ کفر کرنے والے ناشکروں کو دیکھئے ان کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار رکھی ہوئی ہے۔

---
[1] ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے یہ ۹۸ ویں سورت ہے۔

سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِيۡرًا ○ ——— یہ وسائل عذاب کا اجمالی ذکر ہے۔ یہاں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بیان کیا جاتا۔ بلکہ ارادۃً اسی پر اکتفا کرتے ہوئے جنت کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے اور اس کی جزئیات بالتفصیل بیان کی جاتی ہیں۔ گو جنت کے یہ اہم مناظر قبل ازیں دوسرے مقامات پر پیش کیے جا چکے ہیں۔ تاہم یہاں ان کے پیش کرنے میں اختیار کردہ تنوع ان کی جزئیات کی تفصیل، اور ان کے ناموں کے ذکر نے ادبی منظر کشی کے نقطۂ نظر سے ان میں ایک نیا رنگ بھر دیا ہے۔

شراب سلسبیل اور نیکوں کی صفات

ادھر نیکو کاروں کو دیکھیے۔ وہ ایسی شراب پی رہے ہیں جس کی صفت قبل ازیں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ "نہ اس میں بیہودگی ہے اور نہ گناہ کی بات"——— لَا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ ——— اور جس سے نہ ان کے سر درد کریں گے نہ وہ بدمست ہوں گے"——— لَا يُصَدَّعُوۡنَ عَنۡهَا وَلَا يُنۡزِفُوۡنَ ——— لیکن اب تک یہ معلوم نہ تھا کہ اس شراب کی ماہیت کیا ہے؟ اور وہ کس قسم کی ہے؟ اس موقعہ پر پہلی مرتبہ یہ بات ہمارے علم میں آتی ہے کہ یہ شراب چشمۂ سلسبیل[1] سے لی گئی ہے۔ یوں اب ہمیں اس شراب کی ایک اور خصوصیت کا علم بھی ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایسی شراب ہے کہ کبھی تو اس میں کافور کی آمیزش ہوتی ہے ——— كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوۡرًا ○ ——— اور کبھی اس میں سونٹھ کی ملاوٹ ——— كَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِيۡلًا ○ ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شراب کئی چیزوں سے نکالی گئی ہے۔ گو پینے والوں کے کیف و سرور کے لحاظ سے یہ چیزیں عام صفات میں مشترک ہیں۔

سلسلۂ کلام میں جب اللہ کے ان نیک بندوں کا ذکر آتا ہے جو یہ شراب پیتے ہیں تو گن گن کر اُن کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔

وہ، وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کی رضا کے لیے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں

وہ، وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کام محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں اور لوگوں سے کسی صلے یا شکریے کے خواہش مند نہیں ہوتے۔

---

[1] یہاں اصل عربی عبارت میں غلطی سے لفظ "تسنیم" لکھا گیا ہے۔ یہ بھی جنت کے ایک چشمے کا نام ہے جس کا ذکر سورۃ "المطففین" میں آیا ہے۔ لیکن یہاں سورۃ "الدھر" میں جس چشمے کا ذکر ہے اس کا نام "سلسبیل" ہے۔ اس لیے ترجمہ میں یہی نام لکھا گیا ہے۔

وہ، وہ لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں، جنہیں اس دن کا خوف لاحق رہتا ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہے ـــــــ اور یہ وہ دن ہے جس میں ہم اس وقت سب حاضر ہیں۔

پھر وہ، وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچا لیا ہے اور انہیں فرحت و تازگی اور کیف و سرور کی نعمت سے نوازا ہے۔ انہیں جنّت میں داخل کیا اور ریشمیں لباس پہنایا ہے۔

ایرکنڈیشنڈ قیام گاہیں، نقرئی ساغر اور ہشاش بشاش خادم

آیئے ذرا دیکھیں وہ کس طرح حسبِ وعدہ پرسکون و آرام دِہ ماحول میں بیٹھے ہیں۔ واہ! وہ دیکھیے اونچی مسندوں پر تکیے لگائے فروکش ہیں ـــــ مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ـــــ لیکن لطف یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی صورتِ حال درپیش ہے جس سے ہمیں کبھی سابقہ پیش نہیں آیا۔ اور اگر پیش آیا بھی ہے تو کسی دوسرے انداز میں۔ وہ یہ کہ اہلِ جنّت کو وہاں نہ دھوپ کی گرمی کی کوئی تکلیف ہے نہ شدید سردی کی زحمت ـــــ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ـــــ حالانکہ قبل ازیں وہاں کے بارے میں ہمیں صرف اتنا علم تھا کہ وہاں گھنے سائے ہیں یا ایک دفعہ ہمارے علم میں یہ بات آئی تھی کہ وہاں کا کھانا اور سایہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ لیکن آج ہم یہ انوکھا منظر دیکھ رہے ہیں کہ نہ وہاں دھوپ کی گرمی ہے نہ شدید جاڑے کی سردی۔ منظر کی تکمیل اس نظارے پر ہوتی ہے کہ جنّت کے گھنے سائے اہلِ جنّت پر جھکے پڑ رہے ہیں اور اس کے پھل ہر وقت ان کی دسترس میں ہیں کہ جب چاہیں، جہاں سے چاہیں توڑ لیں ـــــ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ـــــ عجب لطف ہے۔

مزید برآں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ خادمانِ جنّت جام و ساغر لیے جنّتیوں کی تواضع کے لیے اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے ہیں۔ یہ جام و ساغر شیشے کے ہیں لیکن شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہیں۔ یہ ایسی چاندی ہے کہ اس کے اندر کی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہتی۔ بلکہ صاف دکھائی دیتی ہے ـــــ یہ صنعت و کاریگری کا انتہائی کمال اور عیش و تنعّم کی آخری حد ہے ـــــ پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ خادمانِ جنّت ایسے لڑکے ہیں جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، جن پر نہ مرورِ زمانہ کا اثر ہوتا ہے۔ نہ ان کی درازیٔ عمر ہی اثر انداز ہوتی ہے۔ ان

کے چہروں پر ہر وقت بشاشت اور رونق برستی ہے ۔ جب بھی آپ انہیں دیکھیں تو سمجھیں کہ بکھرے ہوئے آب دار موتی ہیں —— اِذَا رَاَیۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ۝۱۹ ——

مُلکِ عظیم اور ساقی ربِّ کریم اس کے بعد سلسلۂ کلام ہماری نگاہ کو پورے منظر کی وسعتوں تک پھیلا دیتا ہے —— پیشِ نظر جزئیات سے ورے کی وسعتوں تک —— چنانچہ جب ہم دُور آگے نگاہ ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اُدھر بہت بڑی سلطنت ہے اور شاندار نعمتیں ہیں ۔ جو خوش نصیب اس عظیم سلطنت میں ان شاندار نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں وہ باریک ریشم اور اطلس و دیبا کا خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں ۔ انہوں نے چاندی کے کنگن پہن رکھے ہیں ۔ شراب طہور کے جام پر جام لنڈھا رہے ہیں ۔ اور سب سے بڑھ کر جو چیز ان کی شان بڑھا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا ساقی خود ان کا رب کریم ہے ! واہ سبحان اللہ ! کیا شان ہے ان کی ! پہلے گروہ کے ساقی غلمان اور اس گروہ کا ساقی خود پروردگارِ عالم ! اس وسیع و عریض نظارے کے اثنا میں ایک جامع اور فیصلہ کُن آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے —— اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمۡ جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝۲۲ —— یہ ہے تمہاری جزا ، تمہاری کارگزاری قابلِ قدر ٹھہری ہے ! اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی ہے !

دوسری آیت جس چیز کی اہمیت ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ اس دن کی سختی اور اس دن کا بھاری ہونا ہے ۔ یہ اس دن کی خصوصیات کو مجسم شکل میں پیش کرنے کی مثال ہے جیساکہ عذاب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ وہ انتہائی سخت (غلیظ) ہے ۔ اس کے برعکس ان کی اس دنیا کے ساتھ محبت ہے جو جلدی حاصل ہونے والی ہے ۔ گویا وہ اس دنیا کا حصول تو آسان سمجھتے اور اس کے لیے دوڑ دھوپ بھی کرتے ہیں ۔ لیکن وہ اس سخت اور بھاری دن کو پسِ پُشت ڈالے اس سے غفلت برت رہے ہیں ۔ حالاں کہ وہ دن اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اہمیت کا خیال رکھتے ہوئے تیاری کی جائے ۔ کیونکہ اس کا یہ بوجھل ہونا ہی ان کے گناہوں کی آڑ بنتا اور انہیں لے بیٹھتا ہے اور بالآخر ان کی مصیبت اور تکلیف کا باعث بنتا ہے ۔

اعضاء و جوارح کی شہادت

قیامت کے روز انسان کے اعضاء و جوارح انسان کے خلاف گواہی دے رہے

ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۔ (النور ۲۳-۲۵)

جو لوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے اس روز اللہ وہ بدلہ انہیں بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔

قبل ازیں ہم ایک ایسا منظر دیکھ چکے ہیں جس میں مجرمین خدا کی عدالت میں کھڑے ہیں ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان کے کرتوتوں پر گواہی دے رہی ہیں آن کے اور ان کی کھالوں کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی اس میں ہم موجود تھے۔ انہوں نے تعجب غم اور ندامت کی وجہ سے گلوگیر لہجے میں اپنی کھالوں کو جو جواب دیا تھا وہ ہم سن چکے ہیں۔ [2] عجب صورت حال ہے کہ اس وقت ہم جسم کے بعض دوسرے اعضاء کی گواہی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہ اعضاء زبان، ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ زبانوں کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں ان کا ناجائز استعمال کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دنیا میں پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر جھوٹی تہمتیں لگائیں اور ان پر طرح طرح کے بہتان باندھے۔ آج یہی زبانیں خود ان پر سچی اور مبنی برحقیقت گواہی دے رہی ہیں۔ یہ وہی دن تو ہے جس دن اللہ ان کے عملوں کا ٹھیک ٹھیک بدلہ انہیں پورا پورا دے رہا ہے اور جس جزا کے وہ مستحق ہیں وہ انہیں مل رہی ہے اب وہ یہ حقیقت اچھی طرح جان جاتے ہیں کہ اللہ کی ذات برحق ہے۔ یہاں سلسلۂ کلام لفظ "الحقّ" دوبار استعمال کر کے اس حقیقت کی تاکید کی جاتی ہے کہ انہیں جو بدلہ دیا جا رہا ہے وہ بھی برحق ہے اور بدلہ دینے والی ہستی بھی برحق ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں ہمیں کذب وافترا سے سابقہ پیش آتا ہے اور آخرت میں اس کے برعکس صدق وصفا سے واسطہ پڑتا ہے۔

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۱۰۲ ویں سورت ہے اس سے قبل سورۃ الطلاق، البینہ اور الحشر نازل ہوئیں۔ ان میں اگرچہ جنّت و دوزخ کا ذکر ہے لیکن اس کی نوعیت قیامت کے منظر کی نہیں ہے۔

[2] قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؟ انہوں نے اپنی کھالوں سے کہا "تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ہے؟" (سورۃ حٰم السجدہ۔ آیت ۲۰)

چنانچہ اس مبنی برحقیقت سچائی کا اعتراف وہ زبانیں کرتی ہیں جو دنیا میں محض کذب و افتراء کے لیے کھلتی تھیں۔ ان کے اعترافِ حقیقت کی تائید ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی کرتے ہیں۔ یہ سب ان بہتان تراشوں کے اعضاء و جوارح ہیں جو ڈنکے کی چوٹ حق بات کہہ کر ان مجرمین کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

دوزخیوں کے لیے آگ کا لباس

قیامت کی ہولناکی، دوزخ میں دوزخیوں کی تواضع اور ان کی دوزخ سے نکل بھاگنے کی کوشش کا سماں یہ ہوگا:-

۱۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ ۝١ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ ۝٢

(الحج[1] ۱-۲)

لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی دہولناک چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا۔ کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی۔ ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔

۲ـــــ هَٰذَانِ خَصْمَانِ ٱخْتَصَمُوا۟ فِى رَبِّهِمْ ۖ فَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ ٱلْحَمِيمُ ۝١٩ يُصْهَرُ بِهِۦ مَا فِى بُطُونِهِمْ وَٱلْجُلُودُ ۝٢٠ وَلَهُم مَّقَٰمِعُ مِنْ حَدِيدٍ ۝٢١ كُلَّمَآ أَرَادُوٓا۟ أَن يَخْرُجُوا۟ مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا۟ فِيهَا وَذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْحَرِيقِ ۝٢٢

(الحج ۱۹-۲۲)

یہ دو فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے اور ان کی خبر لینے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے جب کبھی وہ گھبرا کر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے کہ چکھو اب جلنے کی سزا کا مزہ۔

۳ إِنَّ ٱللَّهَ يُدْخِلُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝٢٣ وَهُدُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ وَهُدُوٓا۟ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْحَمِيدِ ۝٢٤

(الحج ۲۳-۲۴)

(دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔

---

[1] زمانۂ نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر ۱۰۳ ہے۔

ان کو پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی اور انہیں خدائے ستودہ صفات کا راستہ دکھایا گیا۔

قیامت کی دبیز ہولناکی

پہلا منظر اتنا خوفناک ہے کہ اس میں ہر دودھ پلانے والی اپنے نوزائیدہ بچے سے اس طرح غافل ہے کہ وہ گھورتی تو ہے لیکن دیکھتی نہیں، وہ حرکت تو کرتی ہے لیکن شعور نہیں رکھتی۔ یہ ایسا ہول انگیز منظر ہے کہ جس میں ہولناکی کے بار بار مہیب و عمیق ہونے سے ہر حاملہ کا حمل گر جاتا ہے، جس میں لوگ مدہوش نظر آتے ہیں حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہیں۔ بس نشے کے آثار ان کی پھٹی پھٹی آنکھوں اور لڑکھڑاتے قدموں سے ہویدا ہیں۔ یہ منظر کیا ہے! بے شمار مناظر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جونہی تخیل اس کی نقش نگاری کرتا ہے آنکھ اسے دیکھ لیتی ہے۔ دبیز ہولناکی سے فضا پر خوفناک سناٹا طاری ہے۔ حتّٰی کہ منظر کی آخری حد تک پہنچنا ممکن نہیں رہا۔ یہ ہولناکی ذی حیات ہے۔ اس کا اندازہ اس کے حجم و ضخامت سے نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا صحیح اندازہ صرف نفسِ انسانی پر مترتب ہونے والے اس کے اثرات ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ہاں! ان دودھ پلانے والی عورتوں پر جو اس منظر سے وحشت زدہ ہو کر اپنے دودھ پیتے بچوں سے بے دھیان ہو جانے والی ہیں، ان حاملہ عورتوں پر جو ایسے خوف کے اپنے حمل گرا دیتی ہیں اور ان مدہوشوں پر جو فی الحقیقت مدہوش نہیں ہیں لیکن خدا کا عذاب ہی اتنا شدید ہیبت ناک والمناک ہے کہ وہ اس کی تاب نہ لا کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔ چنانچہ منظر کی ابتدا اس ہولناکی کے اجمالی تصور سے ہوتی ہے ـــــ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ① ـــــ (قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے) ـــــ اور اس کا اختتام تفصیلی منظر کشی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تفصیلی منظر کشی اسی اجمال کی سچی تصویر ہے۔

کھولتا ہوا پانی اور آگ کے لباس

دوسرا منظر بڑا سنگین، ہنگامہ خیز، پُرشور اور حرکتِ مسلسل پر مشتمل ہے۔ موقعہ و محل کی مناسبت سے پیدا ہونے والا تخیل اسے طویل تر بھی بنا دیتا ہے۔ جوں جوں منظر کی نئی کڑیاں سامنے آتی چلی جاتی ہیں قوتِ متخیلہ تصور میں ان کا تعاقب کرتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ دیکھئے۔ یہ آگ کو کاٹ کاٹ کر سب کے لیے علیحدہ علیحدہ کپڑے تیار کیے جا رہے ہیں، یہ کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جا رہا ہے۔ جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کی انتڑیاں بھی گلتی جا رہی ہیں۔ ادھر اُن کی مزید خبر لینے کے لیے یہ لوہے کے گرز بھی رکھے ہیں۔ تو یہ ہے وہ

عذاب جو ان کی قوتِ برداشت سے کہیں بڑھ کر سنگین اور دردناک ہے۔ دینِ حق کا انکار کرنے والے اس آتشِ فروزاں، آبِ غلیاں اور دردانگیز زدوکوب سے سخت خوف زدہ ہیں اس غمناک اور تکلیف دہ صورتِ حال سے کھسک کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اوہ دیکھئے انہیں سخت درشتی کے ساتھ یہ کہہ کر لوٹا دیا جاتا ہے ـــــ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ـــــ اب چکھو مزہ جلنے کے عذاب کا! ـــ

پورے منظر کی ایک ایک کڑی اول سے آخر تک یکے بعد دیگرے تخیل میں آتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے سامنے ان کے نکل بھاگنے کا نقشہ ہوتا ہے اور پھر درشتی کے ساتھ واپس لوٹانے کی تصویر۔ یہ منظر کشی کا کتنا انوکھا انداز ہے! قوتِ خیال اس دردانگیز انوکھی تصویر کی عکاسی کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ آدمی کی توجہ ایک دوسری طرف منعطف ہو جاتی ہے جسے سلسلہ کلام میں پیش کرنا ہی مقصودِ بیان ہے۔ چنانچہ اصل قصہ یہ ہے کہ دو گروہ اپنے رب کے معاملے میں جھگڑ رہے ہیں۔ جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں ان کا دردناک انجام پل بھر پہلے ہم نے دیکھ لیا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ خدا پر ایمان لائے ہیں وہ اس وقت ایسے باغات میں قیام پذیر ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان کے لباس آگ سے نہیں تراشے گئے بلکہ ریشم سے تیار کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ موتیوں سے مرصع سونے کے زیور زیبِ تن کیے ہوئے ہیں۔ انہیں اچھی بات قبول کر لینے کی ہدایت بخشی گئی ہے اور خدائے ستودہ صفات کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ اللہ کے معاملے میں بحث و تکرار اور جھگڑے کا یہ انجام ہے! جس میں ایک فریق یہ ہے اور دوسرا فریق وہ جس کا حشر ہم اوپر دیکھ چکے ہیں!

نکل بھاگنے کی کوشش اس کے بعد ہم اس منظر کی طرف رجوع کرتے ہیں جسے ہم نے سورۃ السجدہ کے بیان میں پیش کیا ہے۔ وہاں ہم نے یہ بات کہی تھی کہ اس منظر کو پیش کرنے والی آیات مدنی ہیں اور خیال ظاہر کیا تھا کہ اغلب خیال یہ ہے کہ ان آیات کا زمانۂ نزول قریب قریب وہی ہے۔ جس میں سورۃ الحج کی زیر بحث یہ آیات نازل ہوئیں۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان آیات میں پیش کردہ منظر اس منظر کے بہت مشابہ ہے جو ان آیات میں پیش کیا گیا ہے، چنانچہ سورۃ السجدہ میں پیش کردہ منظر یہ ہے ـــ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا

فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ـــ
جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔ جب بھی وہ اس میں سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں پھر اُسی میں لوٹا دیے جاتے ہیں اور انہیں کہا جاتا ہے کہ "چکھو تم مزہ دوزخ کی آگ کا، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔" یہ منظر کئی پہلوؤں سے اس منظر کے قریب قریب مشابہ ہے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ دونوں کی توجیہہ ایک جیسی ہے اس لیے یہاں اس کے دُہرانے کی چنداں ضرورت و حاجت نہیں ہے۔

قیامت کے روز قسموں سے کار برآری

دنیا میں جھوٹی قسمیں کھانے والے خدا کے حضور بھی جھوٹی قسمیں کھا کر کام نکالنے کی کوشش کریں گے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾

(المجادلہ[1] ۱۸)

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا، وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور اپنے نزدیک یہ سمجھیں گے کہ اُس سے ان کا کچھ کام بن جائیگا خوب جان لو وہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔

پیشتر ازیں یہ مضحکہ خیز اور غیر پسندیدہ منظر بھی ہم دیکھ چکے ہیں۔ یعنی مشرکین کا وہ منظر جس میں جب انہیں قبروں سے دوبارہ اٹھایا گیا ہے تو انہوں نے استفسار کے جواب میں صاف کہہ دیا۔ کہ بخدا! اے ہمارے پروردگار، ہم مشرک نہ تھے۔" وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ـــ وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ انہیں دنیا ہی میں رہنا ہے۔ یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت میں بھی جھوٹ چل جاتا ہے۔ جس طرح ان غفلت میں پڑے رہنے والوں پر ہمیں ہنسی آتی تھی آج اِن پر بھی آتی ہے! یہ لوگ بھی ان مشرکین ہی کے بھائی بند ہیں۔ دنیا میں انہیں جھوٹ بولنے اور جھوٹے ہونے کے باوجود اہل ایمان کے سامنے بڑھ بڑھ کر قسمیں کھانے کی لت پڑ چکی ہے۔ قیامت کے روز اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھاتا ہے۔ جس طرح یہ دنیا میں تمہارے سامنے قسمیں کھاتے رہے ہیں ـــــ فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ـــــــ غرضیکہ ہمیں ان کا بھی اُسی طرح مذاق اڑانا چاہیئے جس طرح ہم نے

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۱۰۵ ویں سورت ہے۔ اس سے قبل سورۃ المنافقون نازل ہوئی۔ لیکن اس میں قیامت کا کوئی منظر نہیں ہے۔

مشرکین کا مذاق اُڑایا تھا! کیونکہ ان کی یہ غفلت و بے شعوری مذاق اڑانے والوں کے لیے لذت کا باعث بن رہی ہے!

قیامت کے روز معذرتوں کی حقیقت

قیامت کے روز کسی قسم کے حیلے بہانے کام نہیں آئیں گے۔ اہلِ ایمان پورے ماحول کو بُقعۂ نور بنائے ہوں گے۔ تصویر ملاحظہ ہو:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(التحریم[1] ۶ - ۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تُند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں (اس وقت کہا جائے گا کہ) اے کافرو! آج معذرتیں پیش نہ کرو، تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دُور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ وہ دن ہو گا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رُسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب، ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ہم قبل ازیں دوزخ کا یہ منظر دیکھ چکے ہیں کہ انسان بھی اس کا ایندھن بن رہے ہیں اور پتھر بھی۔ یہ انسان اور پتھر نفرت و حقارت کے لحاظ سے اس کے نزدیک سب برابر ہیں اسی طرح آج ہم یہ منظر پھر دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس منظر کے سامنے ہم زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے۔ اس لیے کہ یہاں ایک پہلو ایسا ہے جو شدت سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ

---

[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۱۰۷ ویں سورت ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الحجرات نازل ہوئی۔ لیکن اس میں قیامت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پوری قوت کے ساتھ ہمیں خوف زدہ بھی کر رہا ہے۔ یہ جہنم کے محافظین ہیں۔ یہ نہایت تند خو اور سخت گیر ہیں اور عین اس وقت احکامِ الٰہی کی تعمیل و تنفیذ میں نہایت تیزی سے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کبھی بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم بھی دیا جاتا ہے اسے ہر حال میں بجا لاتے ہیں ——— لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ———

جونہی ہم بیک وہلہ دور سے اس منظر کو دیکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم دنیا ہی میں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اس آگ سے بچنے کی تنبیہہ کرتا ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر دونوں ہی بننے والے ہیں۔ ادھر ہم یہ محسوس کرتے ہیں ادھر دوسرے ہی لمحے ہم سنتے ہیں کہ کافروں کو مخاطب کر کے پکارا جاتا ہے ——— يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ——— اے کافرو! آج معذرتیں پیش نہ کرو، تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔

اس کے بعد نہایت تیزی سے ہم دنیا کی طرف پلٹ جاتے ہیں، اسی منظر کو دیکھتے دیکھتے، خطاب کا رُخ اہلِ ایمان کی طرف ہو جاتا ہے۔ انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کریں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے۔ شاید اس طرح اللہ ان کی برائیاں اُن سے دُور کر دے اور انہیں جنت میں داخل کر دے، اس روز جس روز کہ اللہ اپنے نبی کو اور اُن لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رُسوا نہ کرے گا ——— يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ———

بعد ازاں جب ہم دوبارہ آخرت میں آتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے نبی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کی شان یہ ہے کہ ان کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہے ——— نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ——— یہ نور ہم پہلے بھی ایک منظر میں دیکھ چکے ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ ایمان اپنی ہمیشہ کی عادت کے مطابق خدا سے دعا کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب، ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ——— يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ——— حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی مغفرت پہلے ہی کر دی ہے لیکن وہ ہیں کہ اپنے پروردگار کی ناراضی سے ڈر کر اُس سے مغفرت کی دعائیں کرتے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں جنت میں جو نعمت بھی ملی ہے

اس کی انتہا مغفرت ہی ہے۔

قیامت کے روز حقیقی ہار جیت

دنیا کی زندگی میں کون ہارتا اور کون جیتتا ہے۔ فائدہ کون اٹھاتا ہے اور نقصان کون؟ اس چیز کا اندازہ قیامت کے روز ہوگا۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(التغابن[1] ۹-۱۰)

(اس کا پتہ تمہیں اس روز چل جائے گا) جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا وہ دن ہوگا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا۔ جو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ دوزخ کے باشندے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

اس منظر میں سب سے انوکھی چیز "تغابن" ہے۔ تغابن سے مراد لین دین اور خرید و فروخت کے معاملہ میں دو آدمیوں میں سے ایک کا دوسرے کو دھوکہ سے نقصان پہنچانا اور خود نفع اٹھانا ہے۔ اس روز "تغابن" کا کیا سوال جس روز کہ کوئی سودا بازی اور کوئی دوستی کام نہ آئے گی — لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ — یہ نقطۂ نظر کی علامت ہے، جس سے انسان کی زندگی بھر کی دوڑ دھوپ کا صحیح رخ معلوم ہو جاتا ہے اور لوگوں کی حقیقی ہار جیت کا ٹھیک ٹھیک پتہ چل جاتا ہے۔ آخرت کا ماحصل "جنت" و "دوزخ" ہے۔ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ "غبن" کا معاملہ کریں۔ اور اس میں خود دوسروں سے بڑھ کر کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ چیز دنیا میں عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ حقیقی تغابن جو باہمی مسابقت اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جدوجہد کرنے کا مستحق ہے۔ تغابن کی یہ صورت آخرت ہی میں واقع ہوگی جہاں اہلِ ایمان اپنی جدوجہد کا بہتر سے بہتر پھل پائیں گے۔ اور دینِ حق کا انکار کرنے والے خسارہ اٹھائیں گے!

---

[1] زمانۂ نزول کے لحاظ سے یہ ۱۰۸ ویں سورت ہے۔

انبیاءؑ سے استفسار اور ان کا جواب

قیامت کے روز کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور تمام انبیاء کو جمع کر کے اُن سے گواہی لی جائے گی۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱ ——— اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

(المائدہ ۳۶-۳۷)[لہ]

خوب جان لو کہ جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا، اگر ان کے قبضہ میں ساری زمین کی دولت ہو اور اتنی ہی اور اس کے ساتھ، اور وہ چاہیں کہ اسے فدیہ میں دے کر روزِ قیامت کے عذاب سے بچ جائیں، تب بھی وہ ان سے قبول نہ کی جائے گی اور انہیں دردناک سزا مل کر رہے گی۔ وہ چاہیں گے کہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور انہیں قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

۲ ——— يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

(المائدہ ۱۰۹)

جس روز اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، آپ ہی تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جانتے ہیں۔

۳ ——— اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ۖ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۖ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۖ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۖ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(المائدہ ۱۱۶-۱۱۹)

غرض جب (یہ احسانات یاد دلا کر) اللہ فرمائے گا کہ "اے عیسیٰ بن مریم، کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو؟" تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ سبحان اللہ، میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا، آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی اور تمہارا رب بھی۔ میں اسی وقت تک ان کا نگران تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا جب آپ

لہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۱۱۲ ویں سورت ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ الفتح نازل ہوئیں لیکن ان میں قیامت کے بارے میں محض اشارات ملتے ہیں واضح منظر کوئی نہیں ہے۔

نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگران ہیں۔ اب اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا ہیں" ۔ تب اللہ فرمائے گا: "یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے ' ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ' یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے ' یہی بڑی کامیابی ہے ۔"

پوری کائنات بطور فدیہ ناقابلِ قبول۔ ۱ ـــــ پہلا منظر یہاں دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے یہ منظر پوری کائنات کے برابر سونا اور زمین کی ساری دولت نیز اتنی ہی مزید دولت بطور فدیہ دینے کی کوشش اور کسی بھی قسم کے اور کسی بھی قیمت کے فدیہ کو قبول نہ کرنے کی تصویر پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح دوزخ کی آگ سے نکل بھاگنے کی کوشش اور اس میں ناکامی کی دوبارہ منظر کشی کی گئی ہے۔ یہ ایک ناکام کوشش ہے جس میں کوئی تکلیف نہیں۔ البتہ یہ دردانگیز منظر پہلے سورۃ الحج میں اور اس کی ایک جھلک سورۃ السجدہ میں گزر چکی ہے۔ جزئیات میں کچھ اختلاف کے باوجود ان سب کا منبع ایک ہی ہے۔

اس موقعہ پر فدیہ مسترد کر دیا جاتا ہے اور یہ فدیہ ذرا خیال فرمائیں، زمین کی پوری دولت کا دوگنا ہے۔ یہ اتنا بڑا فدیہ ہے کہ تمام انسانوں کی مجموعی حدِ استطاعت سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس وسیع منظر میں اتنے بڑے فدیے کا مسترد کر دینا اس بات کی کھلی علامت ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی فدیہ میں نہیں لی جا سکتی۔ "ایں خیال است و محال است و جنوں" لیکن قرآن کا تصویری اسلوب بیان اس استحالہ کو تصور میں اس انداز میں منتقل کرتا ہے کہ وہ اسے محدود دائرے میں سما جائے جتنا مختصر سا وقفہ ان تصویر کے پیش کرنے اور اس میں فدیہ مسترد کرنے کے درمیان صرف ہوتا ہے۔

ایک طرف تو جو کچھ زمین میں ہے اور اتنا ہی مزید، اس سب کچھ کے لیے جتنی وسیع جگہ درکار ہے وہ ہمارے تخیل میں ہے اور ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف وقت کی مسافت ہے جسے ہم تصور میں لاتے ہیں تو اسے اپنے سامنے متشکل پاتے ہیں ہمارا احساس و ضمیر پوری طرح اس صورتِ حال کی گرفت میں ہوتا ہے اور بالآخر ہم ذہنی طور پر اس حتمی یقین پر پہنچ جاتے ہیں کہ فدیہ دینا اور اس کا قبول ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ ہاں، ادائے فدیہ اس دنیوی زندگی ہی میں ممکن ہے (اور وہ بھی خدا کی اطاعت و فرماں برداری میں)۔

انبیاء کی طرف سے جواب دہی ۲ ـــــ دوسرا منظر ہمارے تصور میں یہ حقیقت لاتا ہے کہ اللہ کے تمام رسول اپنے پروردگار کے دربار میں جمع ہیں اور وہ ان سے پوچھ رہا ہے کہ لوگوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ ـــــ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ـــــ ؟

حالانکہ لوگوں نے ان کی دعوت کا جو جواب دیا اسے وہ خود اچھی طرح جانتا ہے لیکن یہ اقرارِ جرم کی صورت میں ان کے گناہوں پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنا ہے یا پھر پیشِ نظر عدالتی فیصلہ کے سلسلے میں ابتدائی انتظامی کارروائی کی تکمیل ہے!

اُدھر وہ سوال ہے اور ادھر اس بات کا بے تابی سے انتظار کیا جا رہا ہے کہ خدا کے پیغمبر، جس طرح لوگوں نے ان کی دعوت کی پذیرائی کی، اس کی تمام تفصیلات بیان کریں گے اور ان کے کفر و ایمان کا کچا چٹھا سب کے سامنے کھول کر رکھ دیں گے اور اس کٹھن اور سخت مشقت طلب دعوت کے سلسلے میں جد و جہد کرتے ہوئے انہیں جن مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا وہ سب کچھ دربارِ الٰہی میں پیش کر دیں گے لیکن پورے ماحول پر چھائی ہوئی ہمہ گیر ہولناکی انہیں سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں یاد نہیں رہتی اور وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں: "اے مولائے کریم! ہمیں کچھ علم نہیں! غیب کی تمام باتوں کا سب سے زیادہ جاننے والا تو تو ہی ہے۔ تجھے خود علم ہے" —— قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ —— اس جواب کے بین السطور سے ہم ان کے حیرت و استعجاب کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اور اس جواب کے پس منظر میں ہمیں وہ دہشت ناک ہولناکی نظر آ جاتی ہے جس سے خدا کے رسولوں اور پیغمبروں پر بھی ہول کی حالت طاری ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ بڑے پختہ یقین والے اور راسخ الایمان ہیں۔ یہ چند الفاظ ہمارے سامنے مہیب سائے لا کھڑا کرتے ہیں۔ بین السطور کے اندر اکثر و بیشتر وہ سب کچھ موجود ہے جو سطور کے ظاہر سے متبادر ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جواب دہی

۳ —— تیسرا منظر خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مکالمے کی تصویر ہے۔ اس خوفناک صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ پکارتا ہے: "اے عیسیٰ ابنِ مریم!" —— يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ —— موقع و محل کے لحاظ سے والدہ کے ساتھ یہ نسبت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ یہاں لوگوں کا وہ گروہ بھی موجود ہے جس نے نسلِ آدم کے ایک جلیل القدر فرد عیسیٰ ابنِ مریم کو اپنا الٰہ و معبود بنائے رکھا جبکہ حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دی تھی جو اس کا بھی رب ہے اور ان کا بھی۔ (حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف دعوت موجودہ اناجیل میں بھی واضح ہے۔ اگر خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کے اس قول سے کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ "میرا باپ وہ ہے جو آسمانوں میں ہے۔" تو یہ درست نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے حواریوں کو بھی یہی

کہا تھا کہ "تمہارا باپ وہ ہے جو آسمانوں میں ہے۔" در اصل یہاں خدا کو "باپ" محض مجازی طور پر کہا گیا ہے) لیجئے، وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں ان سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ "کیا تم نے انہیں اپنی ذات کی اور اپنی ماں کی عبادت کی دعوت دی تھی"؟ ظاہر ہے ان کا جواب اس تہمت سے سخت اظہارِ بیزاری ہی ہو سکتا ہے (سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا۔ اگر میں نے ایسی بات کہی تھی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ ... الخ") نیز وہ معاملے کو اللہ کے سپرد ہی کر سکتے ہیں۔ تاکہ ان کے حسبِ حال جو فیصلہ وہ چاہے کر لے۔ اس اثنا میں وہ حکم صادر ہوتا ہے جسے کسی حال میں بھی رد نہیں کیا جا سکتا — هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ — یہ وہ دن ہے جس میں سچّوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے — محولہ بالا جھوٹے دعویٰ کی مناسبت سے اس حکم میں اہلِ صدق کی صداقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا جاتا ہے (کہ انہوں نے رسول پر خدا کے بندے اور رسول کی حیثیت سے ایمان لا کر سچ کہا۔) اور مؤمنین کے بارے میں یہ واشگاف اعلان بھی کیا جاتا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی۔ یہ خوشنودی دونوں طرف موجود ہے۔ ان اہلِ ایمان کو اس سخت ہولناک دن میں اپنے پروردگار کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حقیقتہً یہی بہت بڑی کامیابی ہے!۔

سونے چاندی سے جسموں کو داغنے کا عمل

دنیا میں جمع کی ہوئی وہ دولت جس میں سے خدا اور خلق کے حقوق ادا نہ کیے گئے ہوں، قیامت کے روز اسے تپا کر جمع کرنے والوں کے جسم داغ دیے جائیں گے۔ پورا منظر ملاحظہ ہو:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾

(التوبہ[1] ۳۴-۳۵)

اور دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا — یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

اس آخری اور خوفناک منظر کو طوالت اور درد انگیز طریقے سے پیش کیا گیا ہے تاکہ اس کا اثر نفسِ انسانی کی گہرائی تک پہنچ جائے اور منظر کی جملہ تفصیلات و جزئیات کا مشاہدہ کرے۔

---

[1] زمانۂ نزول کے لحاظ سے یہ ۱۱۳ ویں سورت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ شروع میں عذاب کی مجمل سی تصویر ہے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ ——— انہیں دردناک سزا کی خوش خبری دے دو ——— یہاں سیاقِ کلام کو منقطع کر دیا گیا ہے تاکہ آگے آنے والے مناظر کی پیش رفت قدرے ٹھہر جائے اور قاری اپنا آپ سنبھال کر تفصیلات کے مشاہدے کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد منظر تفصیلاً پیش کیا جاتا ہے :

دوسری بات یہ ہے کہ عذاب کا اجمالی تصور دلانے کے بعد جب اس کی تفصیلات شروع ہوتی ہیں تو پہلے ہی مرحلے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ ایک عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سونے اور چاندی کا ذکر ان کے بہت سے ٹکڑوں کی روشنی میں تثنیہ کے بجائے جمع کے صیغے میں کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا ——— جس دن سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔ یہاں يُحْمَىٰ عَلَيْهِمَا کی بجائے يُحْمَىٰ عَلَيْهَا کہا جاتا ہے جس میں ان کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کثرت کی وجہ سے آگ دہکانے کے عمل میں بھی طوالت ہے۔ کیونکہ یہ آگ ایک دو پر نہیں سونے چاندی کے سب ٹکڑوں پر دہکائی جا رہی ہے۔ ذرا ٹھہریئے! ان کے لال سرخ ہونے کا انتظار کر لیں! چلیئے، لال سرخ ہو گئے ہیں۔ اب خوفناک عمل شروع ہو گیا ہے۔ لیجئے یہ ان کی پیشانیوں کو داغا جا رہا ہے۔ لو، اب پیشانیوں کے داغنے سے فارغ ہو گئے ہیں۔ اب ان کے جسموں کو ہلا کر انہیں پہلوؤں کے بل کر دیا گیا ہے چلیئے وہ دیکھئے اب ان کے پہلو داغے جا رہے ہیں۔ لو، اب پہلوؤں کو داغنے سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔ لیجئے اب ان کے جسموں کو تھوڑی حرکت دے کر ان کی پیٹھیں اوپر کر لی گئی ہیں۔ چلیئے وہ دیکھئے اب ان کی پیٹھیں بھی داغی جا رہی ہیں۔ لیجئے اب تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے ہیں لیکن اس کے بعد منظر کی پیش کاری ختم نہیں ہو گئی۔ لوگ قطار در قطار آتے جا رہے ہیں تاکہ ان کے بعد دوسرے لوگوں کو داغا جا سکے۔ لیجئے اب ساتھ کے ساتھ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے ——— هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ ——— لو یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ لو اب اس سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَزْوَاجِهِ أَجْمَعِينَ

مُبارک تحفہ

ترجمۂ

قُرآن مجید

مع مختصر حواشی ـــــ از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دین کے ایک زبردست داعی اور مفکر ہونے کے علاوہ قرآن کے ایک بلند پایہ مفسّر بھی ہیں۔ آپ کی مشہور و معروف تفسیر تفہیم القرآن وقت کی ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس تفسیر نے کتنے ہی افراد اُمّت کے خیالات میں انقلاب پیدا کیا ہے، کتنے ہی ذہنوں کی گتھیاں اس کے ذریعہ سے دین کی سیدھی اور فطری راہ کا صحیح طور پر علم ہو سکا ہے ترجمہ قرآن مجید درحقیقت ان لوگوں کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے جو قرآن کی تلاوت ترجمہ کے ساتھ کرنا چاہتے ہوں۔ یہ ترجمہ تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ضروری حواشی بھی دیدیئے گئے ہیں تاکہ آیاتِ قرآنی کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ یہ حواشی بھی تفہیم القرآن سے ماخوذ ہیں جو اپنے مقاصد کے لیے کافی ہیں۔ ان حواشی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان حواشی کا انتخاب اور ان کی تلخیص خود مولانا موصوف نے فرمائی ہے۔ کچھ نئے حواشی بھی اس میں پڑھنے کو مِل سکتے ہیں۔ قرآن کے شروع میں "عرض مترجم" کے عنوان سے خود مولانا نے اس ترجمہ کی ضرورت اور اس سے استفادہ کے طریقے پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک صفحہ پر عربی متن کو جگہ دی گئی ہے۔ سامنے کے صفحہ پر اس کا ترجمہ اور ساتھ ہی ضروری حواشی دے دیئے گئے ہیں۔ صحت کا پورا اہتمام رکھا گیا ہے۔